بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقوشِ حضرت افغانی نور اللہ مرقدہ

مجموعہ

شیخ الاسلام حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

ادارہ شمس المعارف (رجسٹرڈ) (وقف)

ترنگ زئی ۔ ضلع چارسدہ ۔ پشاور ۔ پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجٰت

نقوشِ حضرت افغانی نور اللہ مرقدہ

امام العصر شیخ الاسلام حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ
سابق شیخ التفسیر دار العلوم دیوبند و رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کے
بارے میں جیّد علماء کرام و فضلاء عظام کے تحقیقی مقالات و مضامین — اور
عقیدت و محبت کا خوبصورت اوّلین مجموعہ

ناشر
ادارہ شمس المعارف (وقف)
ترنگ زئی • ضلع چارسدہ • پشاور • پاکستان

اعتذار و تصحیح صفحات

۱ــــ " میرے والدِ ماجد " کے عنوان کے تحت صفحات کی ترتیب مہربانی فرما کر پہلے نوٹ فرمالیں تاکہ مضمون کا تسلسل قائم ہو جائے ــــ صفحہ ۱۹ کے بعد صفحہ ۲۱ کا مطالعہ فرمائیں، اس کے بعد صفحہ ۲۰ اس کے بعد ص ۲۳ پھر ص ۲۲ پھر ص ۲۵ پھر ص ۲۴ پھر ص ۲۷ پھر ص ۲۶ پھر ص ۲۸ پھر ص ۳۱ اور پھر ص ۲۹ نیز صفحہ ۳۰ کے بعد ص ۳۲ مطالعہ فرمائیں پھر ص ۳۳ پھر ص ۳۵ پھر ص ۳۴ اور اس کے بعد ص ۳۶ ۔

۲ــــ " حضرت علامہ تصانیف کے آئینے میں " کو درج ذیل ترتیب سے ملاحظہ فرمائیں : صفحہ ۶۳ کے بعد ص ۶۵ پھر ص ۶۴ اور اس کے بعد ص ۶۶ دیکھیں ۔

۳ــــ " مفسرِ قرآن حضرت افغانیؒ " کے وقیع مضمون میں درج ذیل دو اصلاح فرمالیں ① : صفحہ ۲۳۶ پر آخری دو سطریں آگے پیچھے ہو گئی ہیں بغور دیکھیں ۔ ② ص ۲۶۶ کے بعد ص ۲۶۸ دیکھیں پھر ص ۲۶۷ اور اس کا بقیہ آخری حصہ ص ۸۶ پر ملاحظہ فرمائیں ۔

درج بالا غلطیاں ہمارے کاتب اور کاپی جوڑنے والے صاحبان سے نادانستہ ہو گئی ہیں جن پر ہم بصد ادب دل سے معذرت خواہ ہیں ، چونکہ یہ اوّلین پیش کش ہے امید ہے کہ اسے ہماری ناتجربہ کاری سمجھ کر مضمون نگار حضراتِ گرامی اور قارئین کرام محسوس نہ فرمائیں گے اور دل سے معافی عطا فرما کر آئندہ کامیابی کی دعا فرمائیں گے ۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

نام کتاب ــــــ نقوش حضرت افغانیؒ

تعداد ــــــ ایک ہزار

بار اوّل ــــــ نومبر ۱۹۹۲ء

مطبع ــــــ افضل شریف پرنٹرز ، اردو بازار ، لاہور

ناشر ــــــ ادارہ شمس المعارف ترنگ زئی (پشاور)

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم - اما بعد

بزرگان محترم و قارئین کرام السلام علیکم و رحمتہ اللہ وبرکاتہ

آج واقعی مسرت و خوشی کا دن ہے کہ اللہ جل شانہ کے فضل و احسان سے ایک دیرینہ تمنا پوری ہو رہی ہے کہ والد محترم یکتائے زمانہ شیخ الاسلام حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمتہ اللہ علیہ کے علوم و معارف کی اشاعت کیلئے ادارہ شمس المعارف " قائم ہو جانے کی خوش خبری اپنے احباب و بزرگوں کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے اس ادارہ کے تحت پہلی کتاب " چند دروس کوئٹہ " عنقریب شائع ہونے والی ہے جو حضرت کے منظور نظر حضرت علامہ عبدالرحمان صاحب مدظلہ بہاولپوری نے کوئٹہ ' اکیڈمی میں مرتب فرمائی تھیں اور انہیں کی کوششوں سے ادارہ ھذا معرض وجود میں آیا ہے اللہ تعالیٰ انہیں حضرت کے تمام عقیدت مندوں کی طرف سے جزائے خیر سے نوازے آمین ان کے ساتھ اس کار خیر میں حضرت کے تلمیذ و خلیفہ راشد جناب پروفیسر مولانا احمد عبدالرحمان صدیقی صاحب حضرت محترم و مکرم جناب الحاج عبدالحنان صاحب پشاور اور محترم جناب ڈاکٹر ربنواز صاحب بھی ابتدا سے باہمی مشوروں اور گرانقدر خدمات میں مصروف رہے بندہ بحیثیت صدر ادارہ شمس المعارف ان اراکین منتظمہ کا تہہ دل سے ممنون ہے اس طرح حضرت حافظ نور الحق صاحب اور محترم جناب فیض الحق صاحب نے بھی ادارے کے قیام میں میری حوصلہ افزائی فرمائی اللہ تعالیٰ سب کو شایان شان جزائے خیر سے نوازے آمین

زیر نظر خصوصی شمارہ ماہنامہ النصیحہ چارسدہ کی وہ کاوش ہے جو ایک مدت سے مولانا گوہر شاہ صاحب چارسدہ اور مدیر النصیحہ جناب مولانا غلام محمد صادق کی مشترکہ کوششوں اور محنت سے کافی عرصہ سے ان کے پاس مرتب محفوظ تھا لیکن بوجوہ اسے شائع نہ کرسکے ادارہ شمس المعارف " کے مجلس منتظمہ نے اس محنت کو منظرعام پر لانے کا فیصلہ کر لیا - یہ نقش اول ہے اس کے بعد ایک بڑے اور عظیم خاص نمبر کیلئے کوشش شروع کرنے کا بھی متفقہ فیصلہ ہوا کہ حضرت علامہ افغانی رحمتہ اللہ کے شایان شان خاص نمبر ادارہ خود مرتب و شائع کرنے کی سعادت پاسکے گا اس کیلئے تمام قارئین کرام اور احباب سے درخواست ہے کہ مجوزہ علامہ افغانی نمبر کیلئے توجہ فرما کر جلد از جلد بندہ کو اپنے گرانقدر مضامین سے مشرف فرمائیں اس موقع پر دار العلوم چارسدہ کے مہتمم اور ناظم کا بہت مشکور ہوں کہ موجودہ جمع شدہ

اور کتابت شدہ اوراق بلا معاوضہ انہی کا عطیہ ہے - موجودہ خصوصی شمارہ اگرچہ منتظر احباب کرام کی تمناؤں پر شاید پورا نہ اترے مگر جو بھی ہوا غنیمت ہے اس پرچہ میں بعض مضامین رہ گئے ہیں خاص کر حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ کے عظیم مقالے کا آخری حصہ شامل نہ ہوسکا ان کا بے حد ممنون ہوں کہ ہجوم مشاغل کے باوجود تفصیلی مضمون رقم فرمایا اس طرح حضرت مولانا سید عبدالشکور ترمذی مدظلہ اور حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب وغیرہ ہم تمام مضمون نگاروں کا دل سے ممنون ہوں - راقم ناچیز نے ادارے کے نام کے سلسلے میں بذریعہ خط کئی حضرات سے رجوع کیا - میرے عریضے کے جواب میں حضرت مولانا سید عبدالشکور ترمذی مدظلہ نے ادارے کا نام " شمس المعارف " تجویز فرمایا مجلس منتظمہ کے اراکین نے مذکورہ نام کے حق میں فیصلہ دیدیا چنانچہ ادارہ شمس المعارف کا نام حضرت مولانا سید عبدالشکور صاحب ترمذی مدظلہ کا تجویز کردہ ہے حسن اتفاق کہ حضرت علامہ افغانی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے کتب خانے کا نام بھی کتب خانہ دینیہ شمس المعارف رکھا ہے - ناسپاسی ہوگی اگر میں مخدومنا المکرم جناب حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچوی کا ذکر نہ کروں کہ ان کی خصوصی توجہات روحانیہ نے میری توجہ اس عظیم کام کی طرف مبذول کرائی حضرت قاضی صاحب مدظلہ العالی از ابتداء تا این دم اس ناچیز کی ہر پہلو سے سرپرستی فرما رہے ہیں خصوصا قبلہ گاہی حضرت علامہ افغانی رحمتہ اللہ علیہ کی وفات کے بعد جس شخصیت نے بے پناہ شفقتوں سے نوازا اور ہماری سرپرستی اور رہنمائی فرمائی وہ حضرت قاضی صاحب مدظلہ العالی کی ذات گرامی ہے بلکہ مجھے اعتراف کرنا چاہئے کہ اگر حضرت قبلہ گاہی رحمہ اللہ کے اس دنیا سے اٹھ جانے کے بعد حضرت قاضی صاحب مدظلہ العالی کی ذات بابرکت موجود نہ ہوتی تو یہ ناچیز کب کا ٹوٹ چکا ہوتا - اللہ تعالیٰ ان کا سایہ تادیر قائم و دائم رکھے - آمین -

لاہور کے تمام احباب خصوصا حضرت مولانا علی اصغر صاحب چیف خطیب صوبہ پنجاب کا بھی ممنون ہوں کہ میرے قیام لاہور کے دوران میزبانی کے فرائض اور مفید مشوروں سے نوازا -

انشاء اللہ عنقریب بہت سی کتب ادارہ شمس المعارف کی طرف شائع ہونے والی ہیں تمام احباب و قارئین کرام سے درخواست ہے کہ اپنے گرانقدر مشوروں سے بھی نوازیں اور ادارہ کی مطبوعات کی اشاعت کا ذریعہ بنیں اور ایک دینی کام میں معاون ہو کر عنداللہ ماجور ہوں جزاک اللہ تعالیٰ احسن الجزاء - طالب دعا سید محمد داؤد جان افغانی صدر ادارہ شمس المعارف ترنگ زئی ضلع چارسدہ - پشاور پاکستان

مورخہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۹۲ء بمطابق ۲ جمادی الاول ۱۴۱۳

مشائخ کے خطوط

مخدومی و مکرمی دام مجدکم،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات سے متعدد بار مشرف ہوا۔ سنہ کے قریب، مولانا اور حضرت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہما کا ہمارے یہاں چند روز قیام بھی رہا۔ وہ جمعیۃ کے منشور کے سلسلہ میں یکسوئی چاہتے تھے اس کے علاوہ، ایک دفعہ ہمارے یہاں انہوں نے بخاری شریف ختم کرائی۔ والد صاحبؒ کی وفات پر تعزیت کے لئے تشریف لائے۔ ایک دفعہ سورہ فاتحہ اور گیارہ دفعہ سورہ اخلاص پڑھ کر ایصالِ ثواب کیا۔ پھر روایت کا ذکر فرمانے لگے تو میری زبان سے نکلا کہ ابن ہمامؒ نے یہ روایت دی ہے، اس پر مولانا نے مسرّت کا اظہار فرمایا، یعنی تائیدی اظہار (کیونکہ یہ حوالہ ان کے علم میں تھا)

جس زمانہ میں حضرت مولانا بہاولپور جامعہ اسلامیہ میں پڑھاتے تھے، اس زمانے میں مجھے معلوم ہوا کہ مولانا لاہور سے گذر رہے ہیں، تو میرے علم میں یہ دو دفعہ آیا، دونوں دفعہ میں مولانا سے اسٹیشن پر ملنے گیا، تو ایک دفعہ، ایک صاحب نے قرض کے لئے وظیفہ مانگا۔ مولانا نے فرمایا کہ "اذا جاء" فجر کے بعد نو مرتبہ اور ہر نماز کے بعد آٹھ مرتبہ پڑھتے رہیں۔ پھر فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت مولانا مدنیؒ سے قرض کیلئے وظیفہ

دریافت کیا تھا، تو اُسے انہوں نے یہی بتلایا تھا۔ پھر کچھ اپنے اوراد کا ذکر بھی فرماتے رہے جنہیں اللہ الصمد اور یا حیّ یا قیوم پڑھنا بھی تھا اور ان کے مفید اثرات کا بھی ذکر فرمایا۔

غالباً ۱۹۶۷ء میں ڈھاکہ چٹاگانگ، میمن سنگھ اور سلہٹ کا سفر ہوا۔ اُس وقت مولانا عبدالقادر صاحب آزاد، جو آج کل بادشاہی مسجد لاہور کے خطیب ہیں، بطور خادم رسیکرٹری مولانا کے ساتھ تھے۔ اس سفر میں مولانا نے حضرت مدنی قدس سرہ، کا ذکر فرمایا اور علامہ اقبال مرحوم کے اشعار پر خود مولانا نے جو جوابی اشعار لکھے تھے؛ وہ سنائے۔

وہ یہاں مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ میں ہم نے طبع کر دیئے تھے۔ ایک ملاقات میں، میں نے عرض کیا کہ ان پر دستخط فرما دیں، تو مولانا نے دستخط فرما دیئے۔ اس کی فوٹو کاپی ارسال خدمت کر رہا ہوں (میں نے یہ پہلے بھی آپ کی خدمت میں بھیجے تھے، مگر شاید وہ پہونچے نہیں، اس لئے اب کی دفعہ رجسٹری کر رہا ہوں)

دعواتِ صالحہ میں یاد فرماتے رہنے کی درخواست ہے۔

دستخط (حضرت مولانا) حامد میاں

جامعہ مدینہ۔ کریم پارک۔ راوی روڈ لاہور ۲

محترمی ومکرمی! زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔

حضرت علامہ شمس الحق افغانی رح کی سوانح حیات پر ضرور میں کچھ تحریر کر کے ارسال کرتا، لیکن اس عرصہ میں اوّل تو طبیعت ٹھیک نہیں رہتی جس کا باعث اضمحلال ہے۔ ثانیاً اب اختتام سال کی وجہ سے دن رات، درس بخاری شریف کا سلسلہ رہتا ہے، اس وجہ سے معذرت خواہ ہوں۔ انشاء اللہ آئندہ کسی وقت کچھ لکھ کر بھیجدونگا۔

والسلام

(حضرت مولانا) محمد مالک کاندھلوی غفرلہ،

شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ۔

مسلم ٹاؤن، لاہور۔ پاکستان

۱۷ رجنوری ۸۷ء

جناب محترم و مکرّم ، سلام مسنون !

مراسلہ گرامی نامہ موصول ہوا اور اس اطلاع سے دلی مسرّت ہوئی کہ آپ "مجلی النصیحۃ" کا "علامہ شمس الحق افغانی نمبر" شائع کر رہے ہیں۔ خدا کرے کہ یہ نمبر علامہ مرحوم کے علمی کمالات، عبقریت و رزانت، اور ان کے سیرتی خد و خال کا عکسِ جمیل ہو، جلد شائع ہو اور مقبول خاص و عام ہو۔ علامہ مرحوم، والد مرحوم حضرت علامہ انور شاہ کشمیری علیہ الرحمۃ کے بلند پایہ تلامذہ میں تھے، اپنے مرحوم استاد کی جانشینی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں بصورت صدارت تدریس کی۔ یہ شرف و امتیاز صرف دو شاگردوں کے حصے میں آیا۔ "قلات" میں وزیر تعلیم رہے اور خاتمہ عمر، جامع عباسیہ بہاولپور کے شیخ الجامعہ کے منصبِ جلیل پر ہوا۔ مجھے حضرت مرحوم سے شعور و آگہی کے دور میں ملاقات کی سعادت نصیب نہیں ہوئی، حالانکہ ان کی حیات میں پاکستان کے دو سفر ہوئے مگر میری حرماں نصیبی کہ دونوں اسفار میں شفاہی ملاقات سے دولت بداماں نہ ہو سکا، اس لئے حضرت مرحوم کے بارے میں میرے معلومات و تاثرات صفر ہیں، البتہ میں نے عم محترم مرحوم مولانا سیف اللہ کشمیری رح، جو دارالعلوم دیوبند میں مدرس بھی رہے ہیں، سے براہ راست سنا کہ مولانا شمس الحق صاحب مرحوم، مرحوم چچا کے طالب العلمی ہی کے دور میں، دیوبند پڑھنے آگئے تھے، والد مرحوم نے چچا مرحوم سے فرمایا، کہ یہ طالب علم علم نجوم میں درک رکھتے ہیں، تم ان سے کچھ کتابیں علم نجوم کی پڑھ لو"۔ ایک کتاب کی نشاندہی بھی کی، جو دارالعلوم کے کتبخانہ میں موجود تھی۔ اب خدا جانے، والد مرحوم کو علامہ افغانی کی علم نجوم میں دستگاہ کا علم کیسے ہوا۔ یاد رہے کہ حضرت علامہ کشمیری علیہ الرحمۃ، نجوم، جفر، رمل، وغیرہ میں کلی مہارت رکھتے تھے۔ مولانا کریم بخش مرحوم، جو لاہور میں اورینٹل کالج میں پروفیسر تھے، اور والد مرحوم کے تلامذہ میں انہوں نے والد مرحوم کی ایک مختصر سوانح لکھی تھی، اس میں علامہ کشمیری رح کی ان مذکورہ فنون میں حاذقانہ چابکدستیوں کا چند واقعات کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ یہاں ہندوستان میں مولانا اختر شاہ میرٹھی اور مظفر نگر کے مشہور شاعر و منجم الم مظفر نگری نے بھی والد مرحوم سے علم نجوم میں استفادہ کیا تھا، نیز ان فنون میں عبور و درک، قدماء کے یہاں کوئی عیب بھی نہیں تھا مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنی معروف تصنیف "مآثر الکرام" میں بہت سے ایسے ہندی علماء کا ذکر کیا ہے، جو ان علوم میں پوری مہارت رکھتے تھے، متقدمین جہان علم کے ہر گوشے کا سفر، بشوق و ذوق کرتے۔ حضرت امیر خسرو باوجودیکہ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین

اولیاء دہلوی رح کے ممتاز خلفاء میں ہیں لیکن موسیقی میں ان کی مہارت تاریخی حقیقت ہے۔ والد مرحوم نے تو طبابت بھی کامل و مکمل، دہلی میں رہ کر حکیم اجمل خان صاحب کے والد سے پڑھی تھی ان کا خیال تھا کہ طبِّ نبوی کو طب پڑھے بغیر سمجھنا مشکل ہے، پھر اپنے برادر نسبتی مولانا سید حکیم محفوظ علی صاحب گنگوہی اور مولانا صدیق صاحب نجیب آبادی "مؤلف انوار المحمود شرح ابی داؤد" جو حال ہی میں پاکستان میں شائع ہوئی ہے، کو طب پڑھائی تھی۔ یہ وضاحتیں قلم پر بے اختیار، اس وجہ سے آگئیں کہ عصر حاضر میں زبوں ہمتی، جو طبقہ علماء میں سرایت کر گئی، اس نے اکتساب کمالات کے دروازے تو بند کر دیئے اور جواز و عدم جواز کی طائل مباحث میں ان حضرات کو الجھا دیا۔ اب میں آپ کے نمبر کا منتظر ہوں، شائع ہونے پر مجھے مت بھولئے کہ اس کے مطالعہ سے علامہ افغانی مرحوم سے قدیم عقیدتوں کی آبیاری ہوگی۔

خدا کرے کہ آپ بعافیت ہوں اور یہ عریضہ آپ کو مل جائے۔ مراسلت کے لئے پیڈ پر موجودہ پتہ ہی ہمیشہ استعمال کیجئے۔

والسلام مع الاحترام

(حضرت مولانا) انظر شاہ مسعودی

بیت الحکمت، دیوبند۔ انڈیا

محترم المقام جناب ایڈیٹر صاحب، ماہنامہ النصیحۃ۔ زید مجدکم، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، گرامی نامہ باصرہ اور بصیرت نواز ہوا، اس سے بہت خوشی ہوئی کہ آپ حضرت افغانی قدس سرہٗ کے حالات پر مشتمل ایک خصوصی نمبر شائع کرنے والے ہیں، اس گنہگار کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اس مساعی کو مشکور فرما دے۔ آمین

ایسے دور میں جبکہ اصاغر اکابر سے نہ تو صرف بیزار ہیں بلکہ ان کے نظریات، افکار، بلکہ ان کی ذات سے بھی برسر پیکار ہیں۔ آپ کا یہ ارادہ بہت ہی مبارک ہے، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرما کر قبول فرما دیں۔

حضرت افغانی قدس سرہ کے ساتھ اس گناہ گار کا فی زمانہ تعلق رہا ہے جس کا اصلی محرک، اس ہیچ مداں کے وہ شکوک اور شبہات تھے، جو علمی، دینی، بلکہ روحانی امور میں پیش آتے تھے اور احقر یہ کہنے میں باک نہیں سمجھتا، کہ ان کے حل کے لئے اس نظر قاصر میں صرف مغفور ہی کی ذات گرامی تھی، جب کبھی قلمی طور پر حاضر ہوا، انہوں نے قلمی

اور قلبی طور پر میری تشفی فرما دی، میری راہ نمائی فرمائی، ان کے حالات سے بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے، اختصاراً یہ عرض ہے کہ وہ منقولات، معقولات میں عدیم النظیر تھے۔ حافظہ بہت قوی تھا، پھر ان کے تقویٰ کی کھلی دلیل ہے، ہر سائل کے سوال کا جواب فصل الخطاب کے طرز پر فرمایا کرتے تھے۔

اس گناہگار نے اس قدر جامع، متحمل مزاج، نکتہ شناس، خوددار عالم باعمل، اسلاف کا سچا جانشین، آپ کو پایا ہے، وہ شمس الحق بھی تھے اور شمس العلماء بھی تھے، افسوس کہ اب اپنی نظر میں ان جیسا مشفق نہیں رہا۔

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ وافاض علینا من علومہ وبرکاتہ۔ آمین۔

مخلص : (حضرت مولانا) قاضی محمد زاہد الحسینی

دارالارشاد ۔ مدنی روڈ۔ اٹک شہر

مخلص مکرم و محترم جناب مولانا محمد گوہر شاہ صاحب زید مجدکم،

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

عنایت نامہ غالباً دو ہفتہ پہلے موصول ہوا تھا، جواب میں بالقصد تاخیر کی، خدا کرے اب جو لکھا جا رہا ہے یہ آپ تک پہونچ جائے۔ کارڈ اس غرض سے لکھا جا رہا ہے کہ معلوم ہوا ہے کہ بہ نسبت لفافہ کے کارڈ کے پہونچنے کی زیادہ امید ہے۔

یاد فرمائی کے لئے شکر گزار ہوں، لیکن فرمائش کی تعمیل سے بالکل قاصر ہوں، حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ سے میری واقفیت نہ ہونے کے برابر ہے، جس زمانہ میں وہ دارالعلوم دیوبند میں استاذ تھے، راقم سطور اس سے پہلے رسمی طالب علمی سے فارغ ہو چکا تھا۔ دارالعلوم دیوبند میں مولانا مرحوم کی زیارت کرنا تو یاد ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں، اس کے بعد اب سے پانچ چھ سال پہلے میرا کراچی کا سفر ہوا تھا، اس وقت ایک مجلس میں صرف مصافحہ اور ملاقات کی نوبت آئی تھی۔ اس وقت مولانا مرحوم بہت ضعیف اور نحیف تھے۔

بہرحال مجھے مولانا مرحوم کے بارے میں ایسی واقفیت نہیں ہے، کہ آپ کی فرمائش کی تعمیل میں کچھ لکھ سکوں۔ دعا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ مرحوم کے ساتھ مغفرت و رحمت کا خاص معاملہ فرمائے اور ہم اور آپ جبتک زندہ ہیں، ہم پر اس کا فضل رہے، اعمال مرضیہ کی

توفیق، معاصی سے حفاظت اور عافیت کے ساتھ زندگی کے دن پورے ہوں، حُسن خاتمہ نصیب ہو اور رب رحیم و کریم اپنے رحم و کرم سے مغفرت فرمادیں۔ آپ سے بھی دعا کا طالب ہوں۔

والسلام (حضرت مولانا) محمد منظور نعمانی۔ انڈیا

بخدمت حضرت مہتمم صاحب زاد اللہ مجدکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، امابعد۔ آپ کا گذشتہ سال بھی نوازش نامہ ملا تھا، ان دنوں میں مجھے غایت مصروفیت تھی، جواب میں تاخیر ہوگئی۔ پھر نسیان ہی ہوگیا،

حقیقت حال یہ ہے کہ بندہ کو حضرت مولانا شمس الحق صاحب رحمہ اللہ کے متعلق کوئی خاص زندگی کے حالات معلوم نہیں تھے، اس لئے بھی خاموشی رہی، پاکستان بننے سے پہلے جب آپ مدرسہ ڈابھیل میں صدر مدرس تھے، اس سال بندہ کی رفاقت آپ سے رہی۔ آپ خزانہ علم معقول و منقول تھے، اس علوشان کے باوجود اس کا اظہار نہ فرماتے تھے۔ جزاھم اللہ تعالےٰ خیرالجزاء۔ بندہ کی نظر اس وقت نہایت ہی کمزور ہوچکی ہے، یہ چند سطریں مشکل سے لکھی گئی ہیں۔ ناراضگی نہ فرمادیں۔

والسلام (حضرت مولانا) عبدالقدیر عفی عنہ، راولپنڈی۔

بخدمت گرامی جناب مولانا سید محمد گوہر شاہ صاحب مہتمم دارالعلوم الاسلامیہ چارسدہ دام مجدھم

سلام مسنون۔ السلام کے بعد۔ جناب والا کے دونوں مکتوب مل گئے تھے، یاد فرمانے کا شکریہ۔ احقر بیمار رہتا ہے، آنکھ کا آپریشن کرایا تھا، لیکن روشنی پوری طرح بحال نہیں ہوئی، صرف ایک آنکھ سے ہی پڑھنے لکھنے کا کام کرنا پڑتا ہے، یہ آنکھ بھی کمزور ہے، اس لئے بہت سے ضروری کام رہ جاتے ہیں۔ واللہ المستعان۔

"احقر کی حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحؒ کے ساتھ صرف ایک مرتبہ ہی ملاقات ہوئی ہے جب وہ یہاں گوجرانوالہ احقر کی درخواست پر مدرسہ نصرۃ العلوم کے سالانہ تقریب اختتام بخاری شریف تشریف لائے تھے اور دو دن یہاں گوجرانوالہ ٹھہرے تھے۔ اس سے قبل جب احقر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا تھا تو اس وقت حضرت افغانیؒ "قلات" میں وزیر معارف تھے ان سے غائبانہ سماعی تعارف ہی تھا، جب وہ بہاولپور جامعہ اسلامیہ میں بطور شیخ التفسیر مقیم تھے، تو احقر نے ان کی خدمت میں حضرت شاہ رفیع الدینؒ کے چند رسائل اور تحفہ

ابراہیمیہ ارسال کئے تھے، اس کے جواب میں حضرت نے ایک مفصل مکتوب ارسال کیا تھا، لیکن افسوس کہ وہ مکتوب تلاش بسیار کے بعد بھی اس وقت نہ مل سکا، ورنہ وہ آپ کی خدمت میں ارسال کر دیا جاتا۔ حضرت مولانا افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے جب جامع مسجد نور میں صبح نماز فجر کے بعد سورۃ فاتحہ پر درس دیا، تو حاضری کافی تھی، تقریباً تین ہزار سے زیادہ کا مجمع تھا۔ بڑے بڑے صاحب فہم اور جدید روشنی والے لوگ بھی ہوتے تھے، درس کے بعد کہہ رہے تھے کہ "خوامخواہ لوگ کہتے ہیں کہ علماء سیاست نہیں جانتے۔ حضرت افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے تو سورہ فاتحہ کی تفسیر سے ہی ساری سیاست سمجھا دی ہے، پھر جب بخاری شریف کی آخری حدیث پر آپ نے تقریر فرمائی تو طلباء اور علماء کرام کا جم غفیر تھا۔ دیوبند کے ایک پرانے فاضل بزرگ بھی اس وقت موجود تھے۔ درس کے بعد مجھ سے فرمانے لگے کہ "آج مولانا افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی یاد تازہ کر دی ایسی جامع مانع اور اثر انگیز تقریر فرمائی جو معلومات کا ایک سمندر معلوم ہوتا تھا"

حقیقت یہ ہے کہ مولانا افغانی رحمۃ اللہ علیہ علماء دیوبند کے ثقہ اکابر میں سے ایک تھے جن کے علم پر اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت مولانا عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ جو خود بھی نہایت ہی ذہین، اور فطین علماء میں سے تھے۔ فرماتے تھے کہ موجودہ دور میں اکثر علماء کے علم پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، لیکن مولانا افغانی رحمۃ اللہ علیہ ایسے ثقہ عالم ہیں کہ ان کے علم پر پورا اعتماد کیا جا سکتا ہے، مولانا افغانی رحمۃ اللہ علیہ وسیع المطالعہ، صاحب رائے فقیہہ، جید محدث اور شیخ التفسیر تھے، علوم قرآن پر بڑا عبور تھا۔ انکی کتاب علوم القرآن اس کا بین ثبوت ہے۔ زمانہ حال کی ضروریات پر بھی نگاہ رکھتے تھے اور مشکلات کے حل کی پوری صلاحیت رکھتے تھے، علمی وجاہت اور جامعیت کے ساتھ خاندانی طور پر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت وجاہ سے نوازا تھا۔ سادات کے خاندان سے اور پھر آپ کے جد مبارک کا سلالہ آل رسول حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ وابستگی نے اہل حق کے نزدیک آپ کو کمال شرف وعزت بخشی تھی، لیکن اس کے باوجود آپ متواضع شخصیت کے مالک تھے، فرمانے لگے کہ آپ نے مجھے مولانا سرفراز خان صفدر کی موجودگی میں کیوں دعوت دی ہے، اختتام بخاری کے لئے وہ تو مجھ سے زیادہ علم رکھتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ حضرت ہم سب آپ کے خادم ہیں اور آپ ہمارے بزرگ ہیں۔ علاوہ ازیں آپ تعلیم وتدریس کے ساتھ تصنیف میں بھی پورا شغف رکھتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے ترمذی کی شرح لکھی ہے، احقر نے جب آپ کی خدمت میں انفاس العارفین کا ترجمہ پیش

کیا، تو مطالعہ کے بعد اس کی توثیق فرمائی کہ ترجمہ مطلب خیز ہے اور تمہاری کوشش ٹھیک ہے۔ میرے لئے یہ توثیق باعث عزت تھی۔ مولانا افغانی رحمۃ اللہ علیہ سلوک و تصوف سے بھی بہرہ وافر رکھتے تھے، بہر حال ایک خوش صورت و سیرت، خوش کلام، خوش اخلاق، خوش پوش اور وضعدار قسم کے متبحر عالم دین تھے۔ زیادہ معلومات تو وہی لوگ رکھتے ہیں، جنکو حضرت مولانا کی خدمت میں رہنے کا زیادہ موقع ملا ہے یا ان کا تلمذ اختیار کیا ہے اور علمی استفادہ کیا ہے، عقلیات و نقلیات کے جامع تھے۔

اللہ تعالیٰ مولانا کے درجات بلند فرمائے اور انکی علمی و دینی خدمات کو قبول فرمائے اور حظیرۃ القدس میں مراتب عالیہ پر فائز فرمائے۔ آمین۔ امید ہے آپ مع الخیر ہونگے۔

احقر (حضرت مولانا) صوفی عبدالحمید

خادم مدرسہ نصرۃ العلوم۔ گوجرانوالہ

نابغۂ عصر
علامہ شمس الحق افغانی رح

حضرت مولانا محمد ایوب بنوری مدظلہ، دارالعلوم سرحد پشاور

کتابی اور اکتسابی علم تو تمام علماء کرام کو درجہ بدرجہ حاصل ہوتا ہے، مگر وہ علم جو نہ ہر وجود پر کھلتا ہے اور نہ ہر وجود میں بولتا ہے، حضرت علامہ افغانی رح کے وجود پر یہ علم کھلتا بھی تھا اور اُن کی شخصیت میں یہ علم بولتا بھی تھا۔ استدلال بھی جملہ اہل علم و دانش کرتے ہیں مگر ہر استدلال میں وہ ذکاوت اور دلائل کا گراں مایہ انبار نہیں ہوتا جو کہ علامہ رح کے طرز استدلال میں تھا۔

" آپ اس دور میں علماء سلف کے علم و عرفان کے عکس کا بہترین پرتو تھے "

علامہ رح ایک بلند پایہ شیخ الحدیث، بے مثل مفسر، عظیم المرتبت فقیہ اور دیگر علوم و فنون کے جید محقق عالم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام علوم میں کمال اور دقت نظر سے نوازا تھا۔ مولانا ممدوح اپنی اسی تبحر علمی کی وجہ سے قاسم العلوم والخیرات دارالعلوم دیوبند میں اور بعد میں جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں شیخ التفسیر رہے اور " سابقہ " ریاست ہائے بلوچستان کے لئے بطور وزیر معارف خدمات سرانجام دیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ علامہ افغانی کے علمی مرتبہ کو صرف علماء ہی جان سکتے ہیں۔ آپ نے علوم اسلامیہ کی اشاعت کے ذریعے دین حقہ کی بہت گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں، اُن کی علمی تحقیق کی ایک ادنیٰ مثال ان کی تصنیف " سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا اسلامی، معاشی نظام سے موازنہ " ہے، جو انہوں نے اپنے طور پر

بالکل سرسری انداز سے تحریر فرمائی ہے، مگر اہل طلب کے لئے ایک نعمت عظیمہ ہے۔

اس کتاب سے اُن کی علمی بالغ نظری موجودہ دور کے عظیم فتنے کی نشان دہی اور اُس کا سدِ باب کرنے کا طریقہ "کار معلوم ہوتا ہے، تاریخ انسانی شاہد ہے کہ ہر دور میں اسلام کے خلاف باطل جس علمی رنگ میں آیا، مثلاً منطق، فلسفہ، فلکیات وغیرہ علماءِ حق نے اُسی علم کے ذریعے حق کی حقانیت اور باطل کا بطلان ثابت کیا جیسے کہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ ؒ نے اہل منطق کی شورش کی سرکوبی منطق پر عبور حاصل کرکے منطقی دلائل سے "الرد علی المنطقین" میں فرمائی۔

علامہ افغانی نے بھی نشاندہی فرمادی کہ اِس دور کا فتنہ جس کا مقابلہ اسلام اور اہل اسلام کو کرنا ہے، کا مغربی اقوام کا معاشی فتنہ ہے جو کہ معیشت کی خوشحالی کی آڑ میں اشتراکیت اور الحاد کو پھیلانا چاہتا ہے اور اُس کا توڑ یہ ہے کہ اِس نظام کی خامیاں عیاں کی جائیں اور اسلامی معاشی نظام کی خوبیاں آشکارا کی جائیں تاکہ سادہ لوح قوم معاشی سراب کے حصول کی کوشش میں ایمان کی دولت سے محروم نہ ہو جائے۔

لہٰذا علامہ نے اِس کتاب کے ذریعے اُس میدان کی جانب رہنمائی فرمائی ہے کہ علمائے کرام کے لئے اب یہ میدان منتظر ہے، جہاں انہیں اپنی توانائیاں کھپا کر اسلام اور مسلمان کا دفاع کرنا ہے، یہ تو "مشتے نمونہ از خروار" تھا۔

الغرض علامہ افغانی رح اس صدی میں ایسی شخصیت ہو گزرے ہیں کہ ان کا یہ حق تھا کہ اُن کے نام نامی کے ساتھ علامہ لکھا جائے، اس لئے کہ علامہ کے معنیٰ اور مقصود پر ممدوح رح پورا اترتے تھے۔ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

ایک جامع الصّفات شخصیّت

علّامہ افغانی رح

* مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم نجم المدارس کلاچی ڈیرہ اسمٰعیل خان

سیّدی حضرت افغانی قدس اللہ سرہٗ سے متعلق اس ناچیز ذرّہ بے مقدار کا کیا تاثر ہوسکتا ہے ع چوں مادر زاد نابینا کہ اوصاف ضیاء گوید

حضرت کی علمی جلالت، روحانی کمالات، مجاہدانہ جذبات اور زہد و ریاضیات کے جو واقعات سنے اور مشاہدہ میں آئے ان کے متعلق بادنیٰ تصرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ

ع ان الشّجاعة والمروّة والنّدیٰ   فی قبّة ضُربت علی ابن الحید رح

(حضرت رح کے والد ماجد یا دادا صاحب کا نام نامی جہاں تک یاد ہے حضرت مولانا غلام حیدر صاحب تھا)

اور یہ کہ ع

زاں گوہر یگانہ ہر کس خبر ندارد   جوہر شناس داند دُرّ یتیم مارا

علمی جلالت کی فہرست ہزار مختصر کی جائے تو بھی اتنا کہنا پڑے گا کہ

۱: فتنۂ ارتداد کے استیصال کے لئے دارالعلوم دیوبند نے پچاس علماء کا جو وفد شدھی تحریک کے زمانہ میں تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا تھا، ان کے سرخیل آپ ہی تھے اور آپ ہی نے وفد کی کارکردگی، اکابر اساتذہ دارالعلوم کے سامنے پیش فرماکر خراج تحسین وصول فرمایا

۲: ایک عیسائی کے مناظرہ کے لئے مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اور مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی مشہور مناظرین اسلام کی موجودگی میں آپ کو ہی مناظر مقرر

کردیا گیا تھا اور بفضلہ تعالیٰ مناظرہ میں کامیابی حاصل فرمائی۔

ع۳۔ دارالعلوم دیوبند کے مرکزی دارالافتاء کے بعض فتاوی پر کچھ بزرگوں کی جانب سے گرفت ہوئی تو تصحیح کے لئے حضرت ہی کا انتخاب عمل میں آیا۔

ع۴۔ ڈابھیل کی صدارت کو حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ کے بعد آپ ہی نے مشرف بخشا۔

ع۵۔ معین القضاۃ والمفتین کی تصنیف پر عرب دنیا سے خراج تحسین پائی

ع۶۔ کولالمپور اور اسلام آباد کے مابین الاسلامی مجالس میں سود وغیرہ پر تمام اعضاء مجلس کو آپ کی تحقیقات پر اتفاق کرنا پڑا۔

ع۷۔ کوئٹہ اکیڈمی اور پھر جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے بین المسلکی اجتماعات میں حضرت ؒ ہی کے دروس کو مقبولیت عامہ اور قبول تامہ حاصل ہوئی۔

روحانی کمالات روحانی کمالات کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے ع۸ خانیوال کے ایک بزرگ اور خوش نصیب عالم کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے عالم خواب میں ہدایت فرمائی کہ افغانی صاحب سے سلسلۂ ارادت قائم کریں۔

ع۹۔ بہاولپور کے ایک ثقہ عالم کے حسب روایت قیام مدینہ منورہ زادھا عزاً وشرفاً کے دوران جب فاقہ پر فاقہ ہونے لگا اور رفقاء کو پریشانی ہونے لگی تو آپ نے فرمایا، ہم جن کے مہمان ہیں، ان کے بغیر کسی سے عرض نہ کرنا۔ کچھ عرصہ میں فتوحات حاصل ہوئے اور بھیجنے والوں نے کہا کہ از خود نہیں، بلکہ جن سے آپ نے درخواست کی ہے (جان دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے ایماء و اشارہ سے یہ خدمت کی گئی ہے۔

ع۱۰۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ نے جبکہ آپ ان کے مہمان تھے، بنفس نفیس لوٹا اٹھا کر فرمایا "افغانی صاحب! ہاتھ دھو لیجئے"

مجاہدات و جذبات ع۱۱۔ ہجرت افغانستان کے زمانہ میں آپ زمرۂ مہاجرین میں شامل رہے

ع۱۲۔ قلات کی بہت بڑی وزارت کو اس لئے بے نیازی سے ٹھکرا دیا کہ ون یونٹ بن جانے سے اب شرعی فیصلوں کی اپیل غیر شرعی عدالتوں (درحقیقت ضلالتوں) میں کی جائے گی اور یہ شرعی احکام کی توہین ہے۔ افسوس کہ عوامی تحسین کے شائقین اس طرح کے للّٰہی جہاد کے تصور سے بھی ناآشنا رہتے ہیں۔

۱۳/۴ ذکری قوم کو ریاستِ قلات میں غیر مسلم قرار دینے پر اس وقت کے وزیر قانون نے یہ حکم واپس لینے کے لئے کہا تو حضرت نے جواباً تحریر فرمایا "کوئی مسلمان شرعی حکم واپس لینے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔

فنائے نفس اور زہد و ریاضت

۱۴/۱۔ فنائے نفس کا یہ عالم کہ ہر مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے ہم عصر علماء بالخصوص اساتذہ کرام کے حوالہ دینے سے بڑا حظ محسوس فرماتے جبکہ لیڈری اور قیادت کے شوقین حضرات ہر بات کو اپنے طرف ہی نسبت کرتے ہیں۔

۱۵/۴ معاصرین کے کمالات اور اچھے کاموں کی برملا تحسین فرماتے۔

۱۶/۴ کسی اہم کام میں اصاغر سے بھی مشورہ لینے میں استنکاف نہ فرماتے۔ جمعیۃ علماء اسلام اور وفاق المدارس کے امراء، نظماء اور اراکین تک سے مشورہ فرماتے، جبکہ حضرت لاہوری" کے علاوہ تقریباً سبھی آپ کے تلامذہ یا ان سے بھی کم درجہ کے علماء تھے۔

۱۷/۴ سفر میں ایک سفید ریش صاحب کو ساتھ رکھتے۔ ایک دفعہ حضرت مولانا عبدالحنان صاحب" نے تعجب سے پوچھا۔ حضرت یہ بزرگ سفر میں آپ کی کیا خدمت کرتے ہونگے، ہنس کر فرمایا " جلسوں میں عموماً رات گئے تک جاگنا پڑتا ہے مگر یہ صاحب جس وقت بھی سو جائیں، تہجد کے لئے بر وقت بیدار ہو جاتے ہیں، اس لئے ان کا ساتھ رہنا مفید پڑتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی" را زباں گفتن
بماند تشنہ مستسقی و دریا، ہم چناں باقی

از سید محمد داؤد جان افغانی
ابن شیخ الاسلام حضرت علامہ افغانیؒ

میرے والدِ گرامی

مجھ سے کہا گیا ہے کہ حضرت قبلہ گاہی شیخ الاسلام حضرت العلامہ مولانا شمس الحق افغانی رح کے بارے میں اپنے خیالات لکھوں۔ مجھ ناچیز میں اتنی تاب کہاں کہ میں بحرِ بیکراں میں غوطہ زن ہو کر اسکی تہہ میں چھپے ہوئے موتی نکال باہر لاؤں، یہ تو ایک تجربہ کار غوطہ خور کا کام ہو سکتا ہے، جسکی زندگی ملاح کے طور پر گزری ہو اور گہرائیوں میں اُترنے اور اُن میں سے موتی نکالنے میں مہارت تامہ رکھتا ہو، البتہ اس بحرِ بیکراں کے کنارے بیٹھنے اور تماشا کی سعادت ملی ہے اور جب اس گہرے سمندر میں طوفان و طغیانی کی کیفیت ہو جاتی اور اپنے اندر کے موتیوں کو خشکی پر پھینک دیتا، تو کچھ قیمتی موتی ہم کنارے بیٹھنے والوں کو بھی مل جاتے تھے۔

اس وقت حضرت قبلہ گاہی رح کے بے شمار فرمودات میرے پیشِ نظر ہیں، جن میں ایک یہ بھی، کہ کسی کے بارے میں کچھ تحریر کرتے وقت افراط و تفریط سے گریز کیا جائے کیونکہ افراط و تفریط کی صورت میں دروغ گو ہونیکے علاوہ اپنے پڑھنے والوں کو گمراہ کرنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ چنانچہ میری کوشش ہوگی کہ میں مختصراً ان کے گھریلو حالات کے بارے میں وہ بات تحریر کردں جو میں نے دیکھی ہو اور ایک آدھ علمی بات ضمناً لکھوں جو بالواسطہ اور یقینی طور پر میرے علم میں آئی ہو۔ یہ تمام باتیں بغیر کسی تبصرے کے جوں کے توں، عرض کرتا ہوں۔

حضرت قبلہ گاہی کے بارے میں ایک عمومی بات یہ عرض کردں کہ ایک طرف تو وہ میدانِ علم کے شہسوار مانے جاتے تھے، لیکن دوسری طرف گھریلو زندگی میں

اِس قدر سادہ واقع ہوئے تھے کہ ہم لوگ انہیں دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے۔

میں نے اپنی پوری زندگی میں یہ نہیں دیکھا کہ انہوں نے کھانے پینے کی کسی چیز میں کوئی عیب نکالا ہو، بلکہ معمولی معمولی کھانوں کی بہت تعریف کیا کرتے تھے، تیز مرچ کھانے کی وجہ سے اُن کو پیچش کی شکایت ہو جاتی تھی اور ہمیں اِس بات کا بخوبی علم تھا، لیکن کبھی غلطی سے کھانے میں مرچ زیادہ ہو جاتا، تو حضرت مرچ کا ذکر کئے بغیر دودھ کی فرمائش کرتے، اگر دودھ موجود نہ ہوتا تو فرماتے، صرف روٹی بھی ٹھیک ہے۔ والدہ محترمہ جو سادگی میں حضرت قبلہ گاہی رح کی پوری تصویر تھی، فرمایا کرتی تھی کہ حضرۃ کی یہ عادت بہت پرانی ہے، فرماتی تھی، کھانے پینے کے معاملے میں انہوں نے کبھی تنبیہ نہیں کی۔

زندگی کے آخری پندرہ سال شوگر (ذیابیطس) کا عارضہ لاحق رہا، لیکن علاج یا خوراک کی طرف توجّہ نہ ہونے کے برابر تھی، یہ ہمارے ذمہ تھا کہ ہم گھر میں وہ چیز پکاتے، جو انہیں مناسب ہو اور منّت سماجت کرکے ڈاکٹر کے پاس معائنہ کے لئے پہنچانا پڑتا تھا، لیکن اُس وقت بھی فرماتے کہ سُنّت پر عمل کرنا ہے، ورنہ ڈاکٹر سے کچھ نہیں ہو سکتا۔

ایک دفعہ مولانا مفتی محمود رح صاحب اور مولانا غلام غوث ہزاروی رح وغیرہ کے ہمراہ کھانے کا اتفاق ہوا، مولانا مفتی محمود رح کو شوگر کی شکایت تھی، لیکن اس کے باوجود آم کھانا شروع ہو گئے (حالانکہ آم شوگر کے لئے مضر ہے) حضرت قبلہ گاہی نے بھی آم کھانا شروع کیا، اور میری طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے، کیونکہ میں اُن کے سفر کے دوران بدپرہیزی کا حال اپنی ہمشیرہ کو بتا دیتا تھا (چونکہ آخری عمر میں محترمہ والدہ صاحبہ کی بیماری کی وجہ سے ہمشیرہ نہایت بھرپور طریقے سے خدمت میں مگن رہتی تھی)۔ مجھے فرمایا۔ دیکھو مفتی صاحب شوگر کے باوجود آم کھا رہے ہیں، مفتی صاحب نے بھی آم کھانے کی تائید کی اور فرمایا کہ میں تو بغیر چینی کے چائے پیتا ہوں، باقی پرہیز نہیں کرتا۔ میں نے عرض کیا، حضرت، ایک تو آپ کی عمر حضرت قبلہ گاہی رح سے بہت کم ہے، دوسری بات یہ ہے کہ آپ کا سیاسی مصروفیات کی وجہ سے ورزش ہوتی رہتی ہے، اِس وجہ سے شوگر کنٹرول ہوتا ہے، حضرت قبلہ گاہی رح نے مولانا مفتی محمود رح سے فرمایا، میرے بیٹے کو سمجھاؤ، یہ اپنی ہمشیرہ کی

خانے کو تالا لگا کر یہ کہا کر چابی کہیں گم ہو گئی ہے۔ سارے گھر والوں نے یک زبان ہو کر اُن کو سمجھایا کہ ویسے بھی آپ کو ایک ہفتہ مکمل آرام کی ضرورت ہے، ہم چابی ڈھونڈ رہے ہیں، جو نہی چابی ملی، ہم کتب خانہ کھول دینگے۔ میں غلطی سے ایک کتاب اُن کی میز پر بھول گیا، انہوں نے کتاب اٹھا کر فرمایا "فی الحال یہ پڑھونگا"۔ دوسرے دن فرمایا "کہ ایک کتاب آج کے مطالعے کے لئے ہونی چاہیئے"۔ میں نے عرض کیا، حضرة ہم چابی ڈھونڈ رہے ہیں، اسی دن عصر کے وقت فرمایا "آج اچھی طرح تلاش کرو، ورنہ کل صبح کسی ماہر کو بلا کر تالا کھولدیا جائے"

حضرت قبلہ گاہیؒ ایک قیمتی تالا، کتب خانے کے لئے ملائیشیا سے لائے تھے جو انہیں بہت پسند تھا، چنانچہ میں نے عرض کیا کہ "حضرت، تالا ٹوٹے بغیر نہیں کھلے گا، آپ تھوڑا انتظار فرمائیں، ہم چابی تلاش کر رہے ہیں"۔ فرمایا۔ آج چابی اچھی طرح تلاش کرو، ورنہ تالا توڑا جائے۔ کل ہر صورت میں کتب خانہ کھلنا چاہیئے"۔ میں نے عرض کیا حضرت آپ کو ڈاکٹروں کے بورڈ نے ایک ہفتہ تک مطالعہ سے منع کیا ہے" یہ سُن کر انہوں نے جلال کے ساتھ فرمایا کہ میں علاج کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہوں، لیکن مطالعہ کے بغیر میں روحانی طور پر ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاؤنگا، فرمایا، میں ڈاکٹروں پر اعتراض نہیں کرتا، شاید انہوں نے جسمانی لحاظ سے صحیح مشورہ دیا ہو، لیکن ڈاکٹروں کو کسی کی روحانی حالت کا کیا علم، تم میری بات مانو، انشاءاللہ میری صحت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑیگا، کیونکہ مطالعے سے مجھے خوشی ملتی ہے اور خوشی صحت کے لئے ہرگز مضر نہیں"

چنانچہ بہ امر مجبوری کتب خانہ کھول دیا گیا۔ کتب خانہ کھولنے کے بعد ان کی خوشی قابلِ دید تھی، ایسے مسکرائے کہ بیماری کے باوجود بالکل صحت مند دکھائی دے رہے تھے اور ہماری آنکھوں میں غم و خوشی کے ملے جلے آنسو اُمڈ آئے۔ عشاء کی نماز کے بعد مجھے بُلا کر فرمایا "تم نے چابی کے سلسلے میں غلط بیانی کیوں کی؟ میں نے عرض کیا، آپ کی صحت کے پیش نظر آپ کے معالجوں کے مشورہ سے ایسا کیا" فرمایا "تم نے ڈاکٹروں سے مشورہ کر کے غلط بیانی کو حکمت سمجھ لیا اور پھر اس پر عمل بھی کیا حالانکہ آپ لوگوں کے شدید اصرار پر میں ایک دو دن کے لئے مطالعے میں تخفیف پر راضی ہو گیا، ایک ہفتہ کے لئے مطالعہ چھوڑنا میرے لئے ممکن نہیں، تم نے خواہ مخواہ اپنی حکمت

طرف سے میری خوراک کا نگران ہے۔

اُن کی یہ عادت تھی کہ " واٹر کولر کچھ فاصلے پر موجود ہے، گھر والے قریب بیٹھے ہیں، لیکن پانی پینے کے لئے خود اُٹھنے لگے، تو گھر والے عرض کرتے، ہمیں فرماتے تو جواب ملتا کہ ایک کام جب خود کر سکتا ہوں، تو آپ کو تکلیف کیوں دوں؟

ایک دفعہ فرمایا۔ کہ اس بڑھاپے میں اگر کوئی گندم کی بوری مجھے مفت دیکر یہ کہے، کہ اسے پن چکی میں پیس کرلے جانا، تو بوجہ بیماری وضعف ایسا کرنے سے قاصر ہوں، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ مجھے کھلا رہا ہے۔

شوگر کی وجہ سے پیشاب کے لئے بار بار اٹھنا پڑتا تھا، اور بعض اوقات گرم پانی ختم ہو جاتا تھا، تو سخت سردی میں رات کو خود کمرے سے باہر نکل کر لوٹا بھرتے، لیکن گھر والوں کو نیند سے نہ جگاتے۔ ایک دفعہ رات کو بیماری کی حالت میں غسل خانے جانے کے لئے کبھی ایک چارپائی اور کبھی دوسری چارپائی کا سہارا لیکر چلنے لگے۔ کہ اچانک قدم ڈگمگائے اور گر پڑے، سر اور ٹانگوں پر کئی چوٹیں آئیں، ان کے گرنے کی آواز سُنکر ہم بیدار ہوئے، غسل خانے سے اٹھا لائے اور عرض کیا، کہ رات کے وقت اٹھنے کی ضرورت پڑے تو ہمیں آواز دیا کریں، خدا نخواستہ اس عمر میں کوئی ہڈی ٹوٹ جائے، تو بہت مشکل ہوگی۔ فرمایا۔ گرنے کیوجہ سے یقیناً تکلیف ہوئی، لیکن اس سے زیادہ تکلیف مجھے اس بات سے ہوتی ہے، کہ اپنی خدمت کے لئے کسی کو جگاؤں۔

بارہا ہم نے نہایت عاجزی اور تاکید کے ساتھ یہ بات سمجھائی، لیکن ان کے معمول میں فرق نہیں آیا، بلکہ فرمایا، کہ جس طریقے سے زندگی گزارنے کی عادت پڑ گئی ہے، اب وہ طریقہ بدلنا ممکن نہیں۔

کُتب بینی: گھر میں جب بھی تشریف فرما ہوتے، کتابوں کے ڈھیر کیساتھ ہوتے اتنے انہماک سے مطالعہ فرماتے، کہ دنیا و ما فیہا کی خبر تک نہ ہوتی، کبھی کبھی میں نے اُن کو مطالعے کے دوران مُسکراتے دیکھا۔ ایک دفعہ میں نے مُسکرانے کی وجہ دریافت کی، تو فرمایا، ہمارے بزرگوں نے عجیب عجیب علمی نکتے بیان فرمائے ہیں۔

ایک دفعہ ڈاکٹری معائنہ کے بعد ہمیں ہدایت کیگئی کہ حضرت کو ایک ہفتہ مکمل آرام کی ضرورت ہے اور مطالعے کی ممانعت ہے، ہم نے ترکیب یہ سوچی، کہ کُتب

مناسب سمجھیں، ویسا ہی کریں۔

ایک دفعہ ملاقات کے لئے چند حضرات آئے، حضرت نے مجھے ارشاد فرمایا جاؤ، چائے کا بندوبست کرلو، میں نے گھر چائے کے لئے اطلاع کردی، اتفاق کی بات اُس وقت گھر میں چینی ختم ہوگئی تھی، چنانچہ میں نے ایک چھوٹے لڑکے کو چینی خریدنے کے لئے قریب کی ایک دوکان پر بھیجا۔ کچھ دیر ہوگئی تو حضرت اندر تشریف لائے، اور فرمایا، مہمان جانا چاہتے ہیں، چائے جلدی لاؤ، میں جب چائے باہر لے آیا، تو حضرت مہمانوں سے کہہ رہے تھے کہ چائے لانے میں دیر اس وجہ سے ہوگئی، کہ گھر میں چینی ختم ہوگئی تھی اور میرے اس برخوردار نے چینی خریدنے کے لئے ایک بچے کو بھیجا تھا، نہ معلوم بچہ کھیل کود میں کہاں مشغول رہا، اور ہم یہاں منتظر رہے۔ میرے برخوردار کو چینی لانے کے لئے خود جانا چاہیئے تھا، اگر خود جانے میں عذر تھا، تو اس کو آپ کے ساتھ بیٹھنا چاہیئے تھا تو میں خود جاکر چینی خرید لاتا" خیر مہمان تو چائے پینے کے بعد چلے گئے، شام کو میں نے والدہ صاحبہ کو اِن باتوں سے آگاہ کیا۔ والدہ صاحبہ نے حضرت سے اس کا ذکر کیا (میرا خیال تھا کہ حضرت ناراض ہوئے ہیں، کیونکہ میری وجہ سے چینی لانے میں تاخیر ہوگئی) مگر حضرت نے بلاکر فرمایا، کہ میرا یہ کہنا، کہ اگر تجھے عذر تھا، تو میں چینی خود لاتا، اس میں کوئی تنبیہہ وغیرہ نہیں، کیونکہ دوکان سے چینی یا دوسری چیز خریدنے میں کیا برائی ہے، یہ تو میں نے ایک عام بات کہی ہے، اپنا کام خود کرنے میں عزت ہے، البتہ اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ چینی کے ختم ہونے کا ذکر میں نے مہمانوں کے سامنے کیوں کیا؟ تو تجھے سوچنا چاہیئے کہ کیا گھر میں چیزیں ختم نہیں ہوتیں اور کیا انہیں بازار سے خریدنا نہیں پڑتا اور کیا ساری چیزیں گھر ہی میں تیار ہوتی ہیں۔ تم جب دکاندار سے کپڑا خریدتے ہو، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مجھے کپڑوں کی ضرورت ہے، یا میرے کپڑے نہیں ہیں۔ اسیطرح گوشت خریدتے وقت مطلب یہ ہوتا ہے کہ کھانے کے لئے دوسری چیز نہیں یا اسکی ضرورت ہے، اب اگر میں نے یہ بات مہمانوں سے کہدی کہ چینی دکان سے لایا، تو اس میں کیا برائی ہے، اشیائے صرف ختم بھی ہوجاتی ہیں اور خرید کر لانا بھی پڑتا ہے۔

چونکہ حضرت قبلہ گاہی حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے، لہذا مجالس میں اُن کا تذکرہ بہت فرماتے تھے، بلکہ اُن کے فرمودات پر عمل پیرا بھی ہوتے تھے

کو میری فطرت و عادت کے خلاف کھڑی کر دی، جو کار گر نہ ہوئی، آئندہ احتیاط سے کام لینا"
کبھی کبھی شوگر کی شدت کی وجہ سے ڈاکٹر ہدایت کرتے کہ زیادہ ملاقاتوں
اور پیچیدہ باتوں میں تخفیف کی جائے، لیکن ملاقاتیوں کا تانتا بندھا رہتا، جب بوجہ
ضعف باہر جانے سے معذور ہوئے، تو مہمانوں سے ملنے کا سلسلہ گھر پر جاری رہا، یہاں
تک کہ ہسپتال میں بعض افراد ایسے بھی آئے کہ علمی مسئلہ پوچھ لیتے تو آپ وہاں بھی
بغیر تامل کے بیان شروع فرماتے۔ ڈاکٹر نے ایک دفعہ ہسپتال میں ملاقاتیوں کی
کثیر تعداد دیکھ کر، از راہ مذاق کہا کہ حضرت افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے ہسپتال کو بھی دارالعلوم بنا لیا۔

مہمان نوازی دن ہو یا رات، گرمی ہو یا سردی، جس وقت بھی کسی مہمان کا
آنا ہوا، اور حضرت کو اطلاع ہو جاتی، تو ملاقات سے دریغ نہ فرماتے۔ فرمایا کرتے
کہ علم دین سے لگاؤ کی وجہ سے یہ لوگ آرہے ہیں، یہ عام ملاقاتی نہیں ہیں، گھر میں
ملاقاتیوں کی وجہ سے گھریلو کام متاثر ہوتا تھا، لیکن فرماتے، مہمان کی خاطر برداشت
کرو، حضرت کی یہ مستقل عادت تھی کہ مہمانوں کے لئے کھانا جب تیار ہو کر میں لے جانے
والا ہوتا، تو وہ باورچی خانے تشریف لاتے اور پوچھتے، مہمانوں کے لئے کیا بندوبست
کیا ہے، اپنے عام کھانے کے علاوہ مہمانوں کے لئے کچھ مزید بھی ہونا چاہیئے، جب ہم
ان کو بتا دیتے، کہ کچھ نہ کچھ بندوبست ہم نے کیا ہے، تو بہت خوش ہو کر فرماتے، مرچ
مصالحہ چکھ لو، زیادہ کم تو نہیں ہے۔

ایک دفعہ میں نے ازراہ تفنن کہا "حضرت آپ کے کھانے میں غلطی سے مرچ
زیادہ ڈالی گئی ہے" تو مسکرا کر فرمایا "میرا تو گھر کا معاملہ ہے، مہمان بیچارے کا کیا
معلوم، پھر کب آتا ہے؟ واپسی پر استفسار فرماتے، کیا مہمان نے اچھی طرح اور
رغبت کے ساتھ کھانا کھایا؟ اگر میں عرض کرتا کہ ہاں اچھی طرح کھایا ہے، تو مسکراتے
اور اگر میں یہ عرض کرتا کہ ٹھیک طرح سے نہیں کھایا، تو فرماتے، جاؤ مہمان سے پوچھ
لو کہ پسند کی کوئی چیز بتلاؤ، کہ حاضر کی جائے۔

میں نے اپنی پوری زندگی میں، حتیٰ کہ ایک دفعہ ۱۰۴ درجے ٹمپریچر میں بھی
حضرۃ سے یہ نہیں سنا، کہ جاؤ مہمان سے کہو کہ بیماری کی وجہ سے ملاقات سے معذور ہوں،
شاذ و نادر ہی میں مہمانوں کو ان کی بیماری کی شدت بیان کر کے کہتا، کہ جیسا کہ آپ

وہاں گیا۔ واپسی پر پوچھا، تم کہاں گئے تھے، میں نے عرض کیا، تبلیغی جماعت والوں کے ساتھ تھا۔ فرمایا۔ "ان لوگوں کے ساتھ ضرور بیٹھنا چاہیئے، لیکن صرف سُننے کے لئے نہیں۔ فرمایا، تبلیغی جماعت، اچھی کتاب یا دوسری اچھی چیز یا مجلس سے تم اس وقت مستفید ہو سکتے ہو، جب جاتے وقت یہ متعین کر لو کہ آج جو نیکی کی بات سُنونگا تو انشاءاللہ اس پر عمل کر کے دکھاؤنگا اور کسی بُرائی کی مذمت سنوں اور وہ بُرائی مجھ میں موجود ہو، تو اس بُرائی کو فوراً چھوڑ دونگا۔ فرمایا۔ "یہ بات پہلے متعین کر کے جاؤ پھر فائدہ ہی فائدہ ہے"۔

۴۔ فرمایا۔ کہ حضرت حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ عجیب طبیعت کے مالک تھے۔ ایک دفعہ اُن کے ہاں ایک رات ٹھہرا، تہجّد کے وقت حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ میرے لئے لوٹا بھر کر لائے، حالانکہ دوسرے خدّام موجود تھے۔ میں نے کہا "آپ خود کیوں تکلیف کر رہے ہیں" فرمایا! "مہمان کا اکرام یہی ہے"۔ میں نے عرض کیا "لیکن آپ کے اکرام سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے" فرمایا "مجھے کسی کی تکلیف کی کیا پرواہ، مجھے تو سُنّت پر عمل کرنا ہے"

۵۔ فرمایا۔ ایک دفعہ حضرت مولانا قاری طیّب صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور کئی دوسرے علماء اکٹھے بیٹھے تھے اور یہ بحث ہو رہی تھی کہ "خلاصۃ الحساب" پڑھائی کے لیے کس کو دیجائے، مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور فرمایا کہ "یہ کتاب کما حقّہٗ یا میں پڑھا سکتا ہوں، یا پھر حضرت افغانی صاحب پڑھا سکتے ہیں، لیکن دونوں مصروف ہیں، آگے آپکی مرضی"

۶۔ ایک دفعہ فرمایا۔ ایک عالم دین کی فضیلت عام آدمی پر بہت زیادہ ہے لیکن ایک متوسط اور محقق جیّد عالم کے درمیان حفظ مراتب کا ہونا ضروری ہے، ہر ایک کو فقیہہ العصر، متکلم الاسلام، جامع المنقول والمعقول لکھنے سے احتراز کرنا چاہیئے۔ اگر کچی اور پکی اینٹوں کو ایک دام خریدنا شروع کیا جائے، تو لوگ لازماً پکی اینٹیں بنانا چھوڑ دینگے، کیونکہ دام ایک ہی ہے، اگرچہ ایک عالم دین کو سب کچھ رضائے الٰہی کے لئے کرنا چاہیئے، نہ کہ مرتبہ اونچا بنانے کی خاطر، لیکن ہمیں بھی اُن کے علمی مرتبے کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اگر ہم نے جید علماء کی قدر دانی میں کوتاہی سے کام لیا، تو علوم دینیہ میں مہارت کی طرف دھیان کم ہو جائیگا۔

مثلاً فرماتے "برتنے کی چیزیں استعمال کے بعد اپنی مخصوص جگہوں پر رکھنی چاہیئے اسمیں فائدہ یہ ہے کہ ایک تو ہر فرد بغیر پوچھے بوقت ضرورت استعمال میں لائے گا، دوسری یہ کہ گم ہو جانے کا خطرہ نہیں ہوتا"

اب گھریلو زندگی کے علاوہ چند دوسری باتوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں:

۱۔ ایک دفعہ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب، ہمارے ہاں ترنگ زئی تشریف لائے (مولانا ہزاروی کو حضرت سے انتہائی عقیدت تھی اور وہ اکثر و بیشتر تشریف لاتے تھے سیاسی اور دوسرے علمی مسائل پر بحث ہوتی تھی)۔ حضرت قبلہ گاہی سے فرمایا، کہ "حضرت آج کل لادینی طبقوں کی یلغار ہے، اسلام کے خلاف کئی سیاسی پارٹیاں برسر پیکار ہیں"۔ حضرت نے فرمایا "اگر علماء اسلامی اصولوں پر مبنی ایک صحیح راہ متعین کر کے، مسلمانوں کو اس پر چلنے کی دعوت دیں تو انشاء اللہ وہ ضرور آئیں گے، لیکن اگر ہم ایک متفقہ صحیح راستہ ان کے لئے متعین نہیں کرینگے، جسے صراطِ مستقیم کہا جاتا ہے، تو پھر عوام کی مرضی ہے کہ وہ کوئی بھی راستہ اختیار کریں، کیونکہ ایک متعین اور صحیح راستہ موجود نہیں، فرمایا، یہ سامنے سڑک چارسدہ سے تنگی کو جاتی ہے، اگر کوئی آکر اس سڑک کو ختم کردے تو لوگ چارسدہ اور تنگی جانے کے لئے متعدد راستوں پر چل پڑیں گے، جب تک یہ سڑک موجود ہے اور اسکی حفاظت ہو، تو لوگ اس پر ہی گامزن ہونگے"۔

۲۔ حضرت قبلہ گاہی تبلیغی جماعت والوں کی بہت پذیرائی کرتے تھے۔ فرمایا کہ "پہلے پہلے حضرت تھانوی کو خدشہ تھا، کہ ناسمجھ لوگ دین کا کام صحیح طریقے سے کسطرح کر سکیں گے، لیکن جب تبلیغ والوں کے کام کے نتائج کو دیکھا، اور ایک بار جب حضرت تھانوی نے اپنی مسجد میں نمازیوں کی کثیر تعداد دیکھی تو اس کی وجہ دریافت کی، تو حضرت کو بتایا گیا کہ آج تبلیغی جماعت یہاں آئی ہے جسکی وجہ سے نمازیوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ تو حضرت تھانوی نے فرمایا، کہ مولانا الیاس نے "یاس" کو "آس" میں بدل دیا۔

۳۔ ایک دفعہ قریبی مسجد میں تبلیغی حضرات آئے تھے، میں اُن کو سننے کیلئے

جب کلمہ طیبہ کہتے ہیں، تو ایک قوم یعنی مسلمان نام پڑ جاتا ہے، صرف تعارف کی خاطر الگ الگ نام، یعنی پنجابی، سندھی وغیرہ نام بولے جائیں، تو مضائقہ نہیں، لیکن قوم تو سارے مسلمانوں کی ایک ہی ہے، فرمایا "کلمہ طیبہ کا نعرہ لگا کر تو پاکستان بن گیا" "جئے بنگلا" کا نعرہ لگا، تو پاکستان کا ایک بازو ٹوٹ گیا، اگر اسیطرح دوسرے نعرے لگے، تو دوسرے بازو بھی ٹوٹ جائیں گے۔

۱۰۔ ایک دفعہ ایک انڈونیشی سکالر پاکستان آیا۔ حضرت اس وقت اسلامی یونیورسٹی بہاولپور کے شیخ التفسیر اور وائس چانسلر تھے۔ حضرت سے ملاقات کے دوران انڈونیشی سکالر نے کہا "کہ زمان و مکان کی تبدیلی سے حقیقتیں بدل جاتی ہیں" (یہ ایک مشہور نظریہ ہے)۔ حضرت نے فرمایا۔ یہ نظریہ سو فی صد غلط ہے، فرمایا، یہ نظریہ آپ پر حاوی کر کے دیکھ لیں، جب آپ چار سال کے تھے، تو آپ اپنے والدین کے بیٹے تھے، لیکن اب جبکہ آپ کی عمر ساٹھ سال ہوگئی، تو آپ اپنے والدین کے بیٹے نہیں ہیں۔ دوسری بات یہ کہ اگر تمہارے والدین تمہارے ساتھ انڈونیشیا میں ہیں، تو وہ تمہارے والدین ہیں، لیکن اگر وہ تمہارے ساتھ واشنگٹن میں ملیں، تو وہ تمہارے والدین نہیں، کیونکہ اس نظریے کے مطابق حقیقتیں بدل جاتی ہیں۔ تیسری بات یہ کہ یہ نظریہ چلو مان لیں، کہ اس وقت صحیح تھا، جسوقت یہ نظریہ قائم کیا گیا، لیکن اب تو اس نظریے پر کافی مدت گزر گئی، تو اس نظریے کے مطابق، خود یہ نظریہ ہی باطل ہو گیا، کیونکہ حقیقتیں زمانے کے ساتھ بدل گئی ہیں۔

۱۱۔ ایک دفعہ مولانا احتشام الحق تھانویؒ (جو حضرت افغانیؒ کے شاگرد تھے) نے اتمان زئی میں سوشلزم کے خلاف تقریر کرتے ہوئے فرمایا، کہ یونان والوں کی ناکیں بہت خوبصورت ہیں۔ اب اگر کوئی یونان سے ایک خوبصورت ناک بطور تحفہ لا کر مجھ سے کہے کہ حضرت، آپ کے لئے یونان سے یہ تحفہ لایا ہوں، تو میں کہونگا، کہ ناک خوبصورت ہے، لیکن میں لگاؤں کہاں؟ کہ میرے چہرے پر پہلے سے ایک ناک لگی ہوئی ہے۔ یعنی اسلام کے ہوتے ہوئے، سوشلزم کی کیا ضرورت ہے"۔ میں نے مولانا تھانوی کے حوالہ سے یہ بات حضرت کو سنائی، تو برجستہ فرمایا، کہ مثال یوں ٹھیک رہیگی کہ افریقہ کا ایک حبشی (جن کی ناکیں چپٹی ہوتی ہیں)، یونان والے کے پاس آکر کہے کہ

۷۔ ایک دفعہ ایک طالب علم نے "انا للّٰہ وانا الیہ راجعون"
کہنے کی حکمت پوچھی، تو فرمایا، کہ انسان کو عموماً اپنی چیز کے ضائع ہونے سے تکلیف
ہوتی ہے، لیکن اس جملے کے ادا کرنے کا مطلب یہ ہے، کہ خدا نے میری چیز نہیں، بلکہ اپنی
چیز واپس لے لی، جب یہ بات پیش نظر ہے، تو افسوس نہیں ہوتا۔

۸۔ ایک دفعہ چند مہمان حضرت کے ساتھ بیٹھے تھے، میرا ایک بچہ جو اس وقت
دو ڈھائی سال کا ہوگا، شرارتیں کرنے لگا اور حضرت کے کندھوں پر چڑھنے لگا،
میں نے یہ دیکھ کر بچے کو ایک تھپڑ رسید کی، حضرت نے فرمایا "بچے کو اس عمر میں مارنے
کی ضرورت نہیں، بچے کی فطرت یہ ہے کہ ادھر ادھر حرکت کرےگا" مزید فرمایا" کہ
ایک بزرگ غالباً امام ابو حنیفہؒ نے اپنے ایک شاگرد سے کہا "کہ تمہارا کوئی بچہ ہے"
شاگرد نے کہا" ہاں ہے"۔ امام صاحب نے فرمایا "کل اُسے میرے پاس لے آؤ" شاگرد
نے بچے کو اچھی طرح سمجھایا، کہ امام صاحب کے سامنے نہایت، ادب سے بیٹھو کسی قسم
کی شرارت نہ کرو۔ جب بچہ آیا، تو نہایت آرام سے خاموش بیٹھا رہا۔ امام صاحب نے
شاگرد سے پوچھا "بچے کو ساتھ نہیں لائے" شاگرد نے کہا" یہی تو ہے جو آپ، کے
سامنے بیٹھا ہے" امام صاحب نے فرمایا۔ یہ بچہ نہیں، بلکہ بڑا ہے، بچہ تو تب ہوتا جب
میرے کندھوں پر سوار ہوتا، میری جیب میں ہاتھ ڈالتا، میری داڑھی پکڑلیتا، وغیرہ وغیرہ

۹۔ قومیت کے مسئلے پر بحث کرکے فرمایا کہ پاکستان میں کئی زبانیں بولنے
والے ہیں، سندھی، بلوچی، پنجابی اور پٹھان۔ لیکن دراصل یہ ایک، قوم ہے، یہ تاثر کہ
ایک زبان بولنے والا، دوسرے سے افضل ہے، جیسا کہ بعض لیڈر یہ زہر اُگلتے ہیں۔
ارشادِ خداوندی ہے" وجعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا" لفظ تعارف میں
احسان پوشیدہ ہے، اگر کوئی یہ کہے کہ مجھے ڈپٹی کمشنر سے متعارف کرادو، تو اس
کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بوقت ضرورت ہم ایک دوسرے سے احسان کریں، اس کا مطلب
یہ ہرگز نہیں، کہ مجھے ڈپٹی کمشنر سے متعارف کرادو، تاکہ میں اس سے لڑائی شروع کروں۔
مزید فرمایا۔ پاکستان میں مختلف دریا بہتے ہیں، راوی، ستلج، دریائے چناب
وغیرہ لیکن جب یہ سارے دریا سمندر میں مل جاتے ہیں، تو اپنا الگ نام ختم ہوجاتا ہے
بلکہ نام صرف سمندر ہی رہتا ہے، بالکل اسی طرح مختلف قومیتیں یا زبان رکھنے والے

آپ کے لئے ناک کا تحفہ لایا ہوں، تو یونان والا کہے گا، کہ ایک تو میرے چہرے پر پہلے سے ناک لگی ہوئی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ کی ناک سے میری ناک خوبصورت بھی ہے۔ یعنی اسلامی دستور و شریعت جیسے اعلیٰ و ارفع نظام کے ہوتے ہوئے سوشلزم یا دوسرے کسی ازم کی کیا ضرورت ہے؟

۱۲۔ ایک دفعہ سابق صدر ایوب خان نے حضرت افغانیؒ سے ملاقات کی۔ صدر کے ساتھ دوسرے لوگوں کے علاوہ اس وقت کے قومی اسمبلی کے سپیکر (مشرقی و مغربی پاکستان کے) بھی موجود تھے۔ سپیکر اور صدر ایوب کے درمیان حضرت افغانیؒ تشریف فرما ہیں۔ سپیکر نے پوچھا "کہ حضرت! علماء اپنے خطباتِ جُمعہ میں "السلطان ظِلّ اللہ فی الارض" (یعنی سلطان یا بادشاہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا سایہ ہوتا ہے) کا تذکرہ کرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود علماء اس بادشاہ یا سلطان کی توہین اور مخالفت بھی کرتے ہیں"

حضرت افغانیؒ نے فوراً فرمایا۔ "کہ ظِلّ" یعنی سایہ اپنے اصل کے مطابق ہوتا ہے، اب میں اس سلطان (صدر ایوب خان) سے پوچھتا ہوں، کہ کیا تم ظل اللہ یعنی اپنے اصل کے مطابق ہو؟ صدر ایوب نے کہا کہ" واقعی میں ظل اللہ نہیں ہوں" تو حضرت افغانی نے فرمایا "جب تم ظِلّ اللہ" نہیں، یعنی خدا کا سایہ نہیں اور اپنے اصل کے مطابق نہیں، تو تم ہمارے لئے قابلِ احترام بھی نہیں" ظل اللہ کا مطلب یہ ہے کہ حاکم اپنی ذمہ داری پہچانے اور شریعتِ اسلامی کے مطابق حکمرانی کرے۔

۱۳۔ ایک دفعہ اسلامی نظریاتی کونسل کے اجلاس کے بعد صدر ضیاء الحق نے حضرت افغانی سے ملاقات کی۔ ملاقات کے دوران صدر ضیاء الحق نے کہا حضرت، آپ کی کھری کھری باتیں مجھے بہت پسند ہیں۔ حضرت نے فرمایا۔" ایک کھری بات اور بھی سُن لیجئے، لیکن کھری بات سننے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا، جب تک اس پر عمل نہ کیا جائے" فرمایا۔ ہمارے ملک کا سب سے اہم مسئلہ (جسمیں تمام مسائل سمٹ آتے ہیں، شریعت اسلامی کا عملی اور فوری نفاذ ہے، اگر آپ یا آپ کے ساتھیوں کا یہ خیال ہے کہ عملی نفاذِ شریعت میں دشواریاں یا رکاوٹیں ہیں، تو میں نے پورے گیارہ سال تک وزیرِ معارف شرعیہ کے حیثیت سے شریعت اسلامی کا عملی ثبوت فراہم کیا ہے، آپ وہ فائلیں منگوا کر دیکھ لیجئے

تحریر فرمائیں، تو انہوں نے دو احادیث بمعہ ترجمہ تحریر فرمائے، جو یہ ہیں :
۱۔ "کفی بالموت واعظا" (یعنی آدمی کو غفلت سے بیدار کرنے اور نصیحت دلانے کے لئے مرنے کا یقین کافی ہے۔
۲۔ "راس الحکمۃ مخافۃ اللہ" : (یعنی تمام علوم، دانائیوں اور حکمتوں کی جڑ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے"

۱۷۔ ایک دفعہ فرمایا "کسی قوم کی کامیابی کا دارومدار چار چیزوں پر ہے"
اخوت ، قوت ، حکمت اور اللہیت یعنی ربوبیت

۱۸۔ ایک دفعہ فرمایا " نماز کی پابندی کرو اور ہمیشہ اچھی مجلس میں بیٹھا کرو اگر اچھی مجلس میسر نہ ہو تو گھر آکر کوئی اچھی کتاب پڑھا کرو"

حضرت قبلہ گاہی نے ایک دفعہ بتاریخ ۹ دسمبر ۱۹۷۷ء خطبہ جمعہ کے دوران ارشاد فرمایا " کہ ایک آدمی حضرت خواجہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے پاس آکر پوچھا کہ
ع۱ : خدا اتنی بڑی ذات ہے اور ہم اس کی عبادت کرتے ہیں لیکن وہ نظر نہیں آتے
ع۲ : ارشاد خداوندی ہے کہ شیطان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا، شیطان تو آگ سے بنا ہوا ہے اور دوزخ بھی آگ ہی ہے تو شیطان کو دوزخ میں ڈالنے سے کس طرح تکلیف ہوگی ع۳ : جب ہر چیز پہلے سے تقدیر میں ہے کہ یوں کر رہے گا تو پھر انسان موردِ الزام کس طرح ہوا ؟

یہ تینوں سوالات سُنکر خواجہ صاحب نے مٹی کا ایک ڈھیلہ اُٹھا کر سوال کنندہ کے سر پر دے مارا۔ سوال کنندہ ڈھیلہ لگنے کے بعد درد سے چیخنے لگا۔ اُس کے ساتھیوں نے بدلہ لینے کی دھمکی دی، بزرگ کے مُرید بھی حیران تھے کہ سوال کنندہ کو بجائے جواب کے ڈھیلہ دے مارا۔ خواجہ صاحب فرمانے لگے کہ میں نے تمہارے تینوں سوالات کا جواب دے دیا ہے۔
① :۔ تم خاک سے بنائے گئے ہو اور میں نے خاک یعنی مٹی کا ڈھیلہ اُٹھا کر مارا ہے تو تمہارے خیال کے مطابق جس طرح شیطان کو آگ میں ڈالنے سے تکلیف نہیں ہونی چاہیئے تجھے بھی نہیں ہونی چاہیئے
② :۔ دوسری بات یہ کہ تمہارا صرف مشاہدہ پر یقین ہے کہ خدا کو تب مانے جب وہ

نظر آئے، تم درد کیوجہ سے چیخ رہے ہو، اب مجھے وہ درد دکھا دو، جسکی وجہ سے تمہاری یہ حالت ہو گئی، اس نے زخم پر ہاتھ رکھا، خواجہ صاحب نے فرمایا "یہ تو زخم ہے، وہ درد اٹھا کر مجھے دکھا دو، تب میں مانوں گا، کہ واقعی تجھے درد ہو رہا ہے۔

(3) اب تم لوگ مجھے دھمکیاں دے رہے ہو، کہ یہ تو بقول آپ کے پہلے سے تقدیر میں ہے اور انسان موردِ الزام نہیں، میں اب مزید مارونگا، لیکن آپ کو مجھے موردِ الزام ٹھہرانے کا حق نہیں، کہ یہ تقدیر ہی ہے۔

۱۹۔ ایک دفعہ فرمایا: "حضرت نوحؑ کا ایک بیٹا "کنعان" طوفان میں غرق ہوا۔ باقی تین بیٹے حام، سام، یافث تھے، حام کی اولاد افریقہ والے ہیں، سام کی اولاد عرب والے اور یافث کی اولاد روس، چین، یورپ اور امریکہ وغیرہ ہیں۔

۲۰۔ فرمایا: اہل ایران کو عباس صفوی نے شیعہ بنایا۔ ایران میں بڑے بڑے لوگ گزرے ہیں، مثلاً بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کے مصنفین اور بایزید بسطامی شاہ ابوالخیر، ابوالحسن خرقانی اور نحو اور گرامر کے بانی خلیل اور اس کا شاگرد "سیبویہ" صاحب ام التفاسیر یعنی تفسیر ابن جریر جلال الدین رومی، ابنِ سینا، امام ابوحنیفہؒ سب ایران کے رہنے والے تھے۔

۲۱۔ فرمایا۔ میری وزارت کے زمانے میں ایک دفعہ والئی قلات میر احمد یار خان نے مجھے کہا، کہ آج کل مولویوں کی قدر نہیں، کوئی ان کو پوچھنے والا نہیں، میں نے کہا، کس کے ہاں نہیں؟ قرآن و حدیث کی رُو سے خالق کائنات کے ہاں تو مولویوں کی بہت قدر ہے، مخلوق کی کیا بات ہے۔ لیاقت علیخان وزیر اعظم پاکستان جب کسی کا قدردان ہو اور دوسری طرف میرے بنگلے کا چوکیدار (رام کلہ) سمجھے، کہ میں تو قدردان نہیں، تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ رام کلے اور لیاقت علیخان کے درمیان پھر بھی بہت سے امور میں یکسانیت ہے، لیکن خالق اور مخلوق کے مابین کوئی یکسانیت نہیں۔

اتنے میں ایک بوڑھی عورت آکر کہنے لگی، کہ مولانا صاحب، میرے بچے کے سینے پر اپنا ہاتھ پھیر دو، میں نے والی قلات کو کہا کہ میرے ہاتھ اور آپ کے ہاتھ میں کیا فرق ہے کہ عورت آپ کے صوبہ یعنی بلوچستان کی رہنے والی ہے، اور میں یہاں سے ایک ہزار میل دور پشاور کا ہوں، لیکن یہ آپ کے ہاتھ پر میرے ہاتھ کو ترجیح دیتی ہے

کہ شریعت فی زمانہ قابل عمل ہے یا نہیں۔ آپ لوگوں نے چالیس سال تک مسلمانان پاکستان کو مغربی استعمار کی تجویز شدہ قوانین کے ذریعے کنٹرول کرنے کی کوشش کی لیکن مرض بڑھتا گیا، جوں جوں دوا کی، مصداق مرض میں برابر اضافہ ہوتا گیا، اور تمام قوانین بے اثر ثابت ہوئے ہیں۔ اب عقل کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ نیا نسخہ آزمایا جائے اور یہ نسخہ شریعت اسلامی کے عملی نفاذ کا نسخہ ہے۔

۱۴۔ ایک دفعہ فرمایا کہ نماز نہ پڑھنا، بہت بے غیرتی کی بات ہے، کہ صبح صبح اس کے رازق نے اذان دیکر مسجد بلایا ہے، لیکن یہ نہیں آیا، اس کے باوجود ہاتھ منہ دھو کر ناشتہ کیا، دوپہر کو دوبارہ رزاق کا کھانا کھایا، لیکن عصر کو اذان کے بلاوے پر نہیں گیا، اسیطرح عشاء کو کھانا کھاکر پانچویں مرتبہ بھی ٹس سے مس نہ ہوا، لیکن نعمتوں سے برابر فائدہ اٹھا رہا ہے، کھانے کے علاوہ دوسری بے شمار نعمتیں ہیں، اتنی نعمتوں سے لطف اندوزی کے باوجود، نعمت دہندہ کی ناشکری یا حکم عدولی کیا بے غیرتی کی انتہا نہیں۔

۱۵۔ حضرت قبلہ گاہی ایک دفعہ بہاولپور سے گھر تشریف لائے، اُسی دن مجھے بخار ہوگیا۔ پوری رات مجھے نیند نہیں آئی۔ حضرت سفر کی تھکاوٹ کی وجہ سے عشاء کے فوراً بعد سو گئے۔ رات کے آخری حصے میں، میں نے دیکھا، کہ ایک باریش بوڑھا آدمی آکر حضرت کے سرہانے کھڑا ہوگیا اور تھوڑا جھک کر حضرت کے کان میں کھسر پھسر کرنے لگا۔ میری بیماری کی وجہ سے بجلی جل رہی تھی، میں چارپائی سے اُٹھنے لگا۔ یہ آدمی تقریباً پانچ منٹ تک حضرت کے سرہانے کھڑا رہا۔ چنانچہ میں اٹھنے لگا، تاکہ حضرت کو اِس بوڑھے آدمی کے بارے میں آگاہ کردوں، لیکن جب چپل پہننے کے لئے دوسری طرف منہ کرکے اٹھ گیا، تو مذکورہ آدمی غائب ہوگیا۔ اُس کے غائب ہونے کے ساتھ ہی حضرت بیدار ہوئے، میں نے حضرت کے قریب آکر کہا، آپ کے سرہانے ایک بوڑھا آدمی کھڑا تھا۔ فرمایا۔ "آپ نے اسے کچھ کہا تو نہیں؟ میں نے عرض کیا۔ کہ نہیں۔ میں نے اصرار کے ساتھ پوچھا، یہ آدمی کون تھا؟ اوّل تو خاموش رہے، پھر مسکرائے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ تہجد کی توفیق مل رہی ہے، میں سمجھ گیا کہ یہ کوئی غیبی تصرف تھا، جو اُن کو تہجد کے لئے کہہ رہا تھا۔

۱۶۔ میں نے ایک دفعہ اپنا آٹو گراف بک حضرت کو دیکر کہا، کہ اس پر کوئی نصیحت

یہی وہ قدردانی ہے، جو خالق نے مخلوق کے دلوں میں علماء کے لئے پیدا فرمائی ہے۔

۲۲۔ ایک دفعہ ایک آدمی نے کہا کہ میں روح کو نہیں مانتا۔ حضرت نے فرمایا:
تمہارے لفظ "نہیں" میں "ہاں" پوشیدہ ہے، اگر تمہارے جسم سے روح نکل جائے
تو تم لفظ "نہیں" بول سکو گے، کیا تم نے کسی مردے کو لفظ "نہیں" بولتے دیکھا ہے۔

۲۳۔ ایک دفعہ چند حضرات یہ استفتاء لیکر آئے "کہ کیا صحابہ کرامؓ پر تنقید
کی جا سکتی ہے؟"۔ کئی حضرات نے منفی جوابات لکھے تھے۔ لیکن حضرت نے تحریر
فرمایا "کہ ہاں صحابہ کرامؓ پر تنقید ہو سکتی ہے، بشرطیکہ تنقید کنندہ صحابہ کرامؓ پر
علم و تقویٰ کے لحاظ سے فائق تر ہو، یا کم از کم اُن کے برابر ہو"۔ تب یہ حق بن سکتا ہے
(عموماً یہ ہوتا ہے کہ سیشن کورٹ کا فیصلہ برائے تنقید ہائی کورٹ اور ہائی کورٹ کا فیصلہ
برائے تنقید سپریم کورٹ کو بھیجا جاتا ہے) لیکن جب کسی کا علم و تقویٰ، صحابہ کرامؓ سے
زیادہ تو کیا، برابر بھی نہیں ہو سکتا، تو تنقید کے کیا معنی؟ یہ تو ایسا ہے کہ کہ سپریم
کورٹ کے چپڑاسی کو سپریم کورٹ کے چیف جسٹس پر تنقید کا حق دیا جائے"

۲۴۔ فرمایا، میں مادی ترقی کا مخالف نہیں، لیکن مادی ترقی کے ساتھ اتنی ھی
روحانی ترقی بھی حاصل ہو۔ اگر صرف مادی ترقی ہو، تو یہ ترقی نہیں، بلکہ تنزل ہے کہ
آج کل جیسا کہ یورپ اور امریکہ کی مادی ترقی سے ظاہر ہے، سابقہ غیر مادی ترقی یافتہ
اقوام جب لڑائیاں، لڑتے تھیں، تو مقتولین اور مجروحین کی تعداد کافی مختصر ہوتی تھی،
لیکن امریکہ اور یورپ والوں کی مادی ترقی کا نتیجہ ہے، کہ ایک آدمی بھی تمام انسانوں کو
مار سکتا ہے، اگر یہ اقوام مادی ترقی کے ساتھ، ایمانی و روحانی ترقی سے بہرہ ور ہوتے
تو اُن کا نظریہ و عمل تعمیری ہوتا، نہ کہ تخریبی۔

۲۴۔ حضرت قبلہ گاہی، بتاریخ ۱۸/ اگست ۱۹۷۸ء بروز جمعہ خطاب فرما رہے تھے
کہ رُوئے زمین پر پہلا گناہ "تکبر" ہے کہ شیطان نے تکبر کرکے حضرت آدمؑ کے سامنے
سجدہ سے انکار کر دیا، لیکن اِس تکبر کی بُنیاد "حسد" ہے۔ یعنی شیطان نے خیال کیا
کہ میں علم والا ہوں اور چمکتی چیز سے پیدا کیا گیا ہوں اور حضرت آدمؑ مٹی سے بنائے گئے
ہیں، تو خلافت کا رُتبہ مجھے ملنا چاہیئے، حضرت آدمؑ کو کیوں دیا جا رہا ہے، چنانچہ شیطان
نے حضرت آدمؑ سے حسد کیا اور تکبر پہ اُتر آیا۔ یعنی تکبر کی تہہ میں حسد موجود ہے، لہذا

دراصل پہلا گناہ حسد ہی ہے ۔

۲۵۔ فرمایا۔ جس کے حاسد بہت ہوں، وہ بہت نیکی کمانے والا ہوتا ہے، اور جو خود حسد کرتا ہے، وہ بدترین آدمی ہوتا ہے، کیونکہ حاسد کی نیکیاں دوسروں کو منتقل ہوتی ہیں اور جس سے حسد کیا جائے، اس کے نامہ اعمال میں درج ہوتے ہیں۔

۲۶۔ فرمایا۔ "حضرت تھانوی رحؒ نے حسد کا علاج یہ بتایا ہے کہ جس سے حسد ہو، اس کی برملا تعریف کی جائے اور پانچوں نمازوں میں اس کے لئے دُعا کی جائے، اس کے علاوہ حسد کر کے اپنے اوپر کچھ نہ کچھ جرمانہ، مثلاً ایک روپیہ یا دو روپیہ لگانا چاہیئے۔ اسطرح حسد سے چھٹکارا ملنے کی توقع کی جاسکتی ہے۔

۲۷۔ ایک دفعہ لاہور میں تقریر فرمارہے تھے (احقر ناچیز سٹیج پر قریب بیٹھا تھا) کہ ایک آدمی نے چٹ دیدیا، جسمیں تحریر تھا کہ امریکہ کی ایک بڑی تنظیم نے یہ نظریہ پاس کیا کہ انسان اچھے طعام کھانے اور حکومت کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ فوراً فرمایا "عجیب چیز ہوئی، انسانی مشین شوگر ملز میں گنا ڈالو، تو وہ اسے چینی میں تبدیل کر کے نفع آور بناتی ہے۔ کپڑے کے کارخانے میں کم قیمت روئی وغیرہ ڈال کر بیش قیمت کپڑا تیار کیا جاتا ہے، ایک آدمی کی دعوت کی مرغ پلاؤ، قورمے اور فروٹ کھلائے ہم اس انتظار میں تھے کہ اب خدائی مشین سے بہت قیمتی چیزیں برآمد ہونگی، لیکن چند گھنٹوں کے بعد اس خدائی مشین (انسان) سے جو چیز نکلتی ہے، وہ فروخت کے قابل نہیں، بلکہ اسے پھینکنے کے لئے پیسے دیکر بھنگی کو بلانا پڑتا ہے، اس لحاظ سے تو نعوذ باللہ خدائی مشین انسانی مشین سے بھی کم تر ثابت ہوئی، چنانچہ ایسا نہیں، یہ کھانا پینا انسانی ضروریات ہیں، مقصد خدا کی عبادت و بندگی ہے۔

۲۸۔ فرمایا۔ یورپ والوں نے خدا کو چھوڑ کر مادے کو خدا بنا لیا۔ حالانکہ ان کا اقرار ہے، کہ مادہ بے جان چیز ہے۔ مادہ کے بارے میں بھی وقتاً فوقتاً اپنے نظریات بدلتے رہے، ایک وقت تھا کہ مادہ کو ذرّات کا نام دیا گیا۔ پھر برق پاروں کو مادہ تصوّر کیا گیا اس کے بعد تحقیق ہوئی کہ مادہ نور کا نام ہے (لوگ) مادہ کی تعریف میں کہاں جا پہنچے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "اللہ نور السمٰوات والارض" ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ ہی کائنات کا نور ہے"۔

دل میں دُعا مانگی کہ یا اللہ! میرا جو ایمان ہے، وہ آپ کو معلوم ہے، کچھ مہربانی فرمائیں ایسا نہ ہو کہ یہ طالب علم کسی کے سامنے دستِ سوال پھیلائیں۔

اتنے میں بشیر احمد نامی ایک شخص نے آکر مجھ سے حج بدل کا مسئلہ پوچھا اور بتایا کہ اُسے نظام حیدر آباد دکن نے یہاں بھیجا ہے۔ میں نے مسئلہ بتا دیا۔ اُس نے رقم سے بھری تھیلی پیش کی۔ میں نے یہ کہہ کر رقم واپس کردی کہ میں نے مسئلہ بیچا نہیں ہے۔ وہ طالب علم مجھ سے کچھ آزاد تھے، کہنے لگے، اللہ تعالیٰ نے مہربانی کی ہے، آپ نے کیوں واپس کردی۔ میں نے کہا "صبر سے کام لو" تھوڑی دیر کے بعد وہی آدمی دوبارہ آیا اور کہا کہ بادشاہ کہتا ہے "اسے لے لو، یہ میں نہیں دے رہا، جن سے آپ نے طلب کئے، انہوں نے مجھے حکم دیا ہے" پھر میں نے رقم لے کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور دوبارہ کتابیں خریدنے میں مشغول ہوگئے۔ آخر میں جب "جدّہ" پہنچے، تو اصل کرایہ میں تین روپے کم رہ گئے، عہد تو ہم پہلے ہی کر چکے تھے، کہ غیر اللہ سے نہیں مانگیں گے، نماز عصر ادا کی جارہی تھی جدّہ کی جامع مسجد میں میرے دائیں طرف ایک ملنگ آکر کھڑا ہوگیا، لمبے سیاہ کپڑے تھے اور داڑھی مونچھ مونڈھی ہوئی تھی۔ نماز میں حرکتیں بھی کر رہا تھا، جب نماز سے فارغ ہوا، تو میرے ساتھ مصافحہ کیا اور تین روپے ہاتھ میں دیکر کہنے لگا کہ "دمشق میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مقبرے کا ملازم ہوں" اور چلا گیا۔

۱۳۔ مولوی عبدالغنی بہاولپوری راوی ہے، جو کہ حضرت قبلہ گاہی کا ایک دیرینہ خادم اور مُرید ہے، کہ ایک دفعہ میرے ذہن میں حضرت افغانیؒ کی علمیت کے بارے میں چند شکوک تھے کہ شاید فلسفیانہ مزاج کے مالک ہیں اور فلسفیانہ کلام کی وجہ سے تمام پر حاوی ہیں۔ فن تدریس میں مہارت تامہ نہیں۔ ایک دن میں حسب معمول حضرت کے پاؤں دبا رہا تھا، اُس وقت کوئی دوسرا موجود نہ تھا کہ حضرت کے چہرہ مبارک کا رنگ سرخ ہوتا گیا کچھ غصہ کے آثار نمایاں تھے۔ فرمایا: عبدالغنی! تم "کنزالدقائق" جانتے ہو، کس فن کی کتاب ہے، میں نے عرض کیا "فقہ" کی۔ فرمایا۔ اٹھالاؤ، میں اُس کی عبارت یاد سے سُناتا ہوں تقریباً ہر فن کی بڑی کتاب کا نام لینے لگے اور اُن کی عبارت یاد سے سنانے لگے، میں نے دل ہی دل میں معذرت خواہی کی، تو حضرت کی وہ وجدانی کیفیت ختم ہوگئی۔ فرمایا: میں جب حج کو گیا ہوا تھا، تو خواب میں زیارت نصیب ہوئی، تین بار فرمایا گیا "افغانی مانگ

۲۹ - فرمایا۔ میں جب صوبہ بلوچستان میں وزیر معارف شرعیہ بنا، تو میں نے حکم جاری کر دیا، کہ ذکری شہادت مسلمانوں کے خلاف قابلِ قبول نہیں (ذکری بلوچستان میں ایک قبیلہ ہے، جو مسلمان نہیں)۔ تمام قبیلہ کے لوگ جمع ہو کر اُس وقت کے پاکستان کے وزیر قانون مسٹر اے۔ کے بروہی صاحب کے پاس گئے کہ ہماری حق تلفی ہوئی ہے چنانچہ اے۔ کے۔ بروہی صاحب نے مجھے لکھا کہ اسلام میں مساوات ہے اور اپنے فیصلے پر نظر ثانی فرمائیں۔ میں نے مختصر جواب لکھا کہ نظر ثانی کا مطلب ترکِ اسلام ہے، اور میں اس کے لئے تیار نہیں۔ اے کے بروہی صاحب نے دوبارہ لکھا کہ شہادت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، اس میں مسلم، غیر مسلم کی تعریف کا کیا مطلب؟ میں نے لکھا کہ شہادت ایک اہم اور کلیدی عہدہ ہے کہ شہادت ہی کی روشنی میں تمام فیصلے ہوتے ہیں، چنانچہ شہادت کے لئے صاحب ایمان و کردار ہونا اس لئے شرط ہے کہ کوئی اَن دیکھے کو دیکھا اور دیکھے کو اَن دیکھا نہ بنا دے۔ بروہی صاحب نے تیسرا خط لکھا کہ "تشفی ہو گئی، لیکن اسلامی لٹریچر میں کہاں یہ بات درج ہے کہ شہادت عہدہ ہے یا حکومت کی ایک شاخ" چنانچہ میں نے جواباً تحریر کیا کہ فقہ کی مشہور کتاب "ہدایہ" میں درج ہے۔ "لان الشہادۃ من باب الولایۃ" یعنی شہادت حکومت کے شاخوں میں سے ایک شاخ ہے" مزید تحریر کیا کہ اسلامی ملک کا وزیر قانون اگر اتنی مشہور کتاب کے مندرجات سے لاعلمی کا اظہار کرے، تو اسمیں ہمارا کیا قصور؟

۳۰ - حضرت قبلہ گاہی نے فرمایا کہ جب میں حج کو روانہ ہوا، تو دو طالب علم بھی میرے ہمراہ تھے، جب مکہ مکرمہ پہنچے تو ہم نے کتابیں خریدیں (مولوی کتابوں کا بھوکا ہوتا ہے) یہ جملہ حضرت نے فرمایا۔ جب مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں بھی کتابیں خریدیں چنانچہ کرایہ کے لئے تو کیا کھانے کے لئے بھی رقم نہ بچی۔ نظام حیدرآباد دکن ہر سال ایک سو آدمیوں کو حج بدل کے لئے بھیجا کرتا تھا اور اسی سال وہ خود بھی ہمراہ تھا، وہ حج کے موقع پر لنگر عام چلایا کرتا تھا۔ میرے شاگرد نے کہا کہ حضرت میں لنگر سے کھانا لے آتا ہوں۔ میں نے کہا کہ اس مقدس در پر آکر کسی سے نہیں مانگیں گے۔ بس امتحان آگیا۔ تین دن رات گزر گئے۔ ہم تینوں صرف پانی پر گزر بسر کرتے تھے اور مسجد نبویؐ میں ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے۔ میرے قریب یہ دو طالب علم بیٹھے تھے، میں نے

کیا مانگتا ہے؟ میں نے کہا "علم و عمل"۔ تو عبدالغنی اسی دن کے بعد، اپنی خوشی سے مطالعہ کر دں، تو کر دں ورنہ تدریس کے لئے کتاب دیکھنے کی ضرورت نہیں۔

۳۲۔ حضرت قبلہ گاہی تمام گھر والوں کو نماز کی ادائیگی کے لئے سخت تاکید فرماتے تھے "کہ میں کمزور و ناتوان اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھا نہیں سکتا، خدانخواستہ آپ لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی میرے کندھوں پر آ پڑے، تو میرا حشر کیا ہوگا؟ فرمایا: میں تو توقع رکھتا ہوں کہ تم نیک اعمال کر کے میرے لئے صدقہ جاریہ کا سبب ہونگے اور میرے اعمال نامے کی سیاہی کو کم کر دو گے"

۳۳۔ حضرت قبلہ گاہی بعض اوقات بہت لمبا سجدہ فرماتے تھے، ایک دفعہ میں نے اسکی وجہ پوچھی، تو فرمایا "ایک بزرگ کا قول ہے" کہ جب میں سجدہ کرتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ پیار کر رہا ہے"۔ بعض اوقات سجدے کے دوران بزرگ کا یہ قول یاد آتا ہے کہ اللہ میاں سے پیار کر رہا ہے، تو سجدہ سے سر اٹھانے کو جی نہیں چاہتا"

⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘

حضرت شمس العلوم والمعارف قدس سرہ کے رُوحانی سلاسلِ مُبارکہ

از:- احمد عبدالرحمٰن الصدیقی نوشہروی، خلیفہ مجاز حضرت علّامہ افغانی قدس سرّہ دیگر اکابرین سلاسلِ اربعہ

شیخ الاسلام شمس العلماء عارف باللہ حضرت علّامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ کاملۃ ہمارے مُلک کے ان نامور باکمال جامع الصفات شخصیتوں میں تھے جو عرب وعجم میں اپنی خداداد صلاحیتوں اور علوم ومعارف کے بحرِ بیکراں کے طور پر مشہور ومسلّم تھے۔ ان کے شاگردانِ رشید بالواسطہ اور بلاواسطہ بلامبالغہ ہزاروں میں شمار کیے جا سکتے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند جیسے مرکزی ادارہ کے مسندِ تفسیر وتدریس عُلیا پر فائز رہنے کی وجہ سے اطرافِ عالم کے تشنگانِ علوم کو سیراب فرماتے رہے اور پھر دیگر مدارس علیا مثلاً قاسم العلوم شیرانوالہ گیٹ، لاہور، جامعہ اسلامیہ بہاولپور، علماء اکیڈمی کوئٹہ، پیر جھنڈا، قمبر و سجادل (سندھ) کے علمی مراکز میں ان گنت خوش نصیبوں نے آپ سے استفادہ کیا اور وہی طلباء اور مسترشدین، آج اکابر علماءِ حق اور بزرگوں کی شکل میں ہزاروں لاکھوں مسلمانوں رہبر ورہنما تسلیم کیے جاتے ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ حضرت الشیخ العلّامہ افغانی رحمۃ اللہ علیہ کا فیضِ علمی بڑی قوّت وکثرت سے بحمدہ تعالیٰ پھیلا ہے، لیکن بندہ کو آج ایک دوسرے رُخ سے کچھ عرضِ خدمت کرنا ہے اور وہ ان کی روحانی وعارفانہ شخصیت کے سلسلہ میں ہے، جو ان کے حد درجہ اخفا، اور دعاوی وتفاخر سے کُلّی اجتناب، اور اپنے آپ کو ریاء وعجب سے بچا کر پورے خلوص ومحبت سے دینِ حق کی خدمت کے جذبہ وداعیہ کی وجہ سے تھا، لیکن آج جب وہ ہم میں نہیں ہیں اور ان کی سوانح وتاریخ مرتّب ہو رہی ہے۔ بہت لازمی وضروری ہے

کہ ممکنہ حد تک یہ کوشش کی جائے کہ ان کے جن جن اکابر مشائخ سے عقیدت و ارادت روحانیہ کے رابطے تھے اور پھر ان حضرات اکابر نے اعتماد فرماتے ہوئے حضرت افغانی رحمۃ اللہ علیہ کو اجازت و خلافت رُوحانیہ سے نوازا، اس کا ذکر خیر کیا جائے۔

۱۔ یہ تو سب کے علم میں ہے کہ حضرت افغانی رحمۃ اللہ علیہ پر سب سے زیادہ اور گہرا اثر امام العصر، بقیۃ السلف حضرت علّامہ سیّد محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ العزیز کا تھا، جو نہ صرف دارالعلوم دیوبند کے جامع الکمالات شیخ الحدیث ہی تھے بلکہ روحانی و باطنی علوم و معارف کے امام بھی تھے۔ ان کی صحبت و خدمت میں احادیث مبارکہ شریفہ کا درس لیتے وقت اور دیگر اوقات میں بیش بہا استفادہ فرمایا، ان میں صرف روحانی و علمی نکات و فیوضات ہی نہ تھے بلکہ علم الطبّ، علم الافلاک، علم الجفر، عملیات، علم النجوم وغیرہ بعض اور چیزیں بھی تھیں، چنانچہ امام العصر حضرت کشمیری قدس سرہ العزیز کے صاحبزادہ محترم مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری مدظلہم نے خود بندہ سے عید الفطر ۱۴۰۲ھ کو دیوبند میں اپنے مکان پر فرمایا تھا، کہ "کئی مرتبہ حضرت افغانیؒ میرے آبا جیؒ سے ان مسائل پر تبادلہ خیالات فرمایا کرتے تھے اور خود حضرت والدِ گرامیؒ بھی اُن کے اِن علوم میں دسترس کے معترف تھے اور بعض اوقات حضرت افغانیؒ کو بلوا کر ان سے بعض سوالات بھی حل کروایا کرتے تھے"

اور یہی وجہ ہے کہ حضرت افغانی رحمۃ اللہ علیہ کے درس تفسیر و درس حدیث میں زیادہ تر حضرت الشیخ العلّامہ انور شاہ کشمیری رح کے علوم و معارف بیان ہوتے تھے اور ان کے روحانی کمالات کا تذکرہ بھی۔ اور حضرت الشیخ العلّامہ افغانی قدس سرہ کی سندات تفسیر و حدیث شریفہ سب حضرۃ امام العصر الشیخ کشمیری قدس سرہ والی ہی تھیں۔

۲۔ پاک و ہند کے عظیم ولی اللہ اور تحریک شیخ الہند قدس سرہٗ کے قد آور رہنما و بزرگ حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری قدس اللہ سرہ العزیز نے اپنی خداداد بصیرت سے حضرت افغانیؒ کو اپنے سلسلہ قادریہ راشدیہ کی اجازت سے نوازا، اگرچہ یہ اجازت بھی، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کو دی ہوئی خلافت

کی طرح تھی کہ حضرت دین پوری موصوف قدس سرہٗ کے باقاعدہ فیض یافتہ و تربیت روحانی کا شاہکار تو امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ ہی تھے، ان کے علاوہ دیگر بزرگوں کو "بطور برکت" یا "شہادۃ تکمیل" کے طور پر اجازت مرحمت فرمائی تھی ـــــ حضرت دین پوری رح کی عظمت کے لئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح کے یہ ارشاد کافی ہے کہ "حضرت خلیفہ صاحب رح تو ہمارے حضرت حاجی صاحب رح کے درجہ کے بزرگ ہیں" اور پھر امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رح جیسے عظیم مجاہد و بزرگ رہنما نے جس ہستی سے (حضرت دین پوری رح) معارف روحانیہ اور جہاد اسلامیہ کا بنیادی سبق سیکھا، ان کی شخصیت کتنی عظیم اور جامع الکمالات ہستی ہوگی۔ حضرت دین پوری رح کی اجازتِ سلسلہ کے بارہ میں حضرت افغانی رح اپنے ایک مکتوبِ گرامی محررہ ۱۲ فروری ۱۹۸۱ء بنام محترم قاری کرنل فیوض الرحمان صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

کہ "سلسلہ قادریہ کی تکمیل والد صاحب رح کے علاوہ حضرت مولانا خلیفہ غلام محمد دین پوری صاحب رح سے کی اور ان سے خلافت و اجازت بھی حاصل کی۔ حضرت دین پوری صاحب رح کا جانشین فرزند میرا شاگرد بھی تھا، جو انتہائی عابد زاہد تارک الدنیا تھا"

اس مکتوب گرامی سے صراحتاً معلوم ہوا کہ اس عظیم سنہری کڑی بننے کی سعادت بھی نصیب تھی، خود بندہ سے حضرت افغانی قدس سرہٗ نے اس خط کی تصدیق فرمائی تھی اور جب یہ خط بندہ نے جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب رح کو بتلایا، تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ "بالکل حضرت افغانی جیسی شخصیت ہی ہمارے حضرت خلیفہ صاحب کے خلفاء بن سکتی ہیں" اور وہ عکسِ خط مجھ سے انہوں نے یہ فرما کر اپنے پاس رکھ لیا کہ "یہ میرے پاس رہے، ثبوت ہوگا" پھر خود حضرت علامہ افغانی رح نے بندہ کے نام ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا کہ "سلسلہ قادریہ میں حضرت سوات صاحب سے بتوسط حضرت قبلہ گاہی مولانا غلام حیدر صاحب رح بیعت کر چکا ہوں اور بعد میں اس سلسلہ میں براہ راست حضرت دین پوری رح سے خود ملاقات کر کے بیعت کر کے تکمیل کر لی گئی"

۲- سلسلہ قادریہ غفوریہ میں علاقہ سرحد افغان کے مشہور و معروف مجاہد بزرگ اور باکمال شخصیت" حضرۃ اخوند عبد الغفور رح المعروف بہ سیدو بابا "سے نسبت روحانیہ اپنے والدِ باکمال حضرت مولانا غلام حیدر صاحب رح کے ذریعہ سے تھی، کہ حضرت والا، حضرت سیدو

بابا رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء کرام میں سے تھے، چنانچہ حضرت افغانی رح اس سلسلہ میں اپنے مکتوب گرامی محررہ ۲۳ دسمبر ۷۵ء میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"احقر کے والد مولانا غلام حیدر نور اللہ مرقدہٗ جامع عالم تھے اور کسی قدر استفادہ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب لکھنوی رح والد حضرت مولانا عبدالحیٰ مرحوم سے کیا تھا۔ مولانا عبدالحیٰ اس وقت طالب علم تھے، والد مرحوم کی ولادت ۱۸۴۰ء/ انقلاب ۱۸۵۷ء سے سترہ سال پیشتر ہوئی تھی اور وفات ۱۹۳۴ء میں بعمر تقریباً ۹۴ سال۔ تدریس فقہ، اصول فقہ، تفسیر حدیث میں تاوقت فوت جاری رکھی۔ وفات ایام سخر ۱۳۵۲ھ بحالت سجدہ ہوئی۔ بیعت و مجازیت از حضرت مولانا عبدالغفور المعروف بہ صاحب سوات نور اللہ مرقدہ، سلسلہ قادریہ میں ہوئی۔ فارسی کے بلند پایہ شاعر بھی تھے، نحو، فقہ، اصول فقہ پر اور مشکوٰۃ پر اپنے قلم سے حواشی مخطوطہ ہیں"

اس مکتوب گرامی سے حضرت اخوند سید بابا رح کے عظیم نسبت و تعلق کی وضاحت ہوئی۔ ویسے بھی حضرت رح کا خاندانی تعلق انہی عظیم بزرگوں اور مجاہدوں سے تھا، کہ ان کے پردادا حضرت مولانا سعد اللہ صاحب رح حضرت امیر المجاہدین الشیخ السید احمد شہید بریلوی قدس سرہ کے خلیفہ مجاز اور ساتھیوں میں سے تھے اور انہی کے ساتھ جہاد میں شریک تھے اور شہادت کے مقام عظمیٰ سے بھی مشرف ہوئے، جیسا کہ سیرت شہیدین جناب مہر صاحب نے لکھا ہے۔ حضرت سید بابا رح اگرچہ چاروں روحانی سلاسل کے مجاز اور شیخ تھے، لیکن عام طور پر سلسلہ قادریہ کے اسباق و مراقبات تلقین فرمایا کرتے تھے جو انہیں تور ڈھیر کے حضرت الشیخ محمد شعیب رح سے حاصل ہوئے تھے،

سلسلہ چشتیہ صابریہ میں عظیم و مبارک نسبت، حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رح سے اسطرح حاصل ہوئی کہ بیعت تو ان سے ہوئی اور اسباق و اخلاق فاضلہ کی تکمیل بھی، البتہ ان کے انتقال فرما جانے کے بعد ان کے خلیفہ اجل حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رح بانی جامعہ اشرفیہ لاہور نے اجازت و خلافت سے مشرف کیا جسکا ذکر حضرت مفتی صاحب رح کی سوانح و دیگر کتب میں ہو چکا ہے اور موجودہ اکابرین پاک و ہند اس سلسلہ مبارکہ کے بارہ میں بہت کچھ جانتے ہیں اور اس سلسلہ کی عظمت اور شہرت بحمدہ تعالیٰ بام عروج پر ہے۔ اس بارہ میں حضرت افغانی رح اپنے دست مبارکہ

سے لکھی ہوئی ایک سوانحی تحریر میں فرماتے ہیں :۔
" کہ سلسلہ چشتیہ صابریہ کی بیعت احقر کی، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سے اور اجازت حضرت مفتی محمد حسن صاحب سے حاصل ہوئی۔ یہ سب سلاسل سلسلہ علماء ربانی مطبوعہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں موجود ہیں"

۵۔ ان مبارک سلاسل روحانیہ میں سے ایک خاص تعلق و نسبت" سلسلہ قادریہ و نقشبندیہ" کی مجمع البحرین" ایک عراقی بزرگ حضرت الشیخ علاء الدین رحمہ اللہ ساکن بیارہ ضلع سلیمانیہ (عراق) سے حاصل فرمائی۔ اس کے متعلق حضرت افغانی رحمہ اللہ اپنی اسی تحریر سوانحی میں لکھتے ہیں۔ کہ "سلسلہ نقشبندیہ سرزمین حجاز میں شیخ عثمانی جامع الطریقتین النقشبندیہ والقادریہ علاء الدین عراق بیارہ ضلع سلیمانیہ سے حاصل کی، چونکہ یہ صحبت تقریباً آٹھ ماہ تھی، اس لئے حضرت نے اجازت مرحمت فرمائی جو مہر شدہ احقر کے ہاں محفوظ ہے۔ اُن کے مرشد اُن کے والد ماجد ضیاء الدین عراقی رحمہ اللہ ہیں، انہوں نے خالد رُومی رحمہ اللہ سے (جو صاحب رد المختار رحمہ اللہ اور صاحب روح المعانی رحمہ اللہ کے ساتھی ہیں) اور انہوں نے شاہ غلام علی دہلوی رحمہ اللہ سے حاصل کیا"

اور پھر بندہ کے استفسار پر ایک مکتوب گرامی میں ارشاد فرمایا کہ :۔
" ۱۹۲۲ء میں حج بیت اللہ شریف کے موقع پر مکہ معظمہ میں جامع الطریقتین النقشبندیہ والقادریہ علاء الدین عراقی رحمہ اللہ سے ملاقات و بیعت نصیب ہوئی۔ میرا قیام مکہ معظمہ میں تقریباً دس ماہ رہا۔ اس دوران اکثر اوقات حضرت عراقی رحمہ اللہ سے صحبت رہی۔ آپ کے جملہ مقاصد دینیہ ظاہریہ و روحانیہ کی بلندی کے لئے دُعا کرتا ہوں۔ فقط والدعاء۔

نوٹ: علامہ شامی کے رسائل ابن عابدین میں حضرت عراقی رحمہ اللہ کا تذکرہ موجود ہے۔ (شمس الحق افغانی) ۲۸/۸۲/۲

۶۔ اسی مبارک سفر حج و زیارات شریفہ ۱۳۴۰ھ کے دوران شیخ الدلائل حضرت الشیخ السید محمد عبد المحسن رضوان ابن العلامہ السید محمد امین رضوان رحمہما اللہ تعالیٰ سے دلائل الخیرات کی اجازت سے مشرف ہوئے اور اپنے خدام احباب کو انہی کی سند کے ساتھ اجازت مرحمت فرمایا کرتے تھے، چنانچہ بندہ کو اجازت دلائل الخیرات کے وقت درج ذیل عبارت زیب قرطاس فرمائی تھی (فللہ الحمد والشکر کلہ)۔
اِنَّ الاخ الصالح البار المولوی احمد عبد الرحمن الصدیقی النوشہری

لما استجاز منی اجازۃ دلائل الخیرات فاجزتہ بالسند المزبور واوصیہ باتباع السنۃ والتجنب عن البدعۃ وان لا ینسانی عن الدعاء وصلی اللہ علی خاتم انبیائہ وآلہ وصحبہ اجمعین۔ مہر ودستخط مبارکہ ۱/۹۱ھ

درج بالا چند ضروری معلومات قارئین ماہنامہ النصیحۃ چارسدہ ضلع پشاور کے خاص نمبر کے لئے پیش خدمت ہیں۔ پہلے مہتمم مدرسہ جناب مولانا سید محمد گوہر شاہ صاحب کا حکمنامہ پہنچا تھا اور پھر حضرت الشیخ العلامہ افغانی رح کے فاضل و محبوب صاحبزادہ محترم جناب محمد داؤد جان صاحب نے بمعیت مدیر رسالہ النصیحۃ محترم مولانا محمد ایاز صاحب حقانی مدرسہ نظارۃ المعارف نزد لال پل نوشہرہ صدر رونق افروز ہو کر تاکیدی حکم دیا۔ تو امتثال حکم کے لئے باوجود اپنی نااہلی کے یہ مضمون تحریر کرنے کی جسارت کرلی۔ امید ہے کہ احباب و بزرگ سب اپنی دعاؤں اور توجہات کریمانہ سے نوازیں گے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء والسلام مع الاکرام۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم اجمعین۔ آمین۔

نوٹ:۔ پورے مضمون کا خلاصہ بشکل شجرہ مبارکہ قادریہ غفوریہ شمسیہ ساتھ ہی منسلک ہے، اسے بغور ملاحظہ فرما کر ان اکابر اہل اللہ کے وسیلہ سے سعادت و فلاح دارین کی دعا جب آپ فرمادیں، تو بندہ بھی منتظر توجہ و کرم ہوگا۔ بہت بہت شکریہ۔

سلسلہ قادریہ غفوریہ شمسیہ مبارکہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رحمۃ للعٰلمین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ　　سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ　　سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ
حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت عبدالواحد تمیمی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت ابوالفرح طرطوسی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت ابوالحسن ہنکاری رحمۃ اللہ علیہ
حضرت ابوسعید مبارک مخزومی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت شاہ دولا گجراتی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت شاہ منور دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت شاہ عالم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت شیخ احمد ملتانی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت محمد صدیق نیری رحمۃ اللہ علیہ
حضرت حافظ محمد رحمۃ اللہ علیہ
حضرت محمد شعیب تورڈھیری رحمۃ اللہ علیہ
حضرت عبدالغفور سواتی (سیدو بابا) رحمۃ اللہ علیہ
حضرت مولانا غلام حیدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
حضرت علامہ الشیخ
شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ (والد ماجد حضرت افغانی رح)

حضرت خلیفہ غلام محمد
دین پوری رحمۃ اللہ علیہ

سلسلہ قادریہ راشدیہ

حضرت علاؤ الدین
عراقی رحمۃ اللہ علیہ

سلسلہ قادریہ و نقشبندیہ

سلسلۂ چشتیہ سلاسل اربعہ از حضرت حکیم الامت تھانوی رح
بواسطہ حضرت مفتی محمد حسن امرتسری رح

سلسلہ احادیث مبارکہ حضرت العلامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رح

تعویذ مبارکہ عملیات وغیرہ

میرے استاذِ گرامی حضرت افغانیؒ کی سندِ حدیث

مولانا علی اصغر عباسی خطیب، جامع مسجد نیلا گنبد

۱۱ مارچ ۱۹۶۳ء سے ۱۰ جولائی ۱۹۶۳ء تک چار ماہ کے لئے اکیڈمی علوم اسلامیہ کوئٹہ مغربی پاکستان میں ایک کورس میں بحیثیت خطیب محکمہ اوقاف شریک ہونے کا موقعہ نصیب ہوا۔ اس وقت حضرت افغانیؒ اکیڈمی علوم اسلامیہ کوئٹہ کے شیخ التفسیر والحدیث تھے۔ چار ماہ کے عرصے میں بخاری شریف کی چار حدیثیں اور قرآن پاک کی تفسیر تعوذ، تسمیہ، الحمد شریف اور آخری پارہ پڑھنے کا موقعہ نصیب ہوا۔ اس کے علاوہ اس عرصہ میں حضرت افغانیؒ نے اصول فقہ اور علم الکلام پر بھی دروس دیئے۔ اس کورس کے اختتام پر اکیڈمی علوم اسلامیہ کوئٹہ کی طرف سے چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف مغربی پاکستان کے دستخطوں سے جہاں محکمانہ سطح پر ایک سند دی گئی۔ وہاں حضرت افغانی نے اپنے تلامذہ کو اجازۃ حدیث کی ایک سند بھی عطا فرمائی۔ یہ سند حاصل کرنے والے خوش قسمتوں میں میرا نام بھی شامل ہے۔ چنانچہ میں نے وہ سند فریم کرا کر اپنے کمرہ واقعہ مسجد نیلا گنبد میں بطور تبرک آویزاں کی ہوئی ہے۔

حضرت افغانیؒ کی سند کی خصوصیت

حضرت الاستاذ کی اس سند کی خصوصیت یہ ہے، کہ اساتذہ اور شیوخ کے ہاں جو سندیں ملتی ہیں۔ اس میں سند دینے والی شخصیت کے نام اور منصب کے علاوہ سب سے پہلے اللہ رب العالمین کی ثناء اور تعریف ہوتی ہے اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ اور اہل بیت کی مختصر خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے ان پر درود وسلام ہوتا ہے اور پھر ثالثاً جسکو وہ سند دی جاتی ہے، اس کا نام، ولدیت، پتہ اور طلب اجازۃ کا ذکر ہوتا ہے اور ساتھ ہی سُنت

بنویہ اور سلف صالحین کے طریق پر کاربند رہنے کی وصیت اور دُعا ہوتی ہے۔ یہ مضامین تمام اساتذہ حدیث و تفسیر کے ہاں مشترک ہیں۔ حضرت افغانیؒ کی سند کے ابتدائی حصہ میں یہ مضامین جامعیت اور اختصار کے ساتھ موجود ہیں۔ چنانچہ مجھے جو سند دی گئی ہے۔ اس پر ۱۵ صفر المظفر سنہ ۱۳۸۲ھ کی تاریخ سُرخ روشنائی سے مرقوم ہے۔

حضرت علامہ افغانیؒ نے اپنی سند حدیث اور اس کی اجازت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے اُمہات الستہ یعنی صحاح ستہ کی قراءت و سماعت کی اجازت ہمارے شیخ، شیخ الاسلام، الامام محمد انور شاہ کشمیریؒ مؤلف فیض الباری وغیرہ سے حاصل ہوئی حصول سند کی تاریخ حضرت افغانیؒ نے سنہ ۱۳۴۰ھ بتائی ہے اور سید انور شاہ کشمیریؒ کو حضرۃ الشیخ مولانا محمود حسنؒ الدیوبندی المعروف شیخ الہند سے حاصل ہوئی جبکہ حضرۃ شیخ الہندؒ کو پانچ شیوخ سے اجازت حاصل ہے۔ الشیخ محمد قاسمؒ النانوتوی، الشیخ رشید احمد گنگوہیؒ، الشیخ محمد مظہرؒ النانوتوی بانی مظاہر العلوم سہارنپور، الشیخ احمد علیؒ سہارنپوری، الحاشیہ علی الصحیح البخاری، قاری عبدالرحمانؒ پانی پتی۔ ان پانچوں کو اجازت حاصل ہے، شیخ عبدالغنیؒ سے اور ان کو اجازت حاصل ہے۔ شیخ محمد اسحٰقؒ دہلوی سے اور ان کو اجازت حاصل ہے شیخ عبدالعزیزؒ اور ان کو اپنے والد گرامی شاہ ولی اللہ دہلوی سے اجازت حاصل ہے۔

اور شیخ عبدالغنیؒ (استاذ شیخ الہندؒ) کی سند کتاب "یانع الجنی" میں مذکور ہے اور شیخ عبدالعزیزؒ کی اسانید ان کے رسالہ "العجالۃ النافعۃ" میں مذکور ہیں، اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اسانید بھی ان کی اپنی تصنیف "الارشاد الی مہمات علم الاسناد" میں مذکور ہیں۔

اور حضرت شیخ الہندؒ کو ایک سند عالی حاصل ہے۔ ان چار بزرگوں سے حضرت شیخ عبدالغنیؒ ۲۔ حضرت شیخ احمد علیؒ سہارنپوری اور ۳۔ شیخ محمد اظہر النانوتویؒ اور شیخ عبدالرحمان پانی پتی اور ان چاروں کو اجازت حاصل ہے، محدث شیخ محمد اسحٰقؒ دہلوی سے اور ان کو اجازت ہے اپنے نانا شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی سے اور ان کو اجازت ہے اپنے نانا شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی سے اور شیخ عبدالغنیؒ روایت کرتے ہیں شیخ محمد عابدؒ سندھی، ان کی اسانید کتاب "حصر الشارد" میں مذکور ہیں۔

اور ہمارے شیخ امام کشمیری" کو اجازت حاصل ہے اپنے شیخ محدث محمد اسحٰق کشمیری" جو مدینہ منورہ میں تھے اور ان کو اجازت حاصل ہے، شیخ سید نعمان" سے اور ان کو اجازت ہے اپنے والد شیخ سید محمود" آلوسی مفتی بغداد" صاحب روح المعانی" سے اور صاحب" روح المعانی" کی اسانید ان کی اپنی کتاب" غرائب الاغتراب ونزھۃ الألباب" میں ہیں۔

اور ہمارے شیخ امام کشمیری نیز روایت کرتے ہیں، شیخ حسین" بن شیخ محمد جسر الطرابلسی صاحب" الرسالۃ الحدیث" سے اور یہ روایت کرتے ہیں شیخ عبدالقادر الدجانی سے اور وہ اپنے والد شیخ محمد جسر سے اور وہ اپنے والد کے شیخ، شیخ محمد بن حسن القطبی سے، جبکہ یہ دونوں (موخر الذکر) روایت کرتے ہیں، امیر کبیر ابی عبداللہ محمد بن محمد المالکی اور شیخ سید احمد الطحطاوی حنفی (متوفی ۱۲۳۱ھ) سے۔

اور ہمارے شیخ امام کشمیری علاوہ ازیں روایت کرتے ہیں، شیخ حسین الجسر سے، جنکو سند حاصل ہے شیخ محمد امین المدعو بابن عابد بن الشامی الحنفی م ۱۱۵۲ھ سے اور شیخ طحطاوی" کی اسانید ان کے حاشیے میں موجود ہیں۔ جو طبع نہیں ہوا، اور شیخ ابن عابد بن شامی" کی اسانید ان کے حاشیے میں جو" عقود الآلی فی اسانید العوالی" کے نام سے معروف ہے، موجود ہیں اور یہ حاشیہ میں طبع ہو چکا ہے۔

تمت ترجمة سند اجازة الحديث للشيخ العارف بالله العلامه شمس الحق الافغاني شيخ التفسير بدار العلوم ديوبند وشيخ الحديث بجامعة الاسلاميه دابهيل وصدر وفاق المدارس العربية باكستان وشيخ التفسير والحديث لاكيد يميز العلوم الاسلامية بكوتة باكستان وشيخ التفسير بجامعة الاسلامية بهاولفور ورئيس الجامعة الاسلاميه ببهاولفور ووزير المعارف فى الولايات المتحدة البلوشستانية،

وأخيرا فى حياته كان عضوا (نظریاتی کونسل پاکستان) لمجلس التشريع الاسلامى فى باكستان. خادم الشيخ العلامة شمس الحق افغانى رح

معارفِ افغانیؒ

★ مولانا زاہد الحسینی۔ دارالارشاد۔ مدنی روڈ۔ اٹک شہر
خلیفۂ مجاز شیخ التفسیر حضرت لاہوریؒ

حضرت مولانا شمس الحق افغانی نور اللہ مرقدہٗ ان چند ممتاز علماء کرام میں سے تھے جن کو بجا طور پر استاذ المنقول والمعقول کہا جا سکتا ہے علوم متداولہ اور غیر متداولہ میں ان کو کامل رسوخ حاصل تھا۔ وہ بیک وقت استاذ الحدیث اور شیخ التفسیر بھی تھے اور اسی کے ساتھ استاذ المعقولات بھی تھے۔ اس گناہگار کی نظر میں ایسے جامع العلوم علماء کرام بہت ہی کم ہیں۔ علوم ظاہریہ کے علاوہ علوم روحانیہ کے بھی استاذ تھے۔ علوم ماثورہ اور منقولہ کی طرح وہ علوم ما فوق الطبیعات سے بھی نہ صرف شناسا تھے بلکہ ان کے شارح بھی تھے۔ وہ تزکیۂ باطن کی دولت سرمدی سے بھی مالامال تھے۔ مگر افسوس ہے کہ ان کے معارف اور ماثر کو تمامہا نہ تو ضبط کیا گیا اور نہ ہی ان کے خلد آشیان ہونے کے بعد کسی ادارہ یا رسالہ نے ان کو یکجا کر کے شائع کرنے کی طرف توجہ کی۔ حالانکہ اگر ایسی جامع الصفات العلمیۃ والعملیۃ شخصیت اگر احناف کے سوا کسی اور مکتب فکر میں ہوتی تو انکے کارناموں اور علمی برکات کو شائع کرنے کے لئے باقاعدہ ادارہ قائم کیا جاتا۔

ماہنامہ [illegible] اپنے لحاظ سے قابل شکر ہے کہ اس نے علمی اور وطنی حق

اجرا کا ارادہ کرتے ہوئے اِدھر قدم اٹھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائے اور مسلمانوں کو خصوصاً علماء کرام اور دینی مدارس کے طلباء کرام کو اس سے مستفید ہونے کی سعادت بخشے۔ آمین وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

احقر اگرچہ ان کا رسمی اور اصطلاحی طور پر شاگرد نہیں مگر ان کے خرمن علم سے خوشہ چینی کی سعادت کا شرف حاصل ہے۔ مرحوم مغفور کی خدمت میں علمی حاضری کا شرف اس وقت حاصل ہوا جب احقر نے قرآنی ترجمۃ القرآن کی طرز پر قرآن فہمی کے اصول کو اردو زبان میں جمع کرکے شائع کرنے کی سعادت حاصل کی تو نظر ثانی کے لئے اپنی یہ کتاب معارف القرآن* حضرت نے کمال شفقت کے ساتھ اس پر نظر ثانی فرما کر جو تقریظ ارسال فرمائی وہ حرف بحرف اس لئے ہدیہ ناظرین ہے کہ ہمارے اکابر نے کس طرح اصاغر کی ہمت افزائی فرمائی حضرت کے ارشادات ان ہی کے کلمات میں تبرکاً پیش ہیں،

میں نے معارف القرآن مؤلفہ جامع المعقول والمنقول حاوی الفروع والاصول مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی کو اول سے آخر تک دیکھا۔ مصنف علامہ کو فہم قرآن میں خصوصی رسوخ اور اچھی استعداد حاصل ہے جس کے لئے زیر تقریظ کتاب اور مصنف کی دیگر مصنفات متعلقہ قرآن شاہد صدق ہیں۔ معارف القرآن قدیم وجدید معلومات پر حاوی ہے، اور کمال یہ ہے کہ فہم سلف سے ذرہ برابر اس میں انحراف نہیں، جن لوگوں نے علوم اسلامیہ سے تہی دستی کے باوجود قرآن کی تفسیریں لکھی ہیں اور قرآن ہی کے نام پر الحاد و زندقہ مسلمانوں میں پھیلانے کی سعی نامسعود کی ہے ان کی تمام کج فہمیوں اور الحاد آفرینیوں کا جواب اس کتاب میں موجود ہے۔ جزاہ اللہ عنا وعن سائر اہل الاسلام خیراً۔ شمس الحق عفا اللہ عنہ ترنگ زئی پشاور

۱۸ ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ

اس ہمت افزائی کے بعد احقر نے اپنے تمام علمی اور دینی بلکہ بعض روحانی اشکالات وقتاً فوقتاً حضرت کی خدمت میں پیش کرنے کی جرأت کی جن کا حضرت نے پہلی فرصت میں مفصل اور مدلل جواب عنایت فرمایا۔ ان میں سے سردست چند خطوط کی نقل درج کی جاتی ہے۔

(۱) الحزب الاعظم مرتبہ ملا علی قاری حنفی کی منزل یوم الخمیس میں ایک دعا کے ضمن میں مندرجہ کلمات ارشاد فرمائے ہیں: ... لاسماء الثمانیہ المکتوبۃ علی قرن الشمس احقر نے اپنی بساط کے مطابق اوراق گردانی کی مگر مسئلہ حل نہ ہو سکا۔ آخر حضرت کی خدمت حضرت افغانیؒ کی خدمت میں پیش کی۔

میں لکھا کہ ان الاسماء الثمانیہ سے کون سے اسماء باری تعالیٰ مراد ہیں۔ تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ان سے مراد باری تعالےٰ کے اسماء صفاتیہ :

"حی ، علیم ، قدیر ، سمیع ، بصیر ، کلیم ، مُرید اور مُکوِّن ہیں "

اس کے بعد جب اوراد قادریہ کو مطالعہ کیا تو اس میں ذکر سبع صفات پہلے سات اسماء کو پایا البتہ حسب ارشاد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز اوراد نقشبندیہ میں آٹھ اسماء صفات ہیں ، جو مدبر عالم ہیں۔

(۲) حضرت شاہ سید اسمٰعیل شہید قدس سرہٗ نے اپنی کتاب عبقات کے خطہ میں مندرجہ ذیل عبارت تحریر فرمائی :

" اسالک ان تصلی علی اسمک الاعظم و نورک الاتم حبیبک الافخم الذی اشرق به الاکوان و افتخر به الانسان وسیلة السالکین وسکینة الطالبین محمد وآله اجمعین " ص۲

جس کی وضاحت کے لئے احقر نے حضرت کی خدمت میں لکھا ، تو مندرجہ ذیل جواب ارسال فرمایا :

" ابھی آپ کا خط پہنچا ، خوشی ہوئی - جناب شاہ اسمٰعیل شہید نوراللہ مرقدہ ورحمۃ اللہ کی عبارت عبقات ، کے متعلق عرض ہے کہ یہ عبارت اصطلاحات صوفیہ کرام پر مبنی ہے ، حضرات صوفیہ کے نزدیک تمام موجودات ، علویہ وسفلیہ کی صورتیں ازل میں علم الٰہی میں موجود تھیں ، لہٰذا کل موجودات اسی درجہ میں چند ناموں سے موسوم کئے جاتے ہیں : ۱- اعیان ثابتہ ۲- ظلال باصطلاح امام مجدد رح ۳- اسماء - کیونکہ وہ علامات علی المسمیات ہیں ، پھر جب یہ صُوَر موجود فی العالم ہوئے ، تو سب کے سب صوفیہ کی اصطلاح میں اسماء الٰہیہ کہلاتے ہیں ، خواہ سفلی ہوں یا علوی جواہر ہوں یا اعراض ، اسماء اللہ اس لئے ہیں کہ یہ دال ہیں ، اللہ پر کیونکہ ہر موجود فعل خدا ہے اور فعل دال ہے ، فاعل کے وجود پر ، جیسے اسم لغوی دال ہے مسمّٰی پر - اس چیز کو شیخ اکبر ، شاہ ولی اللہ اور امام مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد جگہ میں بیان کیا ہے ، میں یہاں صرف تفسیر روح المعانی ج ا ص ۲۲۲ و علم الاسماء کلہا کے تحت ایک عبارت پر اکتفا کرتا ہوں ۔ صاحب روح المعانی کہتے ہیں ، میرے نزدیک و علم ادم الاسماء کلھا کی تفسیر میں حق یہ ہے :

"والحق عندی ما علیه اهل اللہ تعالیٰ وھو الذی یقتضیه منصب الخلافة وھو انها اسماء اللہ علویته او سفلیته جوھریته او عرضیة ویقال لها اسماء اللہ تعالیٰ باعتبار دلالتها علیه وظهورها فیه غیر مقیدها قالوا لهذا ان اسماء اللہ تعالیٰ غیر متناهیة اذ ما من شیٔ یبرز للوجود من خبایا الجود الا وھو اسم من اسماء اللہ تعالیٰ۔ انتھیٰ

جب ہر موجود اصطلاح صوفیہ میں اسم من اسماء اللہ ہے، تو جو موجود تمام موجودات ممکنہ میں سب سے بڑا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، وہ اسم اعظم ہوا اور باقی درجہ بدرجہ کے اسماء ہوئے۔ تفسیر مظہری میں بھی یہی تفسیر اختیار کی ہے۔ فقط والسلام۔

احقر شمس الحق افغانی عفا اللہ عنہ،

جامعہ اسلامیہ بہاولپور ۱۷-۹-۱۳

(۳) احقر نے ۱۱ رمضان مبارک ۱۳۸۳ھ کو حضرت کی خدمت میں مندرجہ ذیل خط ارسال کیا۔

"محترم العلماء مکرم الفضلاء دامت برکاتہم،"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

اُمید ہے جناب عافیت سے ہوں گے، میرا ارادہ خود قدمبوسی کا تھا، مگر رمضان مبارک کی مصروفیتوں نے التواء میں ڈال دیا ہے، اب انشاء اللہ رمضان کے بعد حاضر ہوں گا۔ جناب کوئٹہ کب تشریف لے جائیں گے؟

ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے شردھانند کے قتل کے بعد ایک کتاب "الجہاد فی الاسلام" لکھی تھی جس کے دوسرے ایڈیشن کے صفحہ ۲۴۰ پر ایک بحث کے دوران البدائع اور فتح القدیر کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ:

"اسلامی مملکت میں اگر ذمی سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو شتم بھی کر دے، تو اس سے ذمہ نہیں ٹوٹتا"

حالانکہ سیہ کار کی نظر میں قاتلوا ائمۃ الکفر نص قرآنی کی روشنی میں ایسے بدبختوں کو واصل جہنم کرنا ضروری ہے، کیا فتح القدیر وغیرہ میں ایسی بات ہے اور اس کا صحیح

محمل کیا ہوسکتا ہے۔ والسلام۔ محتاجِ دُعا۔ قاضی محمد زاہد الحسینی

" شتمِ ذمی سے ذمہ کا نہ ٹوٹنا صرف بدائع اور فتح القدیر میں نہیں، بلکہ فقہ حنفی کی تمام معتبرات میں ہے۔ رسائل ابن عابدین ج ۱ ص ۳۵۲ میں ہے۔ والمصرح بہ عندنا فی المتون والشروح ان الذمی لاینقض عہدہ بسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ البتہ مالک وشافعی واحمد کے نزدیک ٹوٹ جاتا ہے، لہٰذا ذمی شاتم کا قتل۔ تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ابوحنیفہ کے نزدیک بھی قتل کیا جائیگا۔ لیکن تعزیراً عندنا وحداً عند الثلاثۃ وفی رسائل ابن عابدین ج ۱ ص ۳۵۴ ان الذمی یجوز قتلہ عندنا لکن لاحداً بل تعزیراً فقتلہ لیس مخالفاً للمذہب علامہ عینی اور صاحب فتح القدیر کی اپنی رائے یہ ہے کہ شتم ناقض ذمہ ہے۔ باقی سب وشتم کی کئی قسمیں ہیں، اگر کوئی ایسا عیب ذمی نبی کی طرف منسوب کرے جسکا انتساب اسکا دینی عقیدہ ہو، تو ذمہ ٹوٹ جائیگا۔ ففی الرسائل اما اذا ذکرہ بما لا یعتقدہ ولا یدین بہ کما لو نسبہ الی الزناء او طعن فی نسبہ ینتقض ثم قال وما بحثہ الامام العینی والمحقق ابن الہمام من حیث الانتقاض ایضاً فلیس بخارج عن المذہب بالکلیۃ۔ بہرحال ابن عابدین کا اس میں مستقل رسالہ ہے، جس کا نام ہے تنبیہ الولاۃ والحکام علی احکام شاتم خیرالانام جو رسائل ابن عابدین کا پندرھواں رسالہ ہے۔

نوٹ: بہرحال قتل میں امام ابوحنیفہ اور ائمہ متفق ہیں۔ باقی ابوحنیفہ کے نزدیک نقض ذمہ نہیں کہ وہ حربی بن جائے، اس کا مال فی للمسلمین بن جائے، اولاد رق اور غلام بن جائے وغیرہ وغیرہ۔ مصروفیت اور علالت کی وجہ سے مختصر لکھ دیا گیا ہے۔ امید ہے مزاج گرامی بہ خیر ہوگا۔ دعا کرتا ہوں اور طلبگار دعا ہوں۔

احقر شمس الحق افغانی عفا اللہ عنہ ترنگ زئی پشاور

رمضان ۸۳ ھ / فروری ۶۳ ء

فائدہ از راقم: دسمبر ۱۹۲۶ء میں شدھی تحریک کے بانی شردھانند نے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کی توہین کرتے ہوئے ایک بدنام کتاب "رنگیلا رسول" لکھی تھی جو دہلی اور لاہور وغیرہ میں فروخت ہونے لگی۔ مسلمانانِ برصغیر کے شدید احتجاج کے نتیجہ میں قاضی عبدالرشید نے شردھانند کو دہلی میں قتل کر ڈالا، جبکہ غازی علم الدین شہید نے بے پال کو لاہور میں قتل کر ڈالا۔ دنیا بھر کے مسلمانوں نے ان کو شہید دربارِ رسالت قرار

دیا اور یہ اعزاز آج تک باقی ہے اور بفضلہ تعالیٰ قیامت تک باقی رہیگا، مگر مودودی صاحب نے ایک کتاب "الجہاد" لکھ ڈالی جسکی وجہ تالیف اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۱ پر تحریر کی کہ

"لیکن دسمبر ۱۹۲۶ء کی آخری تاریخوں میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے مجھے مشکلات سے قطع نظر کرکے اقدام عمل پر مجبور کیا، یہ واقعہ شدھی تحریک کے بانی سوامی شردھانند کے قتل کا واقعہ تھا، جس سے جہلا اور کم نظر لوگوں کو اسلامی جہاد کے متعلق غلط خیالات کی اشاعت کا ایک نیا موقع مل گیا، کیونکہ بدقسمتی سے ایک مسلمان اس قتل کے ارتکاب کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا، اور اخبارات میں اسکی جانب یہ خیالات منسوب کئے گئے تھے کہ اس نے اپنے مذہب کا دشمن سمجھ کر سوامی کو قتل کیا اور یہ کہ اس نیک کام کرنے سے وہ جنت کا امیدوار ہے۔ حقیقت کا علم تو خدا کو ہے، مگر منظر عام جو کچھ آیا، وہ یہی واقعات تھے ان کی وجہ سے عام طور پر اسلام کے دشمنوں میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا"

وہ ہیجان کیا تھا؟ مودودی صاحب نے اس کی تصریح نہیں کی، وہ ہیجان یہی تھا کہ گناہگار سے گناہگار مسلمان بھی اپنے آقا اور مولیٰ سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کو برداشت نہیں کرسکتا اور ایسے بیباک گستاخ کو جہنم رسید کرنا اپنی سعادت سمجھتا ہے، اس لئے اسلام دشمن لوگوں نے ایسے عقائد کو اپنے لئے خطرناک سمجھ کر اس عقیدہ کی مخالفت میں تحریری اور تقریری تائید حاصل کرنیکی کوشش کی۔

چونکہ مودودی صاحب کی یہ تحریر دینی لحاظ سے درست نہ تھی، اس لئے اسوقت بھی علماء کرام نے اسکی تردید میں کئی مضامین تحریر فرمائے۔ شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا موت ہے، اس پر علماء کرام نے مفصل کتابیں لکھی ہیں، خصوصاً حافظ ابن تیمیہ کی مرتبہ کتاب الصارم المسلول علی شاتم الرسول اور علامہ سبکی مرتبہ کتاب السیف المسلول جامع اور مدلل کتب ہیں، چند ماہ قبل احقر نے اسی مقدس موضوع پر ایک کتاب یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) باوقار کے نام سے لکھی ہے، جو بحمدہ تعالیٰ قبول ہو چکی ہے۔

(۴) احقر نے اپنا ایک علمی اشکال یوں پیش خدمت کیا:

مکرمی و محترمی مکرم العلماء الراسخین دامت برکاتکم السامیۃ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، عرض آنکہ، احقر آج کل علامہ اسفرائنی کی کتاب

التبصیر" کا مطالعہ کررہا ہے۔ مندرجہ ذیل عبارت پوری طرح سمجھ نہیں آتی۔ اس لئے درخواست ہے کہ از راہِ کرم، اسکی صحیح تشریح سے مطلع فرما کر ممنون فرمادیں، وہ عبارت درج ذیل ہے:

کرامیہ کا عقیدہ ہے کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر رسول ولیس بمرسل والذی علیھا اھل السنۃ انہ فی القبر رسول ومرسل علی معنیٰ ان اللہ تعالیٰ ارسلہٗ وانہ ادی رسالۃ التبصیر ص ۱۰۲

اس کا جواب مندرجہ ذیل ارسال فرمایا:

محترم المقام۔ آج آپ کا خط پہونچا اور آج ہی جواب لکھ رہا ہوں۔ مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حیات دنیا میں حضور علیہ السلام اہل السنۃ و کرامیہ دونوں کے نزدیک رسول ہیں اور قبر میں بھی دونوں کے نزدیک رسول ہیں، البتہ اہل السنۃ کے نزدیک مرسل بھی ہیں اور کرامیہ کے نزدیک قبر میں مرسل نہیں جس سے معلوم ہوا کہ رسول اور مرسل شرعی معنی میں عندنا متساوین ہیں۔ انسان اور ناطق کی طرح دونوں میں انفکاک جائز نہیں، لیکن کرامیہ کے نزدیک نسبت عموم و خصوص مطلق ہے، ہر مرسل رسول ہے اور ہر رسول مرسل نہیں، چنانچہ تمام انبیاء (علیہم السلام) کرامیہ کے نزدیک قبر میں رسول ہیں، لیکن مرسل نہیں، کیونکہ اہل السنت کے نزدیک رسالت کا جو مفہوم شرعی ہے یعنی صاحب وحی ہونا، معصوم ہونا، صاحب شریعت ہونا، مبعوث للتبلیغ ہونا، یہی مفہوم رسول اور مرسل ہونے کے لئے کافی ہے اور یہ مفہوم قبر اور دنیا دونوں میں حضور کو حاصل ہے، کرامیہ کے نزدیک ان امور کے علاوہ مرسل ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ رسالت کے ساتھ اسکو تبلیغ احکام کا تعلق بھی ہو یعنی ان کے نزدیک رسول ہونا، صفات ذاتیہ میں سے ہے اور مرسل ہونا صفات فعلیہ میں سے ہے بخلاف اہل السنۃ کے کہ ان کے نزدیک دونوں وصف یعنی رسول اور مرسل اوصاف ذاتیہ میں ہیں شرح مواقف کے آخر میں ہے۔ فرقہ مشبہہ کے تحت کرامیہ کا یہ عقیدہ لکھا ہے

" النبوۃ والرسالۃ صفتان قائمتان بذات الرسول الی ان وحین اذا ارسل مرسل وکل مرسل رسول ولا عکس و یجوز عزلہ عن کونہ مرسلا ص ۶۱۷۔ مطبوعہ نولکشور۔

تمہید ابی شکور سالمی قول حادی عشر ص ۸۰ میں کرامیہ کی تردید میں ہے۔

ولو لم یکن نبیا ولا رسولا الا فی حالۃ التبلیغ والبیان یودی الی

ان یکون هذا الشخص فی یوم واحد

یوم واحد یعزل عن النبوۃ عشر مراتٍ الی ان نقل قوله تعالیٰ کل آمن باللہ وملائکتہ وکتبه ورسله لا نفرق بین احد من رسله فاللہ سماهم رسلا بعد الموت ولا یقع الفرق بین الحیی والمیت فی الرساله انتهیٰ۔

اسفرائنی کا قول علیٰ معنیٰ ان اللہ تعالیٰ ارسله وأدّی رسالتہ کا مفہوم یہ ہے کہ ماضی میں یعنی حیات دنیوی میں ارسال و ابلاغ جو ہوا، وہی قبر میں حضور کے رسل ومرسل ہونے کے لئے کافی ہے، اگرچہ قبر میں ارسال وابلاغ کا بالفعل سلسلہ موجود نہ ہو۔ امید ہے کہ یہی اختصار آپ جیسے فاضل کے لئے کافی ہے۔" دعاگو ودعاجو، احقر العباد
شمس الحق عفا اللہ عنہ، ترنگ زئی، ضلع پشاور

از راقم غفرلہ: " کرامیہ قدیم اور کرامیہ جدید کی علامت یہ ہے کہ :-
وہ سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوامی رسالت میں اسطرح بحث کرتے ہیں کہ اس سے آپ کی دوامی رسالت اور نبوت منقطع ہوسکتی ہے، جیسا کہ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اطہر روضہ منورہ میں موجود ہی نہیں یا اسطرح بے جان ہے کہ روح کا کوئی تعلق نہیں، نہ آپ حاضر خدمت ہونے والے کا سلام سماع فرماتے ہیں اور نہ جواب ارشاد فرماتے ہیں، حالانکہ سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی غائباً ابلغتہ۔ چودہ سو سال سے یہی عقیدہ متواتر اور متوارث آرہا ہے اور اکثر علماء صلحاء، محدثین، مفسرین، او لیاء اسپر عمل پیرا ہوکر شرف حاصل کر چکے ہیں اور قیامت تک حاصل کرتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس عظیم فتنہ اور دیگر فتن سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ آمین۔

(۵) ایک شرذمۃ قلیلہ حیات القبر، ثواب القبر وعذاب القبر کا انکار کرنے کیلئے کہا ہے اور لکھا ہے کہ اور کہہ رہے ہیں کہ قبر سے مراد یہ زمین والی قبر نہیں بلکہ برزخ والی قبر ہے جو ہم کو نظر نہیں آتی۔ اسیطرح قبر کے عذاب کی احادیث اور ثواب کی احادیث کا استہزاء کرتے ہیں اور جمہور علماء کرام کو زنبور کہنے سے بھی نہیں رکتے۔ احقر نے حضرت کی خدمت میں مزید اطمینان قلب کے لئے رجوع کیا تو حضرت نور اللہ مرقدہ نے مندرجہ ذیل جواب ارشاد فرمایا۔

(۱) ویؤیدہ ان فی حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ عند البزاز یسمعہ کل دابۃ الا الثقلین کذا فی الفتح ج ۳، ص ۱۵۶

(۲) قولہ المراد من القبر عالم البرزخ قال الراغب القبر مقبر المیت ومصدر قبرتہ جعلتہ فی القبر وا قبرتہ جعلت لہ مکانا یقبر فیہ ص ۳۹۸ وفی الروح تحت قولہ تعالیٰ ثم اماتہ فاقبرہ ای جعلہ ذا قبر تواری فیہ جیفتہ تکرمۃ لہ ولم یجعلہ مطروحاً علی الارض والمراد من جعلہ ذا قبر امرہ عزوجل بدفنہ یقال قبرالمیت اذا دفنہ بیدہٖ واطلاق البرزخ لانیا فیہ لان معناہ الزمان الذی ما بین الموت الی القیامہ کما قالہ الراغب قولہ علیہ السلام رایت موسیٰ (یصلی فی قبرہ) کتاب الانبیاء بہذہ عذاب القبر بخاری۔ قال العینی قال الطیبی لعل ارواحہم مثلت لہ صلی اللہ علیہ وسلم بہذہ الصُّوَرَ ولعل صُوَرَھم کانت کذلک اوصورا بدانہم کوشفت لہ فی النوم او الیقظۃ جزء ۱ ص ۲۹۲

محترم المقام زیدت معالیکم۔ بعد از سلام مسنون ودعاء سعادت دارین آنکہ، صرف ڈاک کے ارسال کی ضرورت نہیں تھی صرف واپس کر دینے کی اطلاع کافی تھی مسئلہ امر کے متعلق مختصر خامیاں تحریر کیگئی ہیں۔ شمس الحق افغانی عفا اللہ عنہ، ترنگ زی ضلع پشاور ف، اس فتنہ کے علمی اور دینی دفاع کے لئے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ مفید ہے۔

(۱) ارشاد العلماء از حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب شیخ الحدیث دامت برکاتہم،

(۲) عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ جمع کردہ علماء حق کثر اللہ امثالھم۔

(۳) رحمت کائنات مؤلفہ احقر زاہد الحسینی مطبوعہ بار ہفتم

(۶) احقر نے قرآن وحدیث وکتب فقہ وتفسیر کی لغات پر ایک مستقل کتاب دینی لغات کے عنوان سے لکھی جس کا مقدمہ پہلے طبع ہوا اور وہ حضرت نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں ارسال کیا گیا ہے جس میں چند اشکالات بھی تھے، ان کا جواب مرحمت فرمایا۔ پورا مکتوب گرامی درج ذیل ہے:

'محترم المقام جناب قاضی صاحب مولانا زاہد الحسینی صاحب زادت فیوضاتکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

احسن اللغات اور اس کا مقدمہ دیکھا گیا۔

(۱) میرے خیال میں ردیف کا لفظ کاٹ کر، بجاء ردیف الف کے حرف الھمزہ لکھنا چاہیئے، اگرچہ مفردات راغب میں الف کی اصطلاح موجود ہے لیکن عام قاعدہ کے مطابق شروع کا حرف ہمزہ کہلاتا ہے اور ردیف کا تعلق چونکہ آخر سے ہوتا ہے، اس لئے شروع کے لئے اس

کا استعمال غیر موزون ہے۔

(۲) مقدمہ احسن اللغات، مطبوعہ کے ص ۹ پر امام راغب پر تنقید درست نہیں، کیونکہ صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث بروایۃ ابی موسیٰ الاشعری اذا قرء یعنی الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا آمین کے پیش نظر اگرچہ آمین کا لفظ قرآن میں نہیں لیکن مقارنۃ وجودی اور ختام الفاتحہ ہونے کی وجہ سے مفسرین تبعاً لالفاظ الفاتحہ، اس کی تفسیر یعنی تشریح کرتے ہیں، اسی بناء پر لفظ آمین کی تشریح سے قبل روح المعانی ج ۱، ص ۹۷ میں حدیث بالا وغیرہ احادیث کو ذکر کیا گیا ہے اور امام راغب نے اسی سلسلہ میں مفردات میں اس کو درج کر کے استجب کے ساتھ اسم فعل سمجھ کر اس کا معنیٰ کیا۔ باقی ولا آمین البیت الحرام جو اَمَّ یاُمُّ بمعنی قَصَدَ مستعمل ہے، اس کا ذکر بھی خود امام راغب نے مفردات میں اَمّ بمعنی مانَ جو بازاء الادب ہے، اس کے تحت ص ۲۲ ذکر کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں وَالاَمّ القصد المستقیم الخ وہو التوجہ نحو مقصود وعلیٰ ذلک امین البیت الحرام۔ باقی تعارف (دینی لغات کا) حسب ذیل ہے:

قرآنی علوم اسی سے زائد ہیں، ان میں سے ایک اہم علم، علم غریب القرآن ہے۔ ائمہ لغت اور عربیت نے اس میں کافی کتابیں لکھی ہیں، جن میں سے جامعیت اور شہرت کے اعتبار سے مفردات عزیزی اور مفردات راغب بے نظیر ہیں۔ قرآن حکیم کے بعض الفاظ ایسے ہیں کہ صورت خطی اور تلفظ کی یگانگت یا معمولی تغیر کے باوجود ان کے معانی بلکہ صیغے تک، بہ تقاضائے مقام بدل جاتے ہیں، جس سے ناظرین معارف القرآن مغالطہ اور تحریف معنوی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ضرورت تھی کہ ایسے الفاظ کی تشریح کی جاتی، لیکن جہاں تک میرا خیال ہے، اس موضوع پر آج تک کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی گئی، اللہ تعالیٰ جزاء خیر دے۔ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی کو، کہ انہوں نے احسن اللغات اور اس کا مقدمہ لکھ کر اس ضرورت کو پورا کر دیا ہے، جس میں تسہیل فہم کے پیش نظر حروف ہجائیہ کی ترتیب پر مذکورہ الفاظ کا حل اور حوالہ کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ بہر حال، کتاب مفید ہے، اور تشنگان حل الفاظ قرآنی کے لئے کام کی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ احقر العباد شمس الحق افغانی عفا اللہ عنہ، ۷ ذی الحجہ ۹۰ھ

(۷) احقر نے چند کلمات قرآنیہ کے بارہ میں راہ نمائی حاصل کرنے کے لئے عریضہ ارسال خدمت کیا تھا، جس کا جواب ارشاد فرمایا:

پہلا اشکال یہ تھا کہ طاغیہ کا معنی امام راغب نے طغیان کیا ہے جس سے
مراد، پانی کا سیلاب ہوتا ہے اور دوسرا آمن لہ لفظ کے بارہ میں تھا کہ ہر نبی علیہ السلام
معصوم عن الخطاء ہوتا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کے بارہ میں اس کلمۂ ایمان سے مراد لغوی
معنیٰ ہی لیا جاسکتا ہے۔ تیسرا ۃ کے متعلق تھا۔ جواب درج ذیل ہے :

محترم المقام زیدت فیوضاتکم ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔
تینوں سوالات کا جواب، بالترتیب مختصراً حسب ذیل ہے۔

(۱) طغیان کا اصلی معنیٰ تجاوز عن الحد ہے، بنابراں طاغیہ سے الواقعۃ المجاوزۃ للحد
مراد ہے، جو لغۃً صیحۃ ثمود اور طوفانِ نوح دونوں کو شامل ہے۔ اما الاول فلخروجہا فی الشدۃ
عن الحد کما فی المدارک ولان تلک الصیحۃ خرجت عن حد کل صیحۃ کما فی الروح فی تفسیر سورۃ الحاقۃ
۔ اسی طرح طوفان نوح کا اصل معنیٰ لغۃً عام ہے، شامل ہے۔ ہر حادثہ محیطہ بالانسان کو خواہ
اغراق بالماء ہو، خواہ اہلاک بالصیحۃ ہو۔ امام راغب مفردات میں لفظ طوف کی تشریح میں
لکھتے ہیں۔ والطوفان کل حادثۃ تحیط بالانسان وعلی ذلک قولہ فارسلنا علیہم الطوفان (ص ۳۱۵)
اب سبب ہلاک ثمود بطور سبب اولی یا سبب بعید کے صوتِ جبرئیل ہے اور یہی مراد ہے صیحہ
سے کما فی سورہ ہود، واخذ الذین ظلموا الصیحۃ اور نیز یہی مراد ہے، صاعقہ سے کما فی سورہ حٰمٓ
السجدہ پھر یہی آواز، سبب زلزلہ بن گئی، تو سبب قریب اہلاک ثمود کا زلزلہ مسببہ عن الصیحۃ
ہے، یہی زلزلہ مراد ہے، سورۃ اعراف میں اس آیت سے فاخذتہم الرجفۃ کذا فی روح المعانی
فسیر سورۃ حاقہ اور یہی مفہوم ہے امام راغب کے کلام تحت رجف ص ۱۸۸ وتحت لفظ صاح ص ۲۹۱
اب سوال اول کا جواب یہ ہے کہ امام راغب فرماتے ہیں : وقولہ فاہلکوا بالطاغیۃ
فاشارۃ الی الطوفان المعبر عنہ، بقولہ تعالیٰ انا لما طغی الماء یعنی اما ثمود فاہلکوا بالطاغیہ میں
لفظ طاغیہ سے بطور عبارۃ النص اگرچہ صیحۃ اور رجفہ مراد ہے، کیونکہ سوق کلام اس کے لئے ہوا
ہے، لیکن بطور اشارۃ النص کے یہ حکم بھی نکلتا ہے کہ طوفانِ نوح بھی لغۃ کے اعتبار سے طاغیہ
کا ایک فرد ہے، اگرچہ مراد ومسوق لہ نہیں لتحقق معنی الطغیان فیہ ولذا اورد لفظ المعبر عنہ بقولہ
انا لما طغی الماء۔ منار اور نور الانوار میں اشارہ النص کے متعلق لکھا ہے۔ ما ثبت بنظمہ
لغۃً لکنہ غیر مقصود ص ۷ لم ۱ و ۱۷، اسی طرح تلویح مصری ج ۱، ص ۱۳۰ میں بھی ہے پس مراد
کلام راغب یہ ہے کہ طاغیہ لغۃ طغیان کو بھی شامل ہے، بطور اشارۃ النص کے، لیکن

مقصود متشکلم نہیں، اب اس میں کوئی اشکال نہیں۔

(۲) فامن لہ لوط میں معنی لغوی مراد ہے، نہ اصطلاحی۔ روح المعانی میں ہے ای صدقہ علیہ السلام فی جمیع مقالاتہ او بنبوتہ حین ادعاھا لا انہ صدقہ الی مادعا الیہ من التوحید لم یکن کذلک قبل فانہ علیہ السلام متنزھًا عن الکفر۔ جز ۲۰ ص ۱۳۱۔ یعنی حضرت لوط علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سچا مانا جو کچھ وہ فرماتے تھے، باقی توحید و دیگر ایمانیات پر اعتقاد، وہ حضرت لوط علیہ السلام کو پہلے سے حاصل تھا۔

(۳) ابن خالویہ کا کلام درست ہے، اسی پر ائمہ تجوید کے نصوص دال ہیں، سات کلمات کے آخیر میں ہائے سکتہ جو اظہار و حفاظت ما قبل کے لئے ہوتی ہے اور حالت وصل اور وقف میں ہمیشہ ساکن رہتی ہے، وہ سات کلمات یہ ہیں۔ ایکؔ لم یتسنہ، دوسرےؔ فبہداھم اقتدہ تیسرےؔ کتابیہ، چوتھےؔ حسابیہ، پانچویںؔ مالیہ، چھٹےؔ سلطانیہ، ساتویںؔ وما ادراک ماھیہ۔ یعنی اول اور دوم کے بغیر، باقی سورہ الحاقہ میں ہیں، جن کو وصلاً و وقفاً ہمیشہ ساکن پڑھنا چاہیئے (ہدیۃ التوحید ص ۴۲) و دیگر کتب میں مذکور ہے۔ احقر شمس الحق عفا اللہ عنہٗ

(۸) مورخہ ۴ شوال ۱۳۸۲ھ۔ محترم المقام زیدت معالیکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ آپ کا خط بحالت اعتکاف پہونچا، بعد از فراغ عید کی مصروفیات سے یکسو ہو کر، باوجودیکہ کافی خطوط کا جواب دینا تھا، لیکن مختصراً آپ کا جواب سب سے پہلے لکھ رہا ہوں۔

(۱) حسن ظاہری کے ساتھ، حسن باطنی کا ارادہ، تاویل باطل نہیں، کیونکہ اس صورت معنیٔ ظاہری و سلفی برقرار ہے اور شیخ علی البیضاوی کے حوالہ کا مطلب یہی ہے، یعنی وہ تاویل جدید جائز ہے، جو معنی قدیم کے نافی نہ ہو اور اس کا مبطل نہ ہو، البتہ حسن معنوی مراد لینا اور حسن ظاہری کی نفی کرنا غلط ہے اور سلف کے خلاف ہے۔ احکام القرآن ج ۳، ص ۴۵۴ اور روح المعانی میں آیت کی مراد محل حسن ظاہری متعین کی گئی ہے اور اسی آیت سے تمام فقہاء النظر الی الاجنبیۃ التی یرید نکاحہا پر استدلال کیا گیا، باقی حسن ظاہری کی پسندیدگی (اعجاب) خلاف شان نبوت نہیں، کیونکہ بشریت کے خواص سے انبیاء علیہم السلام منفک نہیں، کالمیل الی الماء عند العطش والمیل الی الطعام عند الجوع ہے اور کف النفس مع وجود ہذہ المیلانات ہو عین الکمال۔ مزید براں، خداوند تعالیٰ نے ان ان اعجاب و استحسان کو بلفظ لو کا ذکر کیا ہے جو مفروضات میں استعمال ہوتا ہے، کما فی قولہ تعالےٰ لوکان فیہما

الیہ الا اللہ نفسہ دنیا، ولو کنت اعلم الغیب وغیرہ، نصوص جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ اعجاب حسن مباح ہے، لیکن حظ نفس سے خالی نہیں، اس لئے یہ مباح امر بھی پیغمبر کے حق میں مفروض ہے، محقق نہیں، اس لئے ولو اعجبک حسنہن فرمایا گیا۔

(۲) موطوءۃ الاب بملک الیمین کے ساتھ نکاح ناجائز ہے۔ مجمع الانہر ج ا ص ۳۲۴ میں ہے۔ ولو اشتری جاریۃ من میراث ابیہ لیسعہ ان یطاءھا حتی یعلم ان الاب وطاءھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نکاح بھی ناجائز ہے۔

(۳) ابن المنکوحہ اگر ناکح کا رضاعی بیٹا نہ ہو تو اس کی بیوی کے ساتھ نکاح جائز ہے، مجمع الانہر میں ہے، وامرأۃ ابنہ وان سفل دخل بہا ام لم یدخل لقولہ تعالٰی وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم وذکر الاصلاب لاخراج ابن المتبنیٰ فان حلیلتہ لا تحرم لا لاحلال حلیلۃ الابن من الرضاع فانہا حرام۔ صورت مسئولہ میں زوجہ الابن نہ لیس نہ ابن نسبی اور نہ رضاعی کی، لہذا نکاح درست ہے۔ (شمس الحق عفا اللہ عنہ)

حضرت الشیخ علامہ شمس المعارف والعلوم شمس الحق رحمۃ اللہ علیہ

کا علمی مقام

علامہ عبدالرحمن احمد پور شرقیہ

نوٹ: فاضل مضمون نگار، قیام بہاولپور اور اکبر دارالعلوم مردان میں آپکے معاون رہے ہیں

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ حضرت الشیخ مولانا شمس الحق رح اپنے زمانہ میں نہ صرف پاک و ہند بلکہ پورے ایشیا میں سب سے بڑی علمی شخصیت تھے۔ آپ کی جلالتِ علمی کی شہرت عرب و عجم میں پھیل چکی تھی۔ چنانچہ آپ کی شہرہ آفاق شخصیت کے باعث "ریاض" "سعودی عرب" کی یونیورسٹی "جامعۃ الامام لمحمد بن سعود" نے گرانقدر مشاہرہ پر حضرت افغانی رح کے خدمات حاصل کرنے کی درخواست اور دعوت پیش کی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے علالت طبع اور پیرانہ سالی کے باعث معذرت فرمادی۔ جامعۃ الامام ریاض کے ارباب یونیورسٹی نے اپنے دعوت نامہ اور درخواست میں لکھا کہ "ہم لوگ آپ کے قیمتی اور زرین علمی مشوروں کے حصول کے لئے ترس رہے ہیں"۔

حضرت افغانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک تلمیذ مولانا الحاج عارف اللہ صاحب نے اپنے ایک مقالہ میں بہاولپور کے ایک اخبار الہام اور جریدۃ الامام کے حوالہ سے ایک مقالہ لکھا تھا جسمیں مرقوم تھا کہ حضرت افغانی مدظلہم اپنے وقت کی ایک عظیم علمی شخصیت ہیں۔ آپ پاکستان نہیں، بلکہ ایشیا کی ایک منفرد اور واحد شخصیّت جو جامع علوم نقلیہ اور عقلیہ ہیں۔ آپ فی البدیہہ اور ارتجالاً عربی زبان میں علوم و معارف کے جواہرات اور موتی بکھیرتے اور حقائق علمیہ اور دینیہ کے دریا بہاتے ہیں۔

حضرت موصوف روایت و درایت کے امام ہیں۔ غضب کا حافظہ ہے،

گذشتہ سے گذشتہ برس عرب علماء کا ایک وفد جو شیخ ازہر مصر یونیورسٹی اور شیوخ مدینہ یونیورسٹی پر مشتمل تھا، بہاولپور اسلامیہ یونیورسٹی میں آیا۔ حضرت علامہ افغانی نے وفد کے سامنے عربی زبان میں ایک بصیرت افروز خطبہ "حجیت حدیث" پر ارشاد فرمایا جس پر شیخ ازہر کھڑے ہوگئے اور حضرت افغانی کے ہاتھوں پر بوسہ دیا اور فرمایا: واللّٰہ۔ الشیخ افغانی من اعاظم علماء آسیا بل اکبرھم اجلھم فی العلم "کہ بخدا شیخ افغانی ایشیا کی سب سے بڑی علمی شخصیت ہیں۔ انتہی کلامہ اور یہ حقیقت ہے مبالغہ نہیں، حضرت افغانی بہت بڑی علمی شخصیت اور نابغۂ روزگار تھے، جو علوم وفنون میں یکتا تھے۔

علامہ شمس الحق افغانی رح

"تصانیف کے آئینے میں"

حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ،
خلیفہ مجاز حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رح
امیر خدام اہل سنت پاکستان و
مہتمم مدرسہ اظہار الاسلام مدنی مسجد ۔ چکوال شہر

"دارالعلوم دیوبند" جانے سے پہلے فخر العلماء حضرت مولانا علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی سنا نہ تھا۔ دارالعلوم میں داخلہ کے بعد آپکی شخصیت کا علم ہوا۔ آپ ظاہری طور پر بھی بھاری بھر کم اور بہت وجیہہ تھے۔ اس زمانہ میں آپ کی داڑھی سیاہ تھی۔ طلبہ میں آپ کی وسعتِ علمی کا چرچا تھا۔ بندہ کو دو سال (۱۳۵۷ھ ۱۳۵۸ھ) دارالعلوم میں قیام کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا کہ دارالعلوم میں داخلہ کی توفیق نصیب ہوئی۔ داخلہ کا امتحان خود شیخ الادب حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب نے لیا تھا۔ پنجاب میں حماسہ پڑھا تھا، وہاں متنبی پڑھی۔ پہلے سال (۱۳۵۷ھ) شرح عقائد نسفی، مختصر المعانی، متنبی اور مشکوٰۃ شریف کے اسباق تھے۔ شرح عقائد، حضرت مولانا نافع گل صاحب کے پاس تھی۔ مختصر المعانی اور مشکوٰۃ شریف حضرت مولانا عبد السمیع صاحب رح سے پڑھیں اور متنبی شیخ الادب حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب قدس سرہ سے پڑھی۔ دوسرے سال (۱۳۵۸ھ) دورۂ حدیث کی تکمیل کی سعادت حاصل ہوئی۔ بخاری اور ترمذی شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب محدث

مدنی قدس سرہ سے پڑھیں۔ شمائل ترمذی شریف حضرت شیخ الادب نے پڑھائی۔ مسلم شریف حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رح کے پاس تھی۔ ابو داؤد شریف شروع میں حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحب رح نے پڑھائی اور اس کی تکمیل حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (سابق مفتی دارالعلوم دیوبند) نے فرمائی۔ طحاوی شریف حضرت مولانا افغانی رح کے پاس تھی۔ آپ جامع المعقولات والمنقولات تھے۔ درس میں آپ جس موضوع پر بحث فرماتے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا علم کا ایک بحرِ بیکراں ہمارے سامنے ہے، لیکن درمیان میں علامہ افغانی رح، خان آف قلات کی خواہش پر ریاست قلات تشریف لے گئے اور وہاں آپ نے بطور وزیر معارف اسلامی خدمات انجام دیں۔

دارالعلوم میں حضرت افغانی رح سے تعلق صرف درس سے استفادہ کی حد تک رہا۔ البتہ اتنا یاد ہے کہ چھٹیوں میں وطن واپس آتے ہوئے ایک مرتبہ آپ کی معیت میں دیوبند سے مندرہ (ضلع راولپنڈی) تک ریل میں سفر کیا تھا۔ دارالعلوم دیوبند میں علم وعمل، تقویٰ وللّٰہیت اور خلوص واستقامت کے جو مظاہر دیکھے، اس کا پہلے کوئی تصور ہی نہ تھا، خصوصاً حضرت مدنی قدس سرہٗ کے درس کی جامعیت، آپ کی علمی وروحانی شخصیت اور آپ کے ارشادات وواردات کی جو جاذبیت تھی، وہ کسی اور شخصیت میں نظر نہیں آئی۔

اخروی نجات مذہبِ اہل السنّت والجماعت سے وابستہ ہے

کتاب وسنّت کی روشنی میں مذہب اہل سنت والجماعت برحق ہے اور اسی مذہب حق سے اخروی نجات وابستہ ہے۔ اہل السنّت والجماعت ہی ناجی گروہ ہے۔ چنانچہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"سب سے پہلے آدمی کو فرقہ ناجیہ اہل السنّت والجماعت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی رائے کے مطابق جو کہ مسلمانوں کی سب سے بڑی جماعت ہے۔ عقیدے کا درست کرنا لازمی ہے تاکہ اخروی نجات وکامیابی متصور ہو سکے اور بداعتقادی جو اہل سنّت کے عقیدہ کے خلاف ہے، سمِ قاتل ہے، جو ابدی موت اور دائمی عذاب تک پہنچاتی ہے" (مکتوبات امام ربانی جلد دوم، متن فارسی ص ۱۲۵، مکتوب ۶۷، مترجم اردو، دفتر دوم حصہ ہفتم ص ۶۲)

یہ تھا کہ فلاں فلاں مقام پر تقریر کرکے گرفتاری دینی ہے۔ میرے ذمہ یہ تھا کہ فلاں جمعہ پر حضرت لاہوری رح کی جامع مسجد شیرانوالہ میں تقریر کرکے گرفتاری دینی ہوگی۔ یہ پروگرام چند مخصوص حضرات کی موجودگی میں رازداری سے بنایا گیا تھا۔ جس میں حضرت مولانا ہزاروی رح کے علاوہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رح بھی تھے اور احرار لیڈر شیخ حسام الدین صاحب مرحوم بھی۔ شیخ حسام الدین صاحب کو ہم نے مخلص پایا ہے۔ لیکن کسی وجہ سے پھر یہ پروگرام ملتوی کرنا پڑا۔ علامہ افغانی رح اس وقت وفاق المدارس کے بھی صدر تھے۔ وفاق اور نظام العلماء کے اجلاسوں میں علامہ افغانی رح کی زیارت ہوتی رہتی تھی اور حضرت افغانی بندہ پر بڑی شفقت فرمایا کرتے تھے اور مشوروں میں شریک کرتے تھے۔ بعد میں علامہ مرحوم جامعہ اسلامیہ بہاولپور یونیورسٹی میں شیخ التفسیر کے منصب پر فائز ہوئے۔ پھر حاضری کا موقع نہ مل سکا۔ بہاولپور کے قیام میں علماء نے آپ سے بہت زیادہ علمی استفادہ کیا ہے

فتنہ الحاد و کمیونزم اور علامہ افغانی رح

علامہ افغانی رح خلافِ اسلام خارجی اور داخلی فتنوں پر گہری نظر رکھتے تھے۔ دورِ حاضر میں کمیونزم (اشتراکیت) اسلام کے خلاف ایک کھلم کھلا فتنہ کفر ہے جسکی بنیاد ہی انکارِ دین، بلکہ انکارِ خالقِ کائنات پر ہے۔ امت مسلمہ کی معاشی مشکلات کا اصولی طور پر حل موجود ہے، اسلام تو وہ خالق کائنات کا دین اور راہ ہدایت ہے جو انسان کو صحیح معنی میں انسان اور بندہ پروردگار بناتا ہے۔ علامہ افغانی رح تقریر و تحریر میں جدید سائنس کی روشنی میں فلسفیانہ دلائل سے اسلام کی حقانیت ثابت فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ اسی موضوع پر آپ نے "کمیونزم اور اسلام" "ترقی اور اسلام" اور اسلام دینِ فطرت ہے" وغیرہ کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ مولانا افغانی رح نے اپنے رسالہ" اسلام دینِ فطرت ہے " میں قرآن مجید کے الفاظ اسلام دین اور فطرت کی اپنے انداز میں محققانہ تشریح فرمائی ہے۔ رسالہ کے آخر میں آیت " إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ " (یعنی تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ شخص زیادہ مکرم ہے، جو زیادہ متقی ہے) کی تشریح میں فرماتے ہیں۔ اس آیت میں بالترتیب تین چیزوں کو بیان کیا گیا ہے (۱) انسانی وحدت گویا افراد انسانی ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں اور ایک ہی کنبہ ہیں (۲) قومی، نسلی امتیازات تعارف کے لئے ہیں تحارب یعنی باہمی جنگ و جدال کے لئے نہیں۔ (۳) انسانی افراد میں کوئی چیز معیار

اسی سلسلہ میں حضرت مجدد حدیث " ما انا علیہ واصحابی " کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں : " صحابہؓ نے پوچھا، وہ نجات پانے والا فرقہ کونسے لوگ ہونگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ وہ لوگ ہیں، جن کا طریقہ وہی ہوگا، جو میرا اور میرے صحابہ کا طریقہ ہے، علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام۔ اور وہ نجات پانے والا ایک فرقہ اہل السنت والجماعت ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑے ہوئے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی پیروی کرتے ہیں اے اللہ ہمیں اہل السنت والجماعت کے عقیدے پر ثابت قدم رکھ اور انہیں کی جماعت میں ہماری موت ہو اور انہیں میں ہمیں اٹھا الخ (ایضاً مکتوب ۶۷، مترجم اردو ۱۶۷)

اور الحمد للہ اپنے دور میں اکابر علمائے دیوبند مذہب اہل السنت والجماعت کے ترجمان متبع اور محافظ تھے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

نظام العلماء کا قیام

جنرل محمد ایوب خان مرحوم کے مارشل لاء کی وجہ سے جب دوسری سیاسی پارٹیوں سمیت، جمعیۃ علمائے اسلام بھی کالعدم قرار دی گئی تو علمائے اسلام نے نظام العلماء کے نام سے ایک غیر سیاسی جماعت قائم کی۔ ان دنوں علامہ افغانیؒ ریاست قلات سے واپس تشریف لا چکے تھے۔ آپ نے نظام العلماء کے سٹیج سے بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ بڑے بڑے اجتماعات سے خطاب فرمایا۔ حالاتِ حاضرہ کے پیش نظر آپ کی تقریر عقلی اور نقلی دونوں اعتبار سے بڑی مدلل ہوتی تھی اور آپ کی تقریر سے جدید تعلیمیافتہ طبقہ بہت متاثر ہوتا تھا۔

ایک دفعہ مجاہدِ ملت حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی رحؒ نے فرمایا کہ مولانا افغانیؒ کی تقریر کے بعد ہماری تقریر کون سنتا ہے، ہم تو سیاسی چٹکلوں سے سامعین کو بٹھائے رکھتے ہیں۔ یہاں سے یہ ملحوظ رہے کہ ایوبی مارشل لاء کے ابتدائی دور میں امیر العلماء، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس سرہ اور حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی، ناظم اعلیٰ جمعیت علمائے اسلام پاکستان کو چھ ماہ کے لئے لاہور میں پابند کر دیا گیا تھا۔ صدر ایوب نے جب عائلی قوانین نافذ کئے تو ان حضرات نے شرعی دلائل سے اسکی سخت مخالفت کی، حتیٰ کہ کھلی گرفتاریوں کے لئے مستقل تحریک چلانے کا بھی پروگرام بنایا گیا تھا اور جماعتی ڈکٹیٹر بھی مقرر کر دیئے گئے تھے، جن کے ذمہ

شرافت نہیں بجز خدا ترسی اور نیک کرداری کے۔ اگر ان تینوں امور پر سختی کے ساتھ عمل کیا جائے تو دنیا سے آج ہی تمام فسادات اور بدامنیوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور انسان اپنے فطری امن کو پا سکتا ہے۔ بین الاقوامی اور بین الممالکی امن کے لئے یہی ایک علاج ہے کہ کل قومیتیں اور حکومتیں اپنے بادشاہ حقیقی اور حاکم اصلی کی ماتحتی تسلیم کر لیں اور اسی کے قانون کے مطابق عمل اور برتاؤ کریں اور قومی، وطنی، نسلی جانبداری کو توڑ دیں۔ (الخ صـ ۳۲)۔ (۲) آپ کی کتاب "کمیونزم اور اسلام" اپنے موضوع پر بڑی جامع ہے اور قدیم و جدید دونوں طبقوں کے لئے بہت مفید ہے۔ مولانا افغانی "کتاب کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

" اقوام عالم کے معاشی میدان میں اس وقت تین نظریات میں باہمی کشمکش ہے۔ وہ نظریات حسب ذیل ہیں:

(۱) سرمایہ دارانہ نظریہ (۲) اشتراکی نظریہ (۳) اسلام کا اعتدالی نظریہ

اول الذکر دونوں نظریات کی پشت پر عظیم عالمی طاقتیں، تصنیفات اور مخصوص نظام تعلیم موجود ہے اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان دونوں نظریات پر ان کے حامیوں کو پختہ یقین ہے اور وہ خود ان کی عملی زندگی میں یہ نظریات نافذ ہیں لیکن اسلامی معاشی نظریہ ان سب امور سے محروم ہے جس کے نتیجہ میں وہ دونوں نظریات بالخصوص اشتراکی نظریہ سرعت کے ساتھ مسلمانوں میں پھیلتا جا رہا ہے جس سے ان کے علمی وجود اور قومی تاریخ کے فنا ہونے کا خطرہ لاحق ہو رہا ہے اور ڈر ہے کہ کارل مارکس کا یہ یہودیانہ نظریہ ہمارے قیمتی ملی اثاثہ کو برباد نہ کر ڈالے۔ بنا براں میں نے ضعف بدنی اور انتہائی مصروفیات کے باوجود یہ کتاب لکھی تاکہ تعلیم یافتہ طبقہ اس کتاب کے آئینے میں تینوں نظریات کا موازنہ کر کے ایک صحیح رائے قائم کرے (جامعہ اسلامیہ بہاولپور، ۸ صفر ۱۳۸۸ھ)۔"

علامہ افغانی "سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت دونوں کا بانی یہود کو قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: عالم کا یہ مادی فتنہ جس نے دو بلاکوں میں دنیا کو تقسیم کیا اور دونوں میں مستمر سرد یا گرم جنگ قائم ہے۔ یہودی فتنہ ہے۔ اس ملعون قوم نے دونوں نظاموں کو تشکیل دیا۔ اب پوری دنیا یہودی چکی کے دو پاٹوں میں (سرمایہ داری اور کمیونزم)

پسی جا رہی ہے۔ یہ ملعون قوم صرف اس معاشی فتنہ کی علمبردار نہیں، بلکہ تمام دینی فتنوں کا اصلی سرچشمہ بھی یہود ہیں" ص۴۱۔

حضرت مدنیؒ اور علامہ اقبال کی بحث

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی، شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے ۸ جنوری ۱۹۳۸ء کی رات کو دہلی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ: موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں، نسل یا مذہب سے نہیں۔ دیکھو انگلستان کے بسنے والے سب ایک قوم شمار کئے جاتے ہیں حالانکہ ان میں یہودی بھی ہیں، نصرانی بھی ہیں۔ الخ۔

۹ جنوری کے روزناموں میں حضرت کی یہ تقریر، ردوبدل کے ساتھ شائع ہوئی شاعر ملت علامہ اقبال مرحوم کو بھی حضرتؒ کی تقریر کی غلط رپورٹ پہنچائی گئی کہ مولانا مدنیؒ نے کہا ہے کہ مذہب و ملت کا دارومدار وطنیت پر ہے جس کے ردعمل میں علامہ اقبال مرحوم نے حسب ذیل تین اشعار سپرد قلم کر دیے:

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دیں ورنہ	ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است	چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست	اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

علامہ اقبال مرحوم (متوفی ۱۹۳۸ء) نے اپنے اشعار کی بنیاد "ملت از وطن کو بنایا ہے" حالانکہ حضرت مدنی (متوفی ۱۹۵۷ء) نے ملت کا لفظ استعمال نہیں کیا، قوم کا لفظ استعمال کیا ہے اور دونوں میں فرق ہے، ملت میں مذہبی اور دینی وحدت ملحوظ ہوتی ہے لیکن قوم کا اطلاق عام ہے جس کی بنیاد قرابت داری بھی ہو سکتی ہے اور وطنیت وغیرہ بھی۔ بہرحال حضرت مدنیؒ کی تقریر اور علامہ اقبال مرحوم کے ان اشعار کی وجہ سے ملک میں شدید ردعمل ہوا۔ فریقین کی حمایت میں اخبارات میں مضامین شائع ہوئے، بالآخر حضرت مدنیؒ کے عقیدتمندوں میں سے علامہ طالوت نے ایک عریضہ کے ذریعے خود حضرت مدنیؒ سے آپ کی زیر بحث تقریر کی وضاحت چاہی تو حضرت نے اس کے جواب میں علامہ طالوت مرحوم کو لکھا کہ:

"میں نے بعض ضروری مضامین کے بعد ملک کی بیرونی ممالک اور غیر اقوام نیز اندرون ملک میں آزادی کا تمہیدی مضمون شروع کیا تو کہا، کہ "موجودہ زمانے

میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں، نسل یا مذہب سے نہیں۔ دیکھو انگلستان کے بسنے والے سب ایک قوم شمار کئے جاتے ہیں، حالانکہ ان میں یہودی بھی ہیں، نصرانی بھی ہیں، پروٹسٹنٹ بھی ہیں، کیتھولک بھی، یہی حال امریکہ جاپان اور فرانس وغیرہ کا ہے۔ الخ۔ حضرت نے اسی مکتوب میں لفظ قوم کے استعمال کے متعلق فرمایا ہے کہ: "قوم کا لفظ ایسی جماعت پر اطلاق کیا جاتا ہے جس میں کوئی وجہ جامعیت کی موجود ہو، خواہ وہ مذہبیت ہو یا نسل یا زبان یا پیشہ یا رنگ یا کوئی اور صفت مادی یا معنوی۔ کہا جاتا ہے عربی قوم، عجمی قوم، ایرانی قوم، مصری قوم، صوفیوں کی قوم وغیرہ" اور ملت وغیرہ کے متعلق حضرت نے لکھا ہے: قاموس میں ہے: وبالکسر شریعۃ او الدین۔ یعنی ملت شریعت اور دین کے لئے بولا جاتا ہے۔ علامہ طالوت نے حضرت مدنیؒ کی تقریر کی وضاحت علامہ اقبال کو اپنے عریضہ کے ذریعے پہنچائی، تو ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اپنے جوابی مکتوب (۱۸ فروری ۱۹۳۸ء) میں جناب طالوت کو یہ لکھا کہ: "جو اقتباسات آپ نے ان کے خط سے درج کئے ہیں، ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے فرمایا کہ: "آج کل قومیں اوطان سے بنتی ہیں" اگر ان کا مقصد ان الفاظ سے صرف ایک امر واقعہ کو بیان کرنا ہے تو اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا، کیونکہ فرنگی سیاست کا یہ نظریہ ایشیا میں بھی مقبول ہو رہا ہے۔ البتہ اگر ان کا مقصد یہ تھا کہ ہندی مسلمان بھی اس نظریئے کو قبول کر لیں تو پھر بحث کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کیونکہ کسی نظریئے کو اختیار کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ آیا وہ اسلام کے مطابق ہے یا منافی۔ اس خیال سے بحث تلخ اور طویل نہ ہونے پائے۔ اس بات کا صاف ہو جانا ضروری ہے کہ مولانا کا مقصد ان الفاظ سے کیا تھا۔ مولوی صاحب کو میری طرف سے یقین دلایئے کہ میں ان کے احترام میں کسی مسلمان سے پیچھے نہیں ہوں۔"

اس کے جواب میں حضرت مدنیؒ نے اپنی تقریر کی وضاحت کرتے ہوئے

علامہ طالوت کو اپنی تقریر کے متعلق یہ لکھا کر: " میں یہ عرض کر رہا تھا کہ موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں " یہ اس زمانے کی جاری ہونے والی نظریت اور ذہنیت کی خبر ہے۔ یہاں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ ہم کو ایسا کرنا چاہیئے۔ یہ خبر ہے انشاء نہیں ہے۔ کسی ناقل نے مشورے کو ذکر بھی نہیں کیا، پھر اس کو مشورہ قرار دینا کسقدر غلطی ہے"۔

حضرت کا یہ بیان اخبارات میں شائع ہوا۔ تو علامہ اقبال نے اس کے جواب میں روزنامہ احسان لاہور کے ایڈیٹر صاحب کو خط لکھا اور اس میں حضرت مدنی کے خط کا حوالہ دیتے ہوئے یہ لکھا کر: خط کے مندرجہ بالا اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں کہ انہوں نے مسلمانانِ ہند کو جدید نظریہ قومیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا، لہٰذا میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق اعتراض کرنے کا نہیں رہتا۔ میں مولانا کے بھی عقیدتمندوں کے جوش عقیدت کی قدر کرتا ہوں، جنہوں نے ایک دینی امر کی توضیح کے صلے میں پرائیوٹ خطوط اور پبلک تحریروں میں گالیاں دیں۔ خدا تعالیٰ ان کو مولانا کی صحبت سے اور زیادہ مستفید فرمائے، نیز ان کو یقین دلاتا ہوں کہ مولانا کی حمیتِ دینی کے احترام میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں۔"

علامہ اقبال مرحوم کا یہ مکتوب روزنامہ احسان لاہور مورخہ ۲۸ مارچ ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا اور یوں حقیقت حال ظاہر ہونے کے بعد علامہ اقبال مرحوم نے اپنا وہ اعتراض واپس لے لیا جو اپنے اشعار میں انہوں نے حضرت مدنیؒ پر کیا تھا۔ یہ علامہ اقبال مرحوم کی دیانت و خلوص کی دلیل ہے، لیکن افسوس ہے کہ بعض لوگ اب بھی شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ قدس سرہ پر یہ اشعار چسپاں کرتے رہتے ہیں۔ حضرت مدنی اور علامہ اقبال کے اس اختلاف کے بارے میں مفصل بحث جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے ماہنامہ الرشید کے مدنی و اقبال نمبر ۱۳۹۸ھ میں ملاحظہ فرمائیں۔ علاوہ ازیں حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانوی، مدیر بینات کراچی نے اقرار ڈائجسٹ فروری ۱۹۸۷ء میں بھی اس مسئلہ پر اچھی بحث کی ہے جو قابلِ استفادہ ہے۔

علامہ افغانیؒ کے اشعار جن دنوں شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اور شاعر ملت علامہ اقبالؒ مرحوم کے مابین مسئلہ قومیت پر بحث جاری تھی، علامہ افغانیؒ نے بھی علامہ اقبال کے جواب میں اشعار کہے تھے اور طحاوی شریف کے درس میں آپ نے وہ اشعار طلبہ کو سنائے تھے۔ بندہ نے بھی اس وقت نوٹ بک میں وہ اشعار لکھ لئے تھے، جو درج ذیل ہیں:

۵ نظام قوم بدو گونہ می شود پیدا — اگر ہنوز ندانی کمال بولہبیست
نظام ملت واحد باختلاف بلاد — قوام گیرز جذب محمد عربی است
نظام دوم کہ قائم میاں صد ملل است — نظام وحدت ملکیت این چہ بوالعجبی است

مطلب یہ ہے کہ قوم کا اطلاق ملی اور دینی وحدت کی بناء پر بھی ہوتا ہے، مثلاً مسلم قوم، ہندو قوم وغیرہ اور قوم کا اطلاق اختلاف مذاہب کے باوجود ملکی وحدت کی بناء پر بھی ہوتا ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ حضرت افغانی رحمۃ اللہ تعالی نے اور اشعار بھی سنائے تھے یا صرف یہی تین تھے۔ میری نوٹ بک پر یہی تین اشعار لکھے ہیں۔ چونکہ علامہ افغانی نے حضرت مدنی قدس سرہ کے دفاع میں یہ اشعار کہے تھے، اس لئے علامہ افغانی کے تذکرے میں مختصراً اس اختلافی بحث کا ذکر کرنا پڑا ہے اور اس لئے بھی تاکہ جو قارئین اس بحث کی حقیقت سے ناواقف ہیں، وہ حقیقت حال سے مطلع ہوجائیں اور حضرت مدنیؒ اور علامہ اقبال مرحوم میں سے کسی سے بدگمانی نہ رکھیں۔

قادیانی فتنہ ارتداد اور علامہ افغانیؒ اسلام اور نبوت کے عنوان پر قادیانی فتنہ ایک بہت بڑا کفر کا دجالی فتنہ ہے جو مرزا غلام احمد قادیانی کے جھوٹے ادعائے نبوت کی صورت میں اٹھا۔ قادیانیت دراصل انگریز کا خود کاشتہ پودا ہے، جس نے اس کے ذریعہ امت مسلمہ کو رحمت للعالمین خاتم النبیین، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مرکزیت ختم نبوت سے ایمانی رشتہ توڑنے اور قادیانی کذاب سے کافرانہ رشتہ جوڑنے کی جدوجہد کی اور مرزا قادیانی کے ذریعہ اسلامی جہاد کی اہمیت کو گھٹانے کی کوشش کی، چنانچہ مرزا قادیانی نے فرنگی استبداد کے تحفظ کیلئے ہی یہ شعر الاپا ہے:۔

تم چھوڑ دو اے دوستو جہاد کا خیال دین کے لئے حرام ہے اب قتل اور قتال

ساری ملت اسلامیہ نے مرزائیت (قادیانی ہوں یا لاہوری مرزائی) کا ابطال کیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی دجال اور اس کے پیرو کاروں (قادیانی مرزائی ہوں یا لاہوری) کو قطعی کافر قرار دیا۔ اکابر علماء نے دلائل سے اس کا کافر ہونا ثابت کیا۔ پاک و ہند کے علماء کرام کی جدوجہد اور ایثار و قربانی کا یہ نتیجہ نکلا کہ بھٹو دور حکومت میں قانوناً مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا اور یوں ہر پہلو سے مرزائیوں کے کفر پر مہر لگا دی گئی۔

علمائے حق کی طرح علامہ افغانی رحمہ اللہ نے اس فتنۂ ارتداد کا تحریر و تقریر کے ذریعہ رد کیا۔ سنا ہے کہ آپ نے لاہور میں ایک قادیانی مناظرے مجمع عام میں مناظرہ بھی کیا تھا، علامہ کے دلائل کے سامنے باطل کیونکر ٹھہر سکتا ہے۔ آپ نے اپنی کتاب "علوم القرآن" میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر قلم اٹھایا ہے اور مرزا قادیانی کی ہذلیات اور کفریات کا زور شور سے رد کیا ہے، چنانچہ (۱) بعنوان "حکمت نزول عیسیٰ بلحاظ ختم نبوت" آیت واذ اخذ اللہ میثاق النبیین کے تحت تحریر فرماتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس کی تفسیر کے مطابق یہ عہد انبیاء علیہم السلام سے خاتم الانبیاء علیہ السلام کے بارے میں لیا گیا، گو حضور کریم نبی الامم اور نبی الانبیاء بھی ہیں۔ آیت مذکورہ میں انبیاء علیہم السلام نے خاتم الانبیاء کی نبوت کو اعتقاداً اور اقراراً تسلیم کیا اور نصرت بالواسطہ بھی کی۔ انبیاء علیہم السلام نے حضور کی نبوت کی تصدیق کر دی اور اپنی امتوں کو آپ کے نبی ہونے اور امداد دینے کی تاکید فرمائی جیسے موسیٰ علیہ السلام نے تورات کی کتاب استثناء باب ۸، باب ۲۳، داؤد علیہ السلام نے زبور باب ۴۵، حضرت سلیمان علیہ السلام نے غزل الغزلات، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل یوحنا باب ۱۹، آیت ۵ تا ۱۵ میں اعلان کیا۔ اب ضرورت تھی کہ آپ کی نبی الانبیائی کا عملی بالمذات ظہور ہو جس کی ایک صورت حدیث معراج میں آپ کی امامت انبیاء علیہم السلام کی شکل میں ہوئی اور دوسری عملی صورت یہ ہوئی کہ آپ سے قریب نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آخری زمانہ تک زندہ رکھ کر نبی ہونے کے باوجود امتی کی پوزیشن میں خدمت دین محمدی کے لئے آسمان سے نازل فرمانا طے کیا گیا تاکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انبیاء علیہم السلام اجمعین کے نمائندہ کے طور پر شرع محمدی کی خدمت، نصرت عملی رنگ میں انجام دیں اور حضور کی نبی الانبیائی کے عہدہ کو نمایاں کر دیں، نبی

الانبیائی کے منصب کی عملی تکمیل آئندہ کسی نبی کے ذریعہ ممکن نہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ بند تھا، اس لئے سابق انبیاء علیہم میں سے ایک نبی کو آخری وقت کی نصرت دین محمدی و اظہار شان نبی الانبیائی کے لئے باقی رکھنا جو حضور کریم کے بعد عطائے عہدہ نبوت کی بندش کی دلیل ہے۔ یہی حکمت نزول عیسیٰ علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت کی حیثیت سے ہے (علوم القرآن صفحہ ۲۹۰) سبحان اللہ کس قدر جامعیت کے ساتھ حکمت نزول مسیح علیہ السلام کے تحت علامہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب ختم نبوت کا اثبات فرمایا ہے۔

عقیدۂ نزول مسیح | مرزا غلام احمد قادیانی دجال نے خود مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا، اور احادیث میں جو صفات و علامات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قرب قیامت میں آسمان سے نزول کا بیان فرمایا گیا ہے، باطل تاویلات کے سہارے ان کا مصداق اپنے آپ کو ٹھہرایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا عقیدہ اختراع کیا۔ علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ نے اپنی نمایاں علمی اور تحقیقی شان کے مطابق اپنی کتاب "علوم القرآن" میں اس مسئلہ پر بھی قلم اٹھایا ہے اور بڑی تفصیل سے قادیانی استدلالات کا رد فرمایا ہے۔ مرزا کی تصانیف آئینہ کمالات اسلام اور ازالہ اوہام وغیرہ کے حوالجات بھی پیش کئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو قادیانی تصانیف پر بھی عبور حاصل تھا۔ علامہ نے قرآنی آیات اور احادیث نبویہؐ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسم عنصری سمیت زندہ آسمان پر اٹھایا جانا اور قرب قیامت میں اسی جسم عنصری کے ساتھ آسمان سے نازل ہونا ثابت فرمایا ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

" آیات حیات مسیح علیہ السلام کثیر التعداد ہیں اور احادیث تو حد تواتر کو پہنچتی ہیں، لیکن ہم نے بغرض اختصار پانچ آیات اور صرف چار احادیث پر اکتفا کیا ہے، ان احادیث میں حضور علیہ السلام نے تحفظ ایمان اور گمراہی سے بچانے کے لئے حضرت مسیح کی جو علامات ذکر کی ہیں، وہی کافی شافی ہیں اور جو گمراہ کہ استعارات اور مجازات سے وہ پوری تاریخ اور ایک دنیا کو بدل سکتے ہیں، ان کے لئے قرآن و احادیث کا دفتر بھی بیکار ہے۔۔۔ الخ" (۳) نزول مسیح کی حکمتیں بیان کرتے ہوئے پانچویں حکمت کے تحت علامہ افغانی لکھتے ہیں۔" پانچویں حکمت یہ ہے کہ موجودہ دور کے عالمی فتنوں اور ایٹمی

تباہیوں کے بانی مبانی یہود و نصاریٰ ہیں۔ اشتراکیت کا بانی کارل مارکس یہودی ہے، ایٹم بم کا موجد شوپن ہار یہودی ہے، تہذیب جدید کے خدا فراموشانہ فاسقانہ معاشرہ اور انسان کش سامراجیت کی بنیاد مسیحی طاقتوں نے قائم کی ہے اور دیگر مذاہب والوں کو بگاڑنے والی بھی عیسائی قومیں ہیں۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ایک اسرائیلی پیغمبر جو مسیحی اقوام کا پیشوا ہے۔ انہی کے ہاتھوں ان کی امت کے پیدا کردہ فساد کا خاتمہ ہو۔ الغرض امت مسیح علیہ السلام نے مادی اور سائنسی ایٹمی ذرائع سے جو عالمی فساد برپا کیا ہے اور زمینی قوتیں اس کے مقابلہ سے عاجز ہیں اور اب بجز مذکورہ آسمانی تدبیر کے زمین کی اصلاح قطعاً ناممکن ہے، اس لئے عقلاً بھی نزول مسیح علیہ السلام کی ضرورت ہے جو خدا کی تدبیر نے ہزاروں سال پیشتر طے کردیا ہے نہ کہ دجالی قوتوں کا وہ کاسہ لیس شخص جو مسیحیت کی دکان جا کر دجالی قوتوں کا دست و بازو بن جائے اور اسلام کے چودہ سو سال میں کمائے ہوئے مسلمانوں کو کافر کہہ کر سابق محنت کو بھی ختم کردے (علوم القرآن ص ۲۸۳)

نزول مسیح علیہ السلام کے موضوع پر علامہ افغانی رحمہ اللہ نے مفصل بحث فرمائی ہے جو نہایت جامع ہے، یہاں بطور نمونہ آپ کی بعض عبارات پیش کردی ہیں ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا

فتنہ مودودیت اور علامہ افغانی رحمہ اللہ

اسلام کے داخلی فتنوں میں سے اسلام کے نام پر فتنہ مودودیت بھی ایک خطرناک فتنہ ہے کہ ہر تعلیم یافتہ آدمی اس کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی لئے کئی اہل علم اور اسلامی ذہن رکھنے والے شاعر و اہل قلم بھی اس فتنہ کی لپیٹ میں آگئے لیکن ارباب تحقیق و بصیرت پر حق تعالیٰ نے اس فتنہ کا انکشاف فرمادیا، جن کے مقتدا شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ ہیں، حضرت مدنی رحمہ اللہ کی اتباع و تائید میں شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری ثم المدنی قدس اللہ اسرارھم نے مودودی فتنہ سے امت مسلمہ کو بچانے کی پوری جدوجہد فرمائی۔ حضرت لاہوری رحمہ اللہ نے "علمائے حق کے مودودیت سے ناراضگی کے اسباب" اور حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے "فتنہ مودودیت" میں اس فتنہ کی نشاندہی فرمائی۔ مجاہد اعظم امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ نے خود مودودی صاحب کو ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں مباہلہ کا چیلنج بھی دیا

تھا۔ حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے "مودودی جماعت اسلامی کے جماعتی دستور پر شرعاً سخت گرفت فرمائی اور اپنی کتاب " مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت" میں عصمت انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی کے معیارِ حق ہونے پر کتاب و سنت کے دلائل قاطعہ سے مودودیت کا ابطال فرمایا اور حضرت نے اس میں یہاں تک لکھ دیا کہ:

" مودودی صاحب کا کتاب و سنت کا بار بار ذکر فرمانا محض ڈھونگ ہے وہ نہ کتاب کو کتاب مانتے ہیں اور نہ وہ سنت کو سنت مانتے ہیں بلکہ وہ خلاف سلف صالحین ایک نیا مذہب بنا رہے ہیں اور اس پر لوگوں کو چلا کر دوزخ میں دھکیلنا چاہتے ہیں "
(مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت صہ۷۳، مکتبہ حسینیہ پرنولی ضلع میانوالی)

(۲) حضرت مدنی رح نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: " حدیث میں جو امت کے تہتر فرقوں کی خبر آئی ہے اور صرف ایک فرقہ کو ناجی اور دوسرے تمام فرقوں کو غیر ناجی فرمایا گیا ہے۔ میں دلائل و براہین کی روشنی میں پورے شرح صدر سے کہتا ہوں کہ یہ جماعت اسلامی بھی ان ہی غیر ناجی فرقوں میں سے ہے " (الجمعیت دہلی شیخ الاسلام نمبر صہ۱۵۹ و شیخ الاسلام نمبر مطبوعہ گوجرانوالہ صہ۳۱۳)

شیخ الاسلام حضرت مدنی رح کے یہ ارشادات وقتی جذبات یا کسی جماعتی عصبیت پر مبنی نہیں ہیں، بلکہ ان کا منشاء وہ نورِ بصیرت ہے جو علیم و حکیم خدائے برتر نے آپ کو اس فتنہ کے بارے میں عطا فرمایا تھا۔

خمینی، مودودی بھائی بھائی

حضرت مدنی قدس سرہ کے مذکورہ ارشادات اس وقت کے ہیں کہ نہ مودودی صاحب نے خلافت و ملوکیت لکھی تھی اور نہ تفسیر تفہیم القرآن۔ اور نہ اس وقت مودودی جماعت کوئی زیادہ موثر تنظیم تھی، لیکن یہ سب کچھ ؎ قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید " کے تحت تھا۔

اس کے بعد وہ زمانہ آیا کہ پاکستان کے ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے ایران کے شیعہ نائب امام خمینی صاحب کے باہمی گہرے روابط کا انکشاف ہوا۔ انقلاب کے بعد خمینی صاحب نے پاکستان میں اپنے دو نمائندے مودودی صاحب کے پاس اپنی خاص چھٹی دیکر بھیجے تھے۔ لاہور ائیر پورٹ پر ان کا شاندار استقبال امامیہ سٹوڈنٹ فیڈریشن اور جماعت اسلامی کے رضا کاروں (اسلامی جمعیت الطلبہ) نے کیا اور جلوس کی شکل

میں وہ مودودی صاحب کے پاس اچھرہ لائے گئے۔ اس جلوس میں مودودی جماعت کے قاضی حسین احمد (امیر جماعتِ اسلامی) بھی تھے، جو اب متحدہ شریعت محاذ کے جنرل سیکرٹری ہیں) اس جلوس میں حسب ذیل نعرے لگائے گئے تھے "رہبر ما خمینی است" "راہبران ما مودودی خمینی" "انقلاب، انقلاب، اسلامی انقلاب" "مودودی خمینی، بھائی بھائی"، علاوہ ازیں اس جلوس میں، درود بر خمینی بت شکن، کا بھی نعرہ لگایا گیا (ملاحظہ ہو ہفت روزہ ایشیا، لاہور، ۲۱ جنوری ۱۹۷۹ء، ص ۸)۔ مودودی جماعت کے ہفت روزہ ایشیا کی رپورٹ کی تفصیل میرے پمفلٹ "شریعت بل کا جائزہ" میں بھی درج ہے۔

وفات مودودی و تعزیت نامہ خمینی مودودی صاحب کی وفات پر ایران کے انقلابی رہنما خمینی صاحب نے جو تعزیت نامہ ارسال کیا تھا، ہفت روزہ شیعہ لاہور، مورخہ ۸/۱، اکتوبر ۱۹۷۹ء میں حسبِ ذیل الفاظ کے ساتھ شائع ہوا ہے:

"سید مودودی صرف پاکستان ہی میں ہی نہیں، پورے عالم اسلام کے قائد تھے، ان کے اسلامی فکر نے پوری اسلامی دنیا میں اسلامی انقلاب کی تحریک برپا کر دی۔ ان کا انتقال دنیائے اسلام کا عظیم نقصان ہے، ان کے مشن کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے"

اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ خمینی جو خلفائے ثلثہ، حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم کو برحق خلیفہ نہیں مانتے، بلکہ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ان حضرات کو غاصب قرار دیتے ہیں۔ وہ حضرت صدیق اکبر رض اور حضرت فاروق اعظم رض کو تو قرآن کی نصوص کا مخالف کہتے ہیں (ملاحظہ ہو ان کی کتاب "کشف اسرار ص ۱۱۴-۱۲۰-۱۳۹) لیکن وہ مودودی صاحب کو عالم اسلام کا قائد تسلیم کرتے ہیں اور ان کے مشن کو آگے بڑھانے کی خواہش رکھتے ہیں۔ ایں چہ بوالعجبی ست؟

مودودی صاحب علامہ افغانیؒ کی نظر میں حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے اُمّت مسلمہ کے اس داخلی فتنہ مودودیت کو نظر انداز نہیں کیا اور اس کے متعلق حسب ذیل تبصرہ تحریر فرمایا:

مودودی صاحب کی تحریرات پر نظر ڈالی، موصوف کے متعلق احقر کا تاثر یہ ہے کہ آپ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لائے ہوئے اسلام سے مطمئن نہیں، اس لئے اس کو اپنے ڈھب پر لانا چاہتے ہیں جس کے لئے اصلی اسلام میں ترمیم ناگزیر ہے، لیکن اس کا چھپانا بھی ضروری ہے، اس لئے وہ اپنی اس ترمیم کے تخریبی عمل کو انشا پردازی، اقامت دین کے نعروں، یورپی طرز کے پروپگنڈہ کے پردوں میں چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس تخریبی عمل کے محرکات دو ہیں۔ نفسانی تعلّی اور فقدان خشیت اللہ۔ اور عوام میں بھی ان دونوں بیماریوں میں مبتلا افراد کی کمی نہیں۔ یہی باطنی ہم رنگی دائرہ تحریک کی توسیع کا اصلی سامان ہے"

علامہ افغانی کی یہ رائے میری کتاب " مودودی مذہب " میں بھی مندرج ہے، اور ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور مورخہ ۱۹ر جون ۱۹۶۴ء میں بھی منقول ہے، علامہ افغانی رح کے مندرجہ رائے کے یہ آخری الفاظ بھی لکھے ہیں:

" مولانا مظہر حسین صاحب اور دیگر علمائے حق نے پردوں میں اس چھپی ہوئی حقیقت کو عوام پر ظاہر کردیا اور سعید روحوں کے لئے راہ ہدایت کھول دی۔ فجزاھم اللہ خیرا لجزاد، وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین (شمس الحق افغانی عفی اللہ عنہ ۵ر محرم الحرام سنہ ۱۳۸۴ھ)۔ علامہ افغانی رح کی رائے کا یہ آخری حصہ میری کتاب مودودی مذہب میں منقول نہیں ہے۔ ترجمان اسلام میں پوری عبارت ہے۔

فتنہ انکار حیات النبی اور علامہ افغانی رح

غلو فی التوحید کے نتیجہ میں بعض علماء نے عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کردیا ہے اور زیادہ حیرت ناک اور افسوس ناک امر یہ ہے کہ پاکستان میں ایسے علماء قبل ازیں مسلک دیوبند کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک تو قبر اطہر میں محفوظ ہے لیکن وہ بے جان ہے، روح نبوی ﷺ کا اس جسم اطہر سے کوئی تعلق نہیں ہے، جسکی وجہ سے اس میں کوئی حیات حاصل ہو اسی بناء پر یہ لوگ دور سے بذریعہ ملائکہ روضہ مقدسہ میں درود شریف پہنچنے اور قبر

مبارک کے پاس پڑھے جانے والے درود شریف کے سماع (یعنی حضورؐ کے سننے) کے منکر ہیں، حالانکہ یہ دونوں عقیدے امت کے متفق علیہ عقائد میں سے ہیں اور اس سے پہلے اہل السنت والجماعۃ میں سے کسی معتمد عالم نے ان کا انکار نہیں کیا جس کسی بزرگ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بعد الوفات کو برزخی کہا ہے تو وہ عالم برزخ کی نسبت سے کہا ہے، لیکن رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر میں روح کے تعلق سے حیات کا کسی نے انکار نہیں کیا اور جن اکابر نے اس حیات کو برزخی دنیوی فرمایا ہے، تو ان کی مراد بھی یہ نہیں کہ من کل الوجوہ قبر مبارک میں وہ دنیوی حیات حاصل ہے، جو وفات سے قبل اس جہاں میں تھی، بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ روح انور کا تعلق اسی جسم اطہر سے ہے، جو وفات سے پہلے اس جہاں میں تھا، نہ یہ کہ صرف روح زندہ ہے یا روح کو جسم مثالی کے ساتھ حیات حاصل ہے، جیسا کہ منکرین حیات النبیؐ کہتے ہیں۔

حضرت قاری محمد طیبؒ کا فیصلہ دیوبندی حلقوں میں اس نزاع کو ختم کرنے کے لئے ہندوستان سے مخدوم العلماء حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور آپ نے مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حسب ذیل عبارت تجویز فرمائی:

"وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں" ۱۸ محرم ۱۳۸۲ھ / ۲۲ جون ۱۹۶۲ء

اس تحریر پر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے علاوہ حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری رحؒ نے دستخط کئے تھے اور فریق ثانی کی طرف سے حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحب سابق صدر جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ اور جناب مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم بانی دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی نے دستخط کئے۔ یہ اجتماع جناب مولانا قاری محمد امین صاحب کی جامع مسجد ورکشاپی محلہ راولپنڈی میں ہوا تھا اور اس کارروائی کے وقت بندہ اور حضرت مولانا عبداللطیف صاحب مہتمم جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم بھی موجود تھے، لیکن مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری

گجرات اس اجلاس میں شریک ہی نہیں ہوئے اور انہوں نے اس تحریری متفق علیہ عقیدے کو آج تک تسلیم نہیں کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہاں یہ ملحوظ رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر میں روح انور کے تعلق کی وجہ سے حیات حاصل ہونے اور روضہ مقدسہ پر حاضرین کے صلوٰۃ وسلام کے سماع پر اہل حق کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ روح کے تعلق کی کیفیت میں اہل السنت والجماعت کے دو قول ہیں (۱) روح انور جسم اطہر میں داخل ہے (۲) اعلیٰ علیین سے روح کا جسم اطہر کے ساتھ ایسا قوی تعلق ہے، جسکی وجہ سے حضورؐ کو حیات حاصل ہے اور آپ زائرین کا سلام وکلام سنتے ہیں، مگر اصل عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس اختلاف کی وجہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ روح کے جسم اطہر کیساتھ تعلق کی کیفیت کا مسئلہ حقائق سے متعلق ہے نہ کہ عقائد سے۔

عقیدہ حیات النبیؐ اور علامہ افغانیؒ | مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق جب اس اجماعی عقیدہ کا بعض علماء نے انکار کیا، تو اس عقیدہ کی اہمیت کے پیش نظر جمعیت علمائے اسلام پاکستان کی مجلس شوریٰ نے لاہور کے اجلاس منعقدہ ۲ر ربیع الاول ۱۳۸۲ھ، مطابق ۴ر اگست ۱۹۶۲ء میں یہ فیصلہ کیا، کہ اس موضوع پر حضرت مولانا محمد سرفراز صاحب صفدر، شیخ الحدیث مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ ایک جامع کتاب لکھیں اور اہم امور میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب محدث بنوریؒ اور حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پشاور) سے مشورہ کرتے رہیں۔ ماشاء اللہ حضرت مولانا محمد سرفراز صاحب نے اس موضوع پر ایک جامع کتاب "تسکین الصدور" تصنیف فرمائی اور پاک وہند کے اکابر علمائے دیوبند نے اس کی تائید میں پُرزور تقریظیں لکھیں، جن میں حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ بھی ہیں، چنانچہ آپ نے مصنف "تسکین الصدور" کو جو گرامی نامہ ارسال فرمایا، وہ حسب ذیل ہے۔

"محترم المقام جناب مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر دامت فیوضکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ - آپ کی کتاب تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور پہنچی۔ اس کے مندرجات مطالعہ سے گذرے۔ الم وراحت قبر، اور انبیاء علیہم السلام کی حیات فی القبور اور ان کے سماع عند القبور اور عام سماع موتیٰ

اور توسل بالمقبولین کے ابحاث کی تفسیری، کلامی اور فقہی و حدیثی دلائل اور نقد الرّواۃ کے مباحث بھی نظر سے گذرے۔ ان ابحاث پر آپ کی کتاب کا لب لباب اہل السنت والجماعت کے مسلک کے مطابق ہے اور منہج سلف صالحین کا آئینہ دار ہے۔ احقر ان سے متفق ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ جل مجدہ اس کتاب کو اہل زیغ کے لئے موجب ہدایت بنائے۔ مجھے اُمید ہے کہ اس کتاب کی برکت سے متنازعین کا اختلاف ختم ہو جائیگا، بشرطیکہ توفیق الٰہی اور خشیت اللہ دستگیری فرمائے اور اتباع نبوی کی آلائش سے قلب وضمیر کو پاکی نصیب ہو (احقر شمس الحق افغانی عفی اللہ عنہ، بہاول پور ۸ جمادی الآخری ۱۳۸۸ھ)

پنج پیری فرقہ اور علامہ افغانیؒ کا فیصلہ

بمقام پنج پیر تحصیل صوابی ضلع صوابی میں ایک عالم مولانا محمد طاہر صاحب ہوئے ہیں، جن کی چند ماہ پہلے وفات ہو چکی ہے۔ اس وقت وہ جمعیت اشاعت التوحید والسنّت پاکستان کے صدر بھی تھے۔ مولانا محمد طاہر صاحب توحید میں غلو رکھتے تھے اور چند عقائد ومسائل میں سرحد کے سُنی دیوبندی علماء کو ان سے شدید اختلاف تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت مولانا سید گل بادشاہ صاحب سابق امیر جمعیت علمائے اسلام صوبہ سرحد رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی بندہ سے پنج پیری مولوی صاحب کا ذکر کیا تھا (مولانا سید گل بادشاہ صاحب مرحوم اور بندہ دارالعلوم دیوبند کے دورۂ حدیث ۱۳۵۸ھ میں شریک رہے ہیں اور ہم ان کو جہلم اور چکوال کے جلسوں میں بلاتے رہتے تھے) آخر کار فریقین نے علامہ شمس الحق افغانیؒ کو ان مسائل میں ثالث تجویز کیا۔ آپ ان دنوں جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں شیخ التفسیر تھے۔ علامہ افغانیؒ نے فریقین کے علماء کو لکھا کہ وہ ان مسائل میں اپنے اپنے دلائل قلمبند کرکے یکم اکتوبر ۱۹۶۶ء سے پہلے پہلے ان کو بھیج دیں۔ چنانچہ فریقین نے دلائل بھیجدیئے اور آپ نے ان مسائل میں اپنا تحقیقی فیصلہ صادر فرما دیا، جو مجلس اہل السنت والجماعت مردان نے بنام معدن السعود (فتوٰی بہاولپور) شائع کیا ہے۔ اس میں علامہ افغانیؒ نے حسب ذیل اٹھارہ مسائل کے متعلق اپنا فیصلہ صادر فرمایا ہے جو فریقین کے مابین محل نزاع تھے: ۱۔ علم غیب انبیاء علیہم السلام ۲۔ یا رسول اللہ کہنا اور استغاثہ کرنا ۳۔ نذر اللہ لایصال ثواب ولی ۴۔ معجزات الانبیاء وکرامات الاولیاء۔ ۵۔ مردوں میں حیات ۶۔ توسل بالانبیاء والاولیاء ۷۔ تبرک بآثار الصالحین۔ ۸۔ زیارت

القبور کا جواز اور مسنون طریقہ ۹۔ حیلۂ اسقاط ۱۰۔ صدقہ فی بیت المیت
۱۱۔ عطیہ اور ختم قرآن ۱۲۔ ختم قرآن لایصال ثواب ۱۳۔ دعا بعد السنۃ
۱۴۔ حکم عرس ۱۵۔ دعا بعد صلوٰۃ الجنازہ بعد کسر الصفوف ۱۶۔ درود تاج پڑھنا
۱۷۔ توہین الانبیاء علیہم السلام کا حکم " ۱۸۔ شفاعت نبوی علیہ السلام

علامہ افغانی ؒ نے مذکورہ اختلافی مسائل کے جوابات کے اختتام پر تاریخ ۵ رجب ۱۳۸۶ھ لکھی ہے۔ یہاں یہ ملحوظ رہے کہ توحید و رسالت اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہیں اور کلمہ اسلام و ایمان میں انہی دونوں عقیدوں کا اقرار کیا جاتا ہے، یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ توحید و رسالت کی حدیں جدا جدا ہیں۔ اگر ان حدود سے تجاوز کیا جائے تو نہ توحید کا عقیدہ صحیح رہتا ہے اور نہ رسالت کا۔ مسئلہ علم الغیب کا ہو یا حاضر و ناظر کا۔ دور حاضر میں ان مسائل کے متعلق افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ بریلوی علماء عموماً عقیدۂ رسالت میں غلو کرتے ہیں، جس کی وجہ سے الوہیت کی حدود محفوظ نہیں رہتیں اور دور حاضر کے اہل توحید، عقیدہ توحید میں غلو رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے شان رسالت میں نقص کا پہلو آجاتا ہے۔ عقیدہ توحید کی ہر پہلو سے حفاظت لازم ہے۔ لیکن نور توحید حاصل کرنے کا واحد واسطہ کماحقہ عظمت رسالت ہے۔ رسالت کے واسطہ سے ہی اہل ایمان قرب خداوندی کی نعمت حاصل کر سکتے ہیں۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ وغیرہ قرآنی آیات میں اس حقیقت کا بیان ہے، لیکن محبت و عظمت رسالت میں اگر غلو آجائے تو پھر اصل مطلوب و مقصود ذات الوہیت کی طرف توجہ نہیں رہتی۔ الحمد للہ۔ حضرات اکابر علمائے دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب محدث مدنی قدس اللہ اسرارھم نے جو مسلک اختیار کیا وہی اہل سنت والجماعت کا صحیح مسلک ہے۔ علمائے بریلوی نے جو الزامات، اکابر علماء دیوبند پر لگائے تھے، ان کا جواب شیخ العلماء حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری نے المہند علی المفند میں دیا ہے، جسکی تائید عرب و عجم کے علمائے اہل حدیث نے کی ہے، دیوبندی مسلک کی یہ ایک مصدقہ علمی و اعتقادی دستاویز ہے جو افراط و تفریط سے پاک

اکابر جامع الظاہر والباطن تھے۔ حضرت تھانوی کی تربیت السالک وغیرہ اور حضرت مدنیؒ کے وہ مکتوبات جن کا تعلق تصوف، سلوک سے ہے، ان پر شاہد ہیں اور حضرت مدنی قدس سرہٗ کے وہ مکتوبات جو متوسلین کی اصلاح سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے مطالعہ سے یہ اثر نمایاں ہوتا ہے کہ حضرت عارف باللہ تھے اور آپ کو سیاسیات ملکی میں حصہ لینے اور وہ بھی ملک وملت کو انگریزی استبداد سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے فنا فی اللہ کا کوئی خاص مقام حاصل تھا۔

ذکراللہ غذائے روح اور اعلیٰ ہے۔ ولذکر اللّٰہ اکبر۔ لیکن اس پُرفتن دور میں عموماً تصوف وسلوک اختیار کرنے والوں میں ریا، غرور، حُبِّ مال وحُبِّ جاہ کا مرض نفوذ کرجاتا ہے، جسکی وجہ سے وہ خلوص ونورانیت کی نعمت حاصل نہیں ہوتی جو ذکر ومراقبہ سے مطلوب ہے۔ اصل مقصود، رضائے خداوندی کا حصول ہے اور امت میں یہ نعمت عظمیٰ بتوسط رسول پاک سردار کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرات صحابہ کرام کو درجہ بدرجہ نصیب ہوئی اور یہ اس جنتی جماعت کی خصوصیت ہے جسکا اعلان نے قرآن حکیم کی وحی میں فرما دیا۔ یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا۔ یریدون وجهه۔ رضی اللّٰہ عنھم ورضوا عنہ۔

اور ہمارے ممدوح حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ بھی نہ صرف علامہ تھے بلکہ ذاکر وشاغل بزرگ بھی تھے اور آپ کو اجازت بھی حضرت تھانوی کے سلسلہ میں مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب بانی جامعہ اشرفیہ لاہور سے حاصل تھی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

”ہماری جماعت کے نزدیک کسی پیغمبر یا ولی کے مزار پر جاکر یہ کہنا، کہ میرے لئے دعا کریں، یہ بدعت قبیحہ، مستحدثہ اور ذریعہ شرک ہے۔ نام کے متعلق حضرت الامیر مولانا محمد طاہر صاحب کی تجویز پر فیصلہ کیا گیا کہ ہماری جماعت کا نام صرف اشاعت التوحید والسنّت پاکستان ہوگا، جس کے دو شعبے ہوں گے، ایک شعبہ کا نام جمعیت اشاعت التوحید والسنّت ہوگا، دوسرے شعبے کا نام جماعت اشاعت التوحید والسنت ہوگا“

اس فیصلہ پر حسب ذیل ارکان کے دستخط ہیں:

عنایت اللہ، احقر محمد طاہر عفی اللہ عنہ، سجاد بخاری، عارف طاہری، احقر عبداللہ غفرلہٗ

بدیع الزمان، فضل حق، میر سمیع الحق، احسان الحق عفی اللہ عنہ، ضیاء الحق، محمد حسین غفرلہ عصمت اللہ"۔

اشاعت التوحید والسنۃ کے دو اجلاسوں کی کاروائی جو ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی میں شائع ہوئی ہے، اس کا عکس ہم نے خارجی فتنہ دوم ص۵۱۶، ۵۱۷ پر شائع کر دیا ہے۔

شرعی ضابطہ دیوانی از علامہ افغانی

علامہ شمس الحق افغانی کی ایک یادگار تصنیف "شرعی ضابطہ دیوانی" بھی ہے۔ اس کتاب کے ٹائٹل پر لکھا ہے کہ:

"اس کتاب میں فقہ حنفی کے ماتحت اسلامی ضابطہ دیوانی (دربارۂ نکاح، طلاق، شفعہ، دعویٰ شہادات وغیرہ) کے قواعد کلیہ وجزئیہ کی اردو زبان کے اندر دفعات کی شکل میں مرتب کیا گیا ہے۔ اگر حکومت پاکستان بطور پبلک لاء فقہ حنفی کو نافذ کر دے، تو یہ کتاب سرکاری طور پر قانونی کتابوں میں شامل ہو سکتی ہے، جس سے قاضی صاحبان صحیح رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں"۔ اس کتاب کے پیش لفظ میں خود علامہ افغانیؒ لکھتے ہیں:

"اس وقت انسان چونکہ تمام نظریات آزما چکا ہے اور آسمانی روشنی کے لئے بے چین ہے، اس لئے ضرورت ہوئی کہ فی الحال ایک مختصر ضابطہ دیوانی" مرتب کیا جائے جس پر عمل پیرا ہو کر انسان بالخصوص مسلمان اپنی کھوئی ہوئی میراث سے ہم آغوش ہو سکے۔ اسی خیال نے مجھے اس امر پر آمادہ کیا کہ میں شرعی ضابطہ دیوانی مرتب کردں تاکہ شرعی نظام کو منظم کیا جا سکے۔ عربی زبان میں شرعی ضابطہ دیوانی و شرعی ضابطہ فوجداری دونوں کی تصنیف سے میں فارغ ہو چکا تھا۔ جو "معین القضاۃ والمفتین" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ اب عوامی مفاد کا تقاضا باعث ہوا کہ میں خود پاکستان کی سرکاری زبان اردو میں یہ شرعی ضابطہ دیوانی مرتب کردں، جو آپ کے سامنے ہے چنانچہ کثرت مشاغل کے پیش نظر تنگ وقت میں اسلامی قانون دیوانی کا یہ ایک مختصر خاکہ ہے جسکو صرف اسی غرض سے پیش کیا جا رہا ہے کہ آئندہ کے لئے اس پر شرعی نظام کی تفصیلی عمارت کھڑی کی جا سکے۔ الخ۔ اس کتاب کے ۱۸ باب اور ان

کے اندر کئی فصل ہیں۔ اصولی طور پر یہ کتاب بڑی جامعیت رکھتی ہے۔ مولانا افغانیؒ نے اپنی جن دو عربی کتابوں کا ذکر فرمایا ہے، یعنی شرعی ضابطہ دیوانی اور شرعی ضابطہ فوجداری۔ یہ کتابیں ہمارے پاس نہیں ہیں۔ حق تعالیٰ علامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو اس علمی اور تصنیفی محنت پر اجر عظیم عطا فرمائیں۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

کتاب علوم القرآن | علامہ افغانیؒ کی تصانیف میں سے کتاب "علوم القرآن" ایک علمی و تحقیقی شاہکار ہے، علوم و معارف کا گنجینہ ہے اور مولانا رحمۃ اللہ تعالیٰ کی قرآنی علوم میں سے سالہا سال کی محنت کا ثمرہ ہے۔ فجزاہ اللہ خیرالجزاء۔

علامہ افغانیؒ دارالعلوم دیوبند میں بھی شیخ التفسیر رہے ہیں اور جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں بھی۔ "پیش لفظ" میں آپ خود لکھتے ہیں: احقر چالیس سال سے زیادہ عرصہ قرآن حکیم کی خدمت میں مصروف رہا ہے اور قرآنی علوم سے متعلق تفاسیر اور دیگر مصنفات جن سے قرآن فہمی میں مدد لی جا سکتی تھی، خواہ قدیم ہوں یا جدید ان کا بقدر استطاعت مطالعہ کیا گیا اور جو معارف قلب پر منجانب اللہ وارد ہوئے، ان سب کو وقتاً فوقتاً درس قرآن کی شکل میں پیش کرتا رہا۔ احقر کے ان دروس سے قدیم و جدید دونوں طبقوں کو بحمداللہ امید سے زیادہ نفع ہوا۔ احباب کا اصرار تھا کہ میں تفسیر لکھوں لیکن میں نے بجائے تفسیر لکھنے کے یہ مناسب سمجھا کہ قرآنی علوم کے مختلف شعبوں پر مختلف کتابیں لکھ دوں تاکہ مختصر وقت میں ناظرین ان کو پڑھ سکیں ۔۔۔ لیکن تالیف میں اس امر کا خیال رکھا گیا کہ (۱) مطالب قرآن کے تعیین میں جادۂ سلف سے انحراف نہ ہو اور جو کچھ معارف و حقائق بیان ہوں، وہ اپنے اندر مسلک سلف کی تائیدی شان رکھتے ہوں نہ تحریفی (۲) دوسری بات یہ ہے کہ دور حاضر چونکہ عقلیت و تفلسف کا دور ہے، لہٰذا مقاصد شرعیہ نقلیہ کو عقل اور فلسفہ کے رنگ میں بیان کیا جائے تاکہ مغرب زدہ طبقہ کے لئے سامان ہدایت ہو۔ (۳) تیسری بات یہ ہے کہ تعبیرات مقاصد میں اصطلاحی تعبیرات سے کم کام لیا جائے اور زیادہ تر وہی تعبیر اختیار کی جائے جو مذاق جدید کے مطابق ہو الخ۔

علامہ افغانی نے اس کتاب کو حسب ذیل سات ابواب میں تقسیم کیا ہے
(۱) ضرورۃ القرآن (۲) صداقۃ القرآن (۳) تنزیل القرآن و تدوینہ (۴) محفوظیۃ

القرآن (۵) مہمات القرآن (۶) احکام القرآن (۷) تعبیرات القرآن

زیر تبصرہ کتاب "علوم القرآن" میں صرف پہلے پانچ ابواب کی بحث ہے جسکی تشریح خود مولانا افغانی نے پیش لفظ میں کردی ہے، ہمارے پاس یہی حصہ ہے۔ معلوم نہیں کہ باقی دو ابواب کی تکمیل کی ہے اور وہ حصہ بھی طبع ہو چکا ہے یا نہیں۔ واللہ اعلم

مسئلہ تحریف القرآن اور شیعہ

باب محفوظیت القرآن میں علامہ افغانی نے "شیعہ اور تحریف قرآن" کے عنوان کے تحت بھی بحث کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"مستشرقین جب ہر طرح قرآن کی تحریف ثابت کرنے سے عاجز آگئے تو بڑے زور شور سے یہ لکھ دیا کہ مسلمانوں کا بڑا فرقہ تحریف قرآن کا قائل ہے اور وہ شیعہ ہے اور اس انداز سے لکھا کہ گویا تحریف قرآن شیعوں کا مسلمہ عقیدہ ہے، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ شیعوں کا مذہب وہی ہے جو سُنیوں کا ہے کہ قرآن مکمل طور پر محفوظ ہے اور اس میں ایک حرف کی کمی بیشی نہیں ہوئی جس کے لئے شیعوں کی متعدد کتابوں کے حوالجات پیش کرتا ہوں۔ (۱) شیخ صدوق ابوجعفر محمد بن علی بابویہ رسالہ اعتقادیہ میں لکھتے ہیں الخ (۲) تفسیر مجمع البیان ابوالقاسم علی بن الحسین موسوی میں ہے الخ (۳) سید مرتضیٰ شیعی لکھتے ہیں الخ (۴) قاضی نور اللہ الشوستری الشیعی مصائب النواصب میں لکھتے ہیں الخ (۵) محمد بن الحسن الحر العاملی ... اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں الخ (۶) فروع کافی کتاب الروضہ ص۸۵ میں حضرت علیؓ سے روایت ہے الخ (۷) شیخ صدوق رسالہ عقائد میں لکھتے ہیں الخ۔

ان مستند حوالجات شیعہ کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ شیعہ میں چند ناقابل اعتبار افراد کے سوا کوئی بھی تحریف یا قرآن میں کمی بیشی کا قائل نہیں الخ" ص۱۳۲ تا ۱۳۶

مولانا افغانی کا تسامح اور اس کی اصلاح

علامہ افغانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو تحریف قرآن کے متعلق شیعہ عقیدہ سمجھنے میں تسامح ہوا ہے، جب مجھے کتاب "علوم القرآن" کے اس مضمون کا علم ہوا اور اس موضوع پر امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی کی تحقیقی کتاب "تنبیہ الحائرین" بھی بھیجی۔ علامہ افغانی کی ان دنوں صحت بہت کمزور تھی۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس مسئلہ پر غور کرونگا۔ علامہ مرحوم اس کے بعد اور زیادہ بیمار ہو گئے۔ بیماری بڑھتی گئی۔ انہی ایام میں حضرت مولانا

مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور نے بھی آپ کو اس تسامح کی طرف توجہ دلائی جس کے بعد علامہ نے اپنے آخری ایام میں حسب ذیل جواب لکھوایا تھا جس پر آپ کے دستخط موجود ہیں اور اس تحریر کا عکس جناب مولانا احمد عبدالرحمن صاحب خطیب نوشہرہ زید مجدھم نے مجھے بھیجا تھا۔ جو میرے پاس محفوظ ہے۔

مکتوب علامہ افغانی بنام مفتی جمیل احمد تھانوی

محترم المقام مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی صاحب زیدت معالیکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ بعد از سلام مسنون۔ آپ حضرات کا خط ملا، حالات سے آگاہی ہوئی۔ میں نے اپنی تصنیف "علوم القرآن" میں ص۱۳۲ پر "شیعہ اور تحریف قرآن" کے سلسلے میں شیعوں کے اقوال نقل کر کے جو یہ لکھا ہے کہ شیعوں کا مذہب وہی ہے جو سنیوں کا ہے۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ اگر مذکورہ شیعہ اپنے اقوال کے مطابق عدم تحریف کے قائل ہیں، تو اس سے مسئلہ واحدہ میں یہی اقوال سنی مذہب کے مطابق ہیں۔ یعنی اگر کوئی عدم تحریف کا قائل ہے تو یہ عقیدہ ہمارے سنی مذہب کے عین مطابق ہے۔ ص۱۳۶ پر لفظ ناقابل اعتبار سے ان تحریف قرآن کے قائلین کی طرف اشارہ ہے، یعنی جو لوگ ناقابل اعتبار ہیں اور عدم تحریف قرآن کے قائل نہ ہوں، بلکہ تحریف قرآن کے قائل ہوں، وہ محرفِ قرآن کہلائیں اور تکفیر کے مرتکب ہونگے، خواہ شیعہ ہوں یا کوئی اور، کیونکہ محرف قرآن ہونے کی صورت میں آیت قرآنی انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون کا انکار لازم آتا ہے، جو قطعی کفر ہے آپ اس تشریح کو تفہیم کتاب کے لئے حاشیہ میں شامل کر سکتے ہیں۔ فقط۔

تحریر کنندہ محمد داؤد جان افغانی ابن شیخ الاسلام حضرت العلامہ مولانا افغانی مدظلہ
مقام ترنگ زئی۔ چارسدہ پشاور
یکم ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ
مطابق ۲۷ر جنوری ۱۹۸۲ء

تصدیقی دستخط
شمس الحق افغانی

کر سکتا ہے اور اہل علم اس پر غور کر سکتے ہیں، اتنی بات کو غلو کہنا یہ جذبہ" اعتدال پسندی" بڑوں کی شان کے لائق ہے۔

لیکن بحمداللہ یہ ایسی مثال ہے جس سے کسی عقیدہ یا عمل میں غلو، کی نشاندہی نہیں ہوتی، بلکہ ضمیر کے راجح مرجوح ہونے کا اختلاف ہے۔ مگر" اقامۃ البرہان" کی جس عبارت کو" فروگذاشتوں" کی مثال کے طور پر پیش کیا گیا ہے، اس کا تعلق اعتقادی مسئلہ عذاب قبر سے ہے، اس پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے،

تشکر و اعتذار: کارکنان ماہنامہ النصیحۃ اور حضرت صاحبزادہ صاحب دام عنایتہم کا دل سے شکر گذار ہوں کہ ان حضرات نے اس دورافتادہ ناچیز کو یاد فرمایا اور" بزم شمس الحق" میں شرکت کا موقع فراہم کیا۔ النصیحۃ کا یہ خصوصی نمبر انشاء اللہ تعالیٰ حضرت علامہؒ کی شخصیت اور ان کے علوم کے متعارف کرانے میں بہت مفید ثابت ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کے نفع کو عام و تام کر دے اور تمام اراکین و منتظمین النصیحۃ کو جزائے خیر عطا فرمائیں، آمین۔

یہ احقر معذرت خواہ ہے کہ حضرت علامہ کی عظمت شان کے مناسب نہیں لکھ سکا۔ وقت بھی بہت تنگ تھا، جلدی جلدی میں جو کچھ ہو سکا بضاعت مزجات کے طور پر پیش کر دیا اور حضرت صاحبزادہ صاحب کے حکم کی تعمیل اور حضرات کارکنان النصیحۃ کی دلداری اور تطییب قلب زیادہ تر مقصود تھا۔

سوئے دریا تحفہ آوردم صدف　　گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

امید ہے کہ کوئی کلمہ خلاف مزاج نکل گیا ہو تو معذور سمجھ کر معاف فرما دیا جائے گا۔

لان العذر عند کرام الناس مقبول　اور کرمہائے شما مارا کرد گستاخ

فقط　دعاء کا طالب

سید عبدالشکور　عفی عنہ

مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا

حضرت افغانیؒ کے درس کا
ایک خاص انداز

تحریر: حضرت مولانا عبدالقدوس ہاشمیؒ سابق جسٹس وفاقی شرعی عدالت پاکستان و صدر شعبہ اسلامیات ۔ پشاور یونیورسٹی

استاذ مغفور و مرحوم حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کا موقع پہلی بار مجھے دارالعلوم دیوبند میں نصیب ہوا۔ ۱۳۵۴ھ میں دورہ حدیث سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ۱۳۵۴-۵۵ھ کا سال فنون کی باقی کتابوں کو مکمل کرنے کے لیے میں نے دارالعلوم میں گزارا۔ اسی سال حضرت مولانا افغانی بحیثیت مدرس درجہ عالیہ، دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ صدرا کا درس ان سے متعلق تھا اور میں اس سبق میں ایک ادنیٰ طالب علم تھا۔ مرحوم مولانا عبدالرحمن صاحب مینٹی بھی میرے ہم سبق تھے۔ حضرت استاذ مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے حافظہ اور قوت بیانی دونوں بے مثال عطا کی تھیں اور ان دونوں اوصاف کی بناء پر مجھے وہ ہمیشہ حضرت امام رازیؒ کا نمونہ لگتے تھے۔ بات کو پھیلانا اور چھوٹے چھوٹے جزئیات کا استقصا کرنا ان کا مشغلہ تھا جس میں ان کی روانی بے تکلف ہوا کرتی تھی۔ مجھے اب بھی پچاس سال سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود ان کی وہ تقریر یاد ہے جو انہوں نے مثناۃ بالتکریر کو سمجھانے کے لیے تمہید کے طور پر تینتیس مقدمے قائم کر کے مکمل فرمائی تھی۔ بہرحال چونکہ میرے اور اسباق بہت تھے، اس لیے میں ان کی خدمت میں سبق سے فارغ اوقات میں

حاضر باشی نہ کر سکا۔

اسی سال حضرت مرحوم مغرب کی نماز کے بعد قرآن کریم کے آخری پارہ کا درس عمومی انداز میں دیا کرتے تھے۔ میرے چھوٹے بھائی ڈاکٹر عبدالسبوح قاسمی اس درس میں شریک ہوا کرتے تھے، جو بہت مفید اور مفصل ہوا کرتا تھا۔

اس کے کئی سال بعد حضرت مرحوم سے میرا رابطہ اس وقت قائم ہوا جب وہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں بحیثیت شیخ التفسیر اپنے فرائض میں مشغول تھے۔ راقم الحروف جامعہ کے ان طالب علموں کا زبانی امتحان لینے کے لئے بہاولپور حاضر ہوا کرتا تھا جو حضرت کی زیرِ نگرانی تفسیر کی کسی موضوع پر مقالہ قلم بند کرتے تھے۔ اسی رابطے کی وجہ سے حضرت نے کئی دفعہ ہماری درخواست پر اسلامیہ کالج تشریف لاکر متعدد موضوعات پر تقریریں فرمائیں اور سامعین ان تقریروں سے ہمیشہ محظوظ ہوئے۔

حضرت سے استفادہ کا بڑا موقع ہمارے حلقے کو اس وقت نصیب ہوا جب ۱۹۶۵ء میں یونیورسٹی کے وائس چانسلر چودہری محمد علی مرحوم نے اس علاقے کے کالجوں کے اساتذہ کو مزید معلومات فراہم کرنے کی خاطر اسلامیات کے موضوع سے متعلق ایک سیمینار باڑہ گلی میں منعقد کیا۔ یہ سیمینار تین ہفتوں کے لئے تھا۔ انتظام تو یہ ہوا تھا کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ دو ہفتوں میں بارہ خطبے، روزانہ ایک خطبہ کے حساب سے اساتذہ کو بطور درس القا فرمائیں گے، لیکن جب وہ دو ہفتے پو ہونے لگے تو اساتذہ نے اصرار کیا کہ حضرت مولانا ایک ہفتہ اور بھی اقامت فرمائیں۔ چنانچہ اساتذہ کی درخواست اور ہماری درخواست پر حضرت مولانا ؒ ایک ہفتہ مزید ٹھہرے اور چونکہ پروگرام کے لحاظ سے اس ہفتہ میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری ؒ کے حدیث سے متعلق خطبات کا بھی انتظام ہوا تھا۔ اس لئے یہ ہفتہ ہمارے حق میں قران السعدین ثابت ہوا۔ اساتذہ نے وہ خطبات قلم بند کئے اور خوب مستفید ہوئے۔ بعد میں ان کا کچھ حصہ حضرت کی کتاب علوم القرآن میں شامل ہوا، جو اس وقت بھی ایم اے اسلامیات میں داخل نصاب ہے۔

جنگ کا زمانہ تھا۔ ایک تقریر ایسی تھی، جس میں اتفاقاً کالجوں کے ز

درس اساتذہ کے علاوہ، وائس چانسلر جسٹس یعقوب علی (اس وقت کے چیف جسٹس) اور دوسرے معزز حضرات بھی شامل تھے۔ حضرت مولانا فرما رہے تھے کہ قرآن کریم نے نماز، زکوٰۃ وغیرہ عبادات سے بھی زیادہ زور جہاد کی تیاری پر دیا ہے، چنانچہ نماز اور "زکوٰۃ" وغیرہ عبادات تو ایک حصہ کے طور پر فرض ہیں اور بقیہ استطاعت کے مطابق نفل ہیں۔ اس لئے اگر کوئی شخص دن میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھ سکتا ہو، تب بھی اس پر فرض سترہ رکعتیں یا، بشمولیت وتر بیس رکعتیں ہیں، باقی اس کی اپنی مرضی اور اختیار پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ وغیرہ مالی عبادات میں بھی ایک معین حصہ فرض ہے، باقی بندے کی مرضی ہے، لیکن جہاد کے بارے میں یہ حکم ہے کہ

" اعدوا لھم ما استطعتم " "کہ کافروں کے مقابلے کے لئے وہ سب کچھ تیار کرو جسکی تمہیں استطاعت ہو۔" تو اگر کوئی شخص ایک سو بندوق تیار کر سکتا ہو اور وہ ننانوے تیار کرے، تب بھی وہ گنا ہگار ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق تیاری نہیں کی۔

ذیل کے سطور میں حضرت مولانا کے درس کا ایک نمونہ درج ہے۔ فرمایا:

ارکان خمسہ کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کے ساتھ دو چیزوں کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیئے حاکمیت مانی جائے اور دوسری یہ کہ اس کی محبوبیت ہو۔ جب تک اللہ کی ذات کے ساتھ یہ دونوں کمالات وابستہ نہ ہوں، دین کا نظام نہیں چل سکتا۔ دنیوی نظام بھی خوف و رجا کے بغیر نہیں چل سکتا۔ رعایا اور ملازمین قانون حکومت کو یا خوف کے مارے تسلیم کرتے ہیں یا طمع میں خدمت کرتے ہیں مگر خدائی کیلئے خوف محض اور امید محض کافی نہیں۔ جب تک محبوبیت نہ ہو، خدائی ناتمام ہے۔ شیر مخوف ہے، محبوب نہیں، اسیطرح تنہا محبوبیت بھی کافی نہیں، مرغوبیت بھی ضروری ہے، پھر حاکمیت اور محبوبیت کے ساتھ عدالت بھی ضروری ہے، انصاف نہ ہو تو جرائم بڑھ جاتے ہیں اور خوف مفقود ہو جاتا ہے، اور اس کے ساتھ محبوبیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔

اسلامی نظام میں اعتقاد محبوبیت کی تکمیل صوم و حج سے ہوتی ہے اور اعتقاد حاکمیت کی تکمیل کے لئے صلوٰۃ و زکوٰۃ ہیں۔ شان عدالت کا

اہتمام جہاد کے ذریعے سے ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کی تکمیل کے لئے
ترک ماسوا المحبوب ضروری ہے، جسکا سامان روزے میں ہے اور طلب المحبوب
بھی ضروری ہے، جسکا سامان حج میں ہوا ہے۔ محبوباتِ انسانی میں اعظم
ترین محبوبات یہی تین ہیں۔ اکل شرب و جماع۔ ان تروک کے ذریعے محبوبیت
پیدا کی جاتی ہے۔ پھر اس کی تکمیل اعتکاف و تراویح سے کرائی جاتی ہے،
اسیطرح محبوباتِ انسانی میں نوم و استراحت بھی ہے، روزہ میں تراویح اور
سحور کے ذریعے ان کی بھی قربانی کرائی جاتی ہے"

الغرض حضرت استاذ مرحوم نور اللہ مرقدہ کو اللہ تعالیٰ نے جو فلسفیانہ دماغ اور قوت بیانی عطا فرمائی تھی، انہوں نے ان دونوں نعمتوں کو دین کی خدمت کے لئے خوب استعمال کیا اور مخلوق خدا کو وہ فیض پہنچا دیا جو بطور صدقہ جاریہ دوام پائیگا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد اور ان کے شاگردوں میں بھی برکت ڈالے اور حضرت کو اپنے ہر نیک عمل کی جزا اپنی رحمت کاملہ سے پوری پوری عنایت فرمائے۔ آمین

فطرت کے مقاصد کا نگہبان

مولانا خان محمد صاحب۔ کنڈیاں

حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحؒ جن کی سیرت مبارکہ تاریخ علماء برصغیر پاک و ہند کا ایک مستقل اور سنہرا باب ہے، ملک کے مردم خیز خطہ صوبہ سرحد میں کتم عدم سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے اور علوم و معارف متداولہ میں سند تکمیل و دعوت و ارشاد حاصل کرنے کے بعد کرۂ زمین پر وقت کی سب سے پُرعظمت و مستند دینی درسگاہ دار العلوم دیوبند میں تدریسی خدمت پر مامور ہوئے، مسند تدریس پر جلوہ افروز ہونے کے بعد علوم و معارف کے وہ دریا بہائے کہ اجلہ علماء اور منتہی طلباء آپ کے درس سے دنگ رہ گئے۔ جب کسی مسئلہ پر بیان شروع ہوا، تو اس کے مالہٗ و ماعلیہ کو ایسا واضح کیا، کہ کوئی گوشہ لاینحل نہ چھوڑا۔ علوم متداولہ، قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ، اصول، علم الکلام والبیان والبدیع، منطق، فلسفہ، ریاضی، طبیعیات، فلکیات، الٰہیات اور علم الادب کی ایسی توضیح و تشریح و تصریح کرتے، کہ اصحاب فن بھی انگشت بدنداں رہ جاتے۔ ثقہ روایت سے یہ معلوم ہوا کہ علم الادب میں تو بعض عربوں کو یہ کہتے سنا گیا کہ آج حریری زندہ ہوتے، تو آپ کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتے۔ جب کسی دلیل کو حوالہ جات سے مدلل کرتے، تو ایسی ایسی نایاب و نادر کتب کا حوالہ دیتے اور اپنے تبحر علمی، وسعت نظر، معلومات عجیبہ، استحضار اور تیقظ کا ایسا محیر العقول مظاہرہ کرتے کہ بڑے بڑے علماء ورطۂ حیرت میں پڑ جاتے اور علوم و معارف کے اس بحر ناپیدا کنار کے سامنے سراپا عجز و استعجاب بن کر رہ جاتے۔ کسی نے کیا سچ کہا ہے ؎

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مرد کہستانی

حضرت مولانا ؒ نے اطراف و اکناف برصغیر میں بارہا، بڑے بڑے اجتماعات میں خطاب فرمایا۔ ایک مرتبہ بمقام راولپنڈی دارالعلوم حنفیہ عثمانیہ محلہ درکشاپی میں مولانا قاری محمد امین صاحب کی زیر صدارت جلسہ میں حیٰوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ثبوت میں ایسی مدلل تقریر فرمائی کہ موافق و مخالف عش عش کر اٹھے۔

دیوبند میں بحیثیت مدرس، دوران قیام ریاست قلات بلوچستان، کی طرف سے یہ درخواست بطور پیش کش آئی کہ ایسے جامع العلوم عالم حق کو بحیثیت وزیر معارف ریاست قلات بھیجا جائے، جو تمام علوم متداولہ پر عبور رکھتا ہو، اور علوم شرعیہ پر ایسی کامل دسترس رکھتا ہو، کہ تمام فیصلہ طلب شرعی مقدمات ریاست کا عادلانہ فیصلہ ہو سکے۔ دارالعلوم کی مجلس شوریٰ نے آپ کا نام منظور کرتے ہوئے کُلّی آپ کی خدمات ریاست قلات کے سپرد کیں۔ چنانچہ آپ نے اپنے قیام قلات کے دوران تیس تیس سال پرانے مشکل ترین مقدمات کا باحسن طریق منصفانہ فیصلہ مطابق شریعت حقہ اس طور پر کیا، کہ تمام علماء، وکلاء، راعی اور رعایا نے دادِ تحسین دی۔ آپ علوم دین حق ظاہری و باطنی سے سرفراز اور عمر" برکف جام شریعت ، برکف سندان عشق " کے صحیح مصداق تھے۔ علم باطن کے عظیم میدان میں قدم رکھا، تو حضرت شیخ وقت کے عالم بے بدل حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رح نور اللہ مرقدہ وقدس سرہ کے پاکیزہ دامن سے ایسے چمٹے کہ پاکبازانِ امت اور شہبازانِ ملت کی صف اول میں جگہ پائی، اور سابقٌ بالخیرات باذن اللہ کے مقدس زمرے میں شامل ہوئے۔ ذلك فضل اللہ یوتیه من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم وصلی اللہ علی خیر خلقه سیدنا محمد واله واصحابه اجمعین۔

اپنی عمر کے آخری دور میں آپ کی خدمات سے جامعہ اسلامیہ بہاولپور منور ہوا اور آپ اگرچہ وہاں شیخ التفسیر تھے۔ لیکن دراصل سب کچھ تھے۔ مبتدعین کے رد کے لئے آپ سیفِ قاطع ثابت ہوئے، علماء حق کے وقار کو بلند کیا۔

مرحوم نواب امیر محمد خان آف کالا باغ، بحیثیت گورنر مغربی پاکستان جامعہ اسلامیہ آئے۔ تمام علماء اور سٹاف نے کھڑے ہو کر پرتپاک بانصر کران کا استقبال کیا، لیکن حضرت مولانا افغانی رح کے پائے ثبات و وقار غیرت میں ذرہ بھر بھی جنبش نہ آئی، اپنے

صدر کمرے میں اطمینان سے بیٹھے رہے، حتّٰی کہ نواب کالاباغ مرحوم نے خود حاضر ہو کر باادب ملاقات کی۔ ؎ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را۔

حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی رح
اور تدوینِ قانون شرعی

مولانا محمد عیسیٰ صاحب ۔ صدر شعبۂ افتاء، نصرت العلوم، گوجرانوالہ

اُمّتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات میں بے شمار اور لاتعداد، نادرِ روزگار اور عبقری عصر علماء اور فقہاء پیدا ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس اُمّت کو عالم کائنات کی ہدایت کا کام سپرد کیا ہے اور ہر دور میں ایسے افراد کی کبھی کمی نہیں رہی، جن سے پورے عالم کی راہنمائی وابستہ ہو اور پھر بجائے خود ہر ہر فرد، ایک امت واحدہ ہوتا ہے۔ یہ اس امّت کی خصوصیّت اور کرامت اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے ہمارے اس تذکرہ کی موضوع شخصیّت، حضرت شیخ علامہ مولانا شمس الحق افغانی قدس سرہٗ ہیں، جو اپنے زمانہ میں بڑی جامع اوصاف، محدّث، فقیہہ، مفسر، حکیم اور فیلسوفِ اسلام تھے۔ صرف ایک جملے سے آپ کے کمال اور جامعیّت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا " اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے بابِ غزوات کو حذف کردیا جائے تو سیرت کیا ہوگی، یہ تو ایک رہبانیّت ہوگی " اس سے آپ کا نقطۂ نظر بخوبی معلوم ہوجاتا ہے۔

آپ کی خدمات | آپ نے اسلام کے ہر ہر شعبہ میں علمی اور عملی اعتبار سے دینی خدمت کے فرائض بخوبی سرانجام دیئے اور کسی گوشے کو تشنہ نہیں چھوڑا، خصوصاً

افتاء اور قضاء کے باب میں حضرت شیخ بہت دلچسپی رکھتے تھے، اس میں آپ کو جب کہ آپ وزارتِ معارف قلات کے قاضی القضاۃ تھے، اعلیٰ طریقہ سے کام کرنے کا موقع ملا، حتیٰ کہ یہ آپ کی زندگی کا موضوع بن گیا اور آپ اس باب میں علماء کے سرتاج اور سرخیل تسلیم کئے گئے۔

تصنیف: فقہ اسلامی پر آپ نے اپنے ہاتھ سے عربی میں شرعی ضابطہ فوجداری اور دیوانی میں اصول و قوانین قلمبند کئے جو "معین القضاۃ والمفتین" کے نام سے مشہور ہیں، اس میں امام اعظم ابوحنیفہؒ، صاحبین اور آئمہ احناف کے زرین قواعد قضاء اور افتاء بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد شرعی ضابطہ دیوانی کی تدوین عمل میں آئی۔ ان تصانیف کے بارے میں حضرت والا کے اپنے تاثرات ملاحظہ ہوں:۔ حیاتِ بشری کی نجات اور کامرانی اس میں ہے کہ انسان کُل انفرادی و اجتماعی افعال میں شرع الٰہی اور قانونِ سماوی کا پابند ہو۔ لاقانونیت اور قانونِ انسانی پر عمل پیرا ہونا انسان کی تباہی ہے۔

اگر آنکھ کی داخلی روشنی محسوسات کے ادراک کیلئے ایک خارجی اور آسمانی روشنی (آفتاب) کی محتاج ہے تو اسیطرح زندگی کے نامحسوس اور معقول اصول کے ادراک کے لئے عقل کی صرف داخلی روشنی ناکافی ہے، جب تک ایک خارجی نامحسوس روشنی (وحی الٰہی) عقل کے ساتھ منضم اور پیوست نہ ہو۔ عربی زبان میں شرعی ضابطہ دیوانی و شرعی ضابطہ فوجداری جو "معین القضاۃ والمفتین" کے نام سے مشہور ہے، سے فراغت کے بعد عوامی مفاد کے تقاضا کے باعث پاکستان کی سرکاری زبان "اردو" میں شرعی ضابطہ دیوانی مرتب کیا گیا ہے۔

خصوصیات: ۱۔ کتاب و سنت پر مبنی بہترین مجموعہ، انتخاب اور اعلیٰ ترین مسودہ ہے۔

۲۔ اختلاف ائمہ کے ساتھ جمہور اہلسنت اور ائمہ احناف کے مذاہب اور صرف معمول بہا اقوال کو لیا گیا ہے اور اس میں سے مفتی بہ اور راجح قول کی نشاندہی کی گئی ہے۔

۳۔ مآخذ اور مراجع میں ایسی کتب کا حوالہ دیا گیا ہے، جنہیں ممالک اسلامیہ میں قانون کا درجہ حاصل رہا ہے۔

۴۔ معاشی اور اقتصادی اعتبار سے معاشرہ کی اصلاح اور موجودہ دور کے روزمرہ

پیش آمدہ نئے مسائل کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور ان کا اسلامی حل تلاش کیا گیا ہے۔

۵۔ ہر باب میں اس کے مختلف پہلوؤں پر بحث کر کے کسی گوشہ کو تشنہ تکمیل نہیں چھوڑا۔

۶۔ ساتھ ہی ایسا انداز اختیار کیا گیا ہے جس سے ان کے دلائل و اسباب کا پتہ لگایا جا سکتا ہے، شاذ و نادر مذاہب کے بیان سے کلی طور پر اجتناب کیا گیا ہے۔

۷۔ ایسی مشہور و متداول کتب و رسائل کا حوالہ دیا گیا ہے جنکی طرف مراجعت کرنا بآسانی ممکن ہے۔

حضرت والا تحریر فرماتے ہیں:

ضابطہ دیوانی کا مواد فقہ اسلامی کی بے شمار کتابوں سے ماخوذ ہے لیکن حوالہ میں صرف ایسی کتاب کو پیش کیا گیا ہے جسکی قانونی تعبیر زیادہ موزوں ہو اور بعض مقامات میں تعبیر کو عام فہم بنانے کے لئے اصل قواعد کو باقی رکھتے ہوئے کسی قدر توضیحی تصرف بھی کیا گیا ہے۔ بہر حال اردو زبان میں دیوانی شرعی ضابطہ کے سلسلہ میں یہ پہلی کوشش ہے۔ خدا تعالے اس حقیر خدمت کو قبول فرما دے۔ آمین۔

حضرت افغانیؒ کا علمی اور دینی مقام

اور بعض اہم مسائل کی تائید و تصویب

از شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فرید مدظلہ، صدر دارالافتاء، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

فخر افغان حضرت العلامہ مولانا افغانیؒ کا اصل نام شمس قمر تھا، بعد میں ان کا نام شمس الحق رکھا گیا اور پھر اسی نام سے مشہور ہوئے۔ حضرت افغانیؒ نے ایک مرتبہ خود ارشاد فرمایا، کہ جب خان عبدالقیوم خان نے یہ آرڈر جاری کیا کہ ملا، ڈوم اور کمی لوگ شفعہ نہیں کر سکتے تو اسی وقت اپنے نسب کے متعلق ہمیں محافظ خانہ سے یہ معلومات حاصل ہوئیں کہ ہمارا تعلق افغان اور سادات سے ہے۔

حضرت افغانیؒ جب بھی کسی فن کے کسی بھی مسئلہ کے متعلق تحقیق شروع کرتے تو نحاطبین یہ سمجھتے تھے کہ حضرتؒ اس فن میں انتہائی ماہر ہیں۔

حضرت افغانی مرحوم کامیاب مدرس اور مقرر ہونے کے علاوہ بڑے مناظر بھی تھے، وہ کبھی بھی کسی سے مرعوب نہیں ہوتے تھے اور خصم کو ایسے لاجواب کرتے تھے کہ فبهت الذی کفر کا مصداق بنتا تھا۔ حضرت افغانیؒ کی تقریر کا رُخ، علماء اور طلباء علم دین کی عظمت اور ان کی ہمت افزائی اور احکام شریعت کے فلسفوں اور نئی تہذیب والوں کی اصلاح اور مسٹر اور مُلا کے درمیان خلیج کے ازالہ کی طرف ہوتا۔

حضرت افغانیؒ مرحوم کے بعض رفقاء سے سُنا ہے کہ وہ نصف اللیل کے بعد بیدار ہو کر، وضو اور نماز کے بعد صبح صادق تک خاموش بیٹھے رہتے۔ یہ تفکر اور تدبر ان کا معمول

تھا۔ فقیر بہت سے مسائل میں ان کی طرف مراجعت کرتا اور ان کی رائے سے اپنی ناقص رائے کی تائید حاصل کرتا، جنمیں سے بعض مسائل حالاً ذکر کئے جاتے ہیں :۔

اول یہ کہ نیلون کے جرابوں پر مسح کرنا، ناجائز ہے، ان میں شرائط معتبرہ موجود نہیں ہیں۔

دوم یہ کہ، جب بچہ، ماں کے نیچے دب کر مر جائے، تو اس میں کفارہ اور دیت دونوں لازم ہیں، فقہاء کرام نے والدین کو قصاص سے مستثنیٰ کیا ہے، لیکن دیت سے مستثنیٰ نہیں کیا۔

سوم یہ کہ شیعہ کافرہ عورت سے کتابیہ بدتر ہے، شیعہ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور قرآن مانتے ہیں اور اہل کتاب دونوں سے بیزاری کرتے ہیں، لیکن شیعہ کافرہ سے اہل اسلام کا نکاح جائز نہیں اور کتابیہ سے جائز ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ جسطرح مرزائی لوگ، مذہب اسلام کے اعتراف کے بعد، ضروریات دین سے انکار کیوجہ سے مرتد ہیں اور جسطرح مرزائی کے بیٹے اور پوتے بھی مرتد ہیں، ان میں کوئی کافر اصلی نہیں ہے تو اسیطرح شیعہ لوگ بھی مذہب اسلام کے اعتراف کے بعد ضروریاتِ دین سے انکار کی وجہ سے مرتد ہیں اور مرتد اور مرتدہ سے نکاح درست نہیں ہے۔

چہارم یہ کہ لطائف کی یہ ظاہری غیر معمولی حرکت حبس دم سے پیدا ہوتی ہے یہ کوئی کرامت نہیں ہے۔

پنجم یہ کہ توجہ اور تصرّف کرامت نہیں ہے، یہ ایک نفسانی کمال ہے، کافر اور جوگی بھی توجہ اور تصرّف کر سکتے ہیں۔

ششم یہ کہ تصوّف کا خلاصہ دو لفظ ہیں، فنائیت اور ترکِ دعویٰ یعنی ہر کام کو عبدیت اور ماموریت کی وجہ سے کرنا، حظ نفس سے اجتناب کرنا اور بڑے بڑے دعوؤں سے بچنا۔

اُستاذِ مغفور
علامہ شمس الحق افغانیؒ

مولانا لطافت الرحمان صاحب ۔ سواتی

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم ۔ امّا بعد۔

مجھے جناب مہتمم صاحب دارالعلوم اسلامیہ چارسدہ و مدیر ماہنامہ "النّصیحۃ" کی جانب سے حضرۃ الاستاذ المغفور لہ علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ پر مقالہ لکھنے کا خط ملا جس کی تعمیل میں لکھنے لگا ہوں، جبکہ حضرۃ المغفور پر میرا ایک سوانحی مضمون مجلّہ "الحق" میں بھی شائع ہوا ہے، جس کے بعد دوبارہ لکھنا آسان بھی ہے اور دشوار بھی۔ آسان اس وجہ سے کہ موضوع مقالہ میرے لئے حد درجہ دل چسپ ہے اور اس وادی نعمان کے ذکر سے زیادہ تر موجب لذت و حلاوت ہے، جس کے بارے میں کسی نے یہ کہا ہے کہ

اعد ذکر نعمانٍ لنا ان ذکرہ ۔۔۔ ھو المسک ماکررتہ یتضوع

اور دشوار اس سبب سے کہ میری آنکھ کا اپریشن ہوگیا ہے اور مجھے تحریر و تسطیر میں کافی حد تک حرج ہوتا ہے تاہم اللہ پر بھروسہ کر کے مختصر طور پر لکھنے کے لئے تیار ہوگیا ہوں۔

مرحوم کے علم و فضل کی عظمت و وسعت کے علاوہ اس ذرّہ بے مقدار خطاکار و گنہگار پر مرحوم کے وہ مکارم و معاطف اور خصوصی شفقت و عنایت کا سایہ رہا ہے کہ ؎

جسقدر ہم نے بھولنا چاہا ۔۔۔ اسی قدر ہم کو اُسکی یاد آئی

اور یہی وجہ ہے کہ اس مقالہ میں، میں آپ کے متعلق زیادہ تر اس دور کا ذکر کرتا ہوں جس میں، میں آپ کے ساتھ رہا، وہ بھی اکثر و بیشتر صرف قیام بہاولپور کا دور جس میں یوں تو

میں مرحوم کا ایک گونہ رفیق ادارہ، یعنی جامعہ اسلامیہ بہاولپور کا استاذ رہا، مگر اس دور کو بھی میں دورِ تلمذ ہی کہتا ہوں، کیونکہ میں اُن دس بارہ سالوں میں بھی آپ کے خرمنِ علوم معارف کا خوشہ چین رہا، و نعم ما قیل

ہیچ گہ ذوقِ طلب از جستجو باز م نداشت
دانہ ہے چیدم در آں روزے کہ خرمن داشتم

میرے پاس اپنا خرمنِ علم تو کچھ نہیں ہے، لیکن اکابر علماء حق کی کفش برداری اور خاصکر علامہ شمس الحق افغانی نوراللہ مرقدہ' سے وابستگی، میرے لئے عزت و افتخار یا زیادہ سے زیادہ زمرۂ علماء میں شمار ہونے کا سامان بنا ہے اور وہی کچھ صورتِ حال ہے جو غالب نے کہا ہے کہ:

بنے ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اِتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے؟

حضرۃ المرحوم کے علمی اور عملی کارناموں، تفقہ فی الدین، سیاسی بصیرت، شب و روز، مکتوبات و نصائح اور اُن سے وابستہ انمٹ یادوں کا میدان وسیع ہے مگر میرا دامن اتنا وسیع نہیں ہے ؎

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار گل چین بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

علمی اور عملی کارنامے

حضرت کے بارہ میں یہ دو لفظی عنوان بظاہر مختصر ہے، مگر درحقیقت ایک بحرِ ناپیدا کنار پر محیط ہے کیونکہ تمام علوم و فنون پر آپ کا حاوی ہونا اور ہر فن میں آپ کا امتیاز آپ کی وسعتِ نظر اور استحضار قابلِ حیرت امور ہیں۔ ایک بار میں نے پوچھا کہ صاحبِ منجد نے مولانا روم کو وحدۃ الوجود کا قائل کہا ہے، یہ کہاں تک درست ہے؟ تو فرمایا کہ صاحبِ منجد کو مولانا روم کے اس شعر سے مغالطہ لگا ہے، جو فرماتے ہیں کہ ؎

ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام ہم چو سبزہ بارہا روئیدہ ام

اب کہاں صاحبِ منجد کا عندیہ اور کہاں مولانا روم کا ایک ملفوظ۔ اس دن مجھے درس ترمذی کے دوران، حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ کا وہ استحضار یاد آیا جو مسح الخفین کے بارہ

میں دار حلکم کے جر پر فرمایا کہ یہ جر جوار پر مبنی ہے جس کے لئے کتاب سیبویہ میں پورا باب موجود ہے اور بیت ضبٍّ خربٍ اور من ملک ذا رحم محرم منہ فقد عتق علیہ وغیرہ وغیرہ۔ اس کی چند مثالیں ہیں، نیز عبدالرسول صاحب نے اپنی فارسی نظم میں کہا ہے

اس دوران غلام رسول نامی ایک پنجابی طالب علم نے کہا کہ عبدالرسول تو شیعہ تھا۔ اس کا قول معتبر نہیں ہے، حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ تم غلط کہتے ہو، عبدالرسول سُنّی حنفی ہے اور میں نے فوراً حضرت مدنیؒ کی تائید میں عبدالرسول کا یہ شعر پڑھا:

بندۂ سر کردہ تر دامان عبدالرسول — سُنّی حنفی غلام خاصہ ہر چہار تا

اس پر حضرت نے فرمایا کہ میں بھی یہ شعر پڑھنا چاہتا تھا، جو لطافت الرحمن نے پڑھا۔ گویا آپؒ کو عبدالرسول کا یہ شعر یاد تھا اور یوں تو عام طور پر اساتذۂ دیوبند علمی وسعتوں کے حامل اور فاضل وکامل ہیں، مگر حضرت افغانیؒ تو "چیزے دیگرے" کا مصداق تھے۔

[illegible]

عملی میدان عمل وکردار کے لحاظ سے بھی مرحوم بے پناہ بلند وپاکیزہ اور عظمت ورفعت کا مجسمہ تھے اور کردار وعمل کی اس بلندی اور علمی وقار ووجاہت کے زیر نظر، بعض نادان لوگ حضرت کو مغرور اور متکبر کہتے تھے، حالانکہ علماء کبار میں سے بعض اگر عجز وانکساری کا نمونہ ہوتے ہیں، تو بعض دوسرے اکابر بظاہر غافل، بے پرواہ اور کم تعلق ہوتے ہیں۔ کما ورد فی الحدیث المومن غرّ کریم والمنافق خبّ لئیم۔ ایک موقع پر ایک ریٹائرڈ پنجابی بڑے زمیندار کرنل نے حضرت سے مصافحہ کر کے آپ کا ہاتھ چوما اور پھر کہا کہ یہ مولوی ہے جو ماحول کو بناتا ہے، دوسرے مولوی ماحول کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ اُس عالم کامل کا ایک امتیاز ہے۔ نیز عام معاملات میں آپ نہایت خوبی اور صفائی برتتے تھے "لا یخدع ولا یخدع" پر عمل پیرا رہا کرتے تھے اور اگرچہ فضول خرچی سے بہت گریزاں تھے مگر جہاں خرچ کرنے کا مناسب موقع ہوتا تھا، تو وقت کے کسی عظیم فیاض سے کم نہیں ہوتے تھے، خود میں تو ہمیشہ ہی آپ کے گھر سے لذیذ تر نعمتیں کھاتا رہا ہوں۔

تفقہ فی الدین یہ لفظ اگرچہ حدیث کے الفاظ "من اراد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین" کے زیر نظر دینی فطانت وفراست کے بارہ میں ہے مگر اس کے شمول میں فقہی علوم کا حامل ہونا سر فہرست ہے اور اگرچہ فقیہہ صرف مجتہد ہی ہوتا ہے مگر جدید علمی عرف

عام میں تفقہ فی الدین کا اعلیٰ فرد یا حصہ ایک فقیہہ کے لئے دینی اور علمی اعزاز وامتیاز کا جوہر ہے۔ وحق ما قیل و نقلہ صاحب الشامی فی مقدمۃ الکتاب ؎

اذا ما اعتز ذو علم بعلم فعلم الفقہ اولی باعتزاز
فکم طیب یفوح ولا کمسک وکم طیر یطیر ولا کباز

بہر حال حضرت افغانی" اس فن میں بھی یگانہ روزگار اور غایت درجہ لائق و حاذق تھے۔ زمانۂ وزارت معارف امارت قلات کے دوران جو آپ نے معین القضاۃ تحریر فرمائی ہے وہ تو اس فقہی سمندر کا ایک قطرہ ہے، ہو سکتا ہے اس سلسلہ میں صرف یہ ایک واقعہ کافی ہے کہ ایک بار میں نے کسی مستفتی کے استفسار پر کہ اگر حکومتِ وقت کسی شخص کی زمین جائیداد وغیرہ پر قبضہ کرتی ہے تو وہ اس کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے یا نہیں؟ تو حضرت نے فوراً یہ عبارت پڑھی کہ لیس للامام ان یخرج شیئًا من ید احد الا بحق ثابت معروف کا حوالہ دیا۔ میں نے کتاب الخراج ص۵۶ دیکھ کر یہی عبارت جواب فتویٰ میں نقل کی۔

جامعہ اسلامیہ میں میرا مرحوم کے ساتھ رفاقت کے دوران بے شمار استفسارات آتے تھے۔ ان کے جوابات میں ہی لکھ دیتا تھا اور حضرت ملاحظہ فرما کر توثیقی دستخط فرماتے تھے اور کئی بار مجھ سے فرمایا کہ اس سلسلے کا ریکارڈ رکھو، ایک علمی ذخیرہ ہے، جس کا محفوظ ہونا ضروری ہے مگر مجھ غافل و کاہل سے وہ بھی نہیں ہو سکا اور اسطرح میرے پاس ان جواہر پاروں کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے۔

سیاسی بصیرت سیاست کے بارہ میں بھی وہ نہایت ہوشیاری اور دور بینی کے مالک تھے، کیونکہ عام طور پر کسی عالم کا ملکی حالات و واردات اور سیاسی نشیب وفراز سے باخبر ہونا اور اس کو سیاسی راستوں میں کسی اچھی راہ کا انتخاب کرنا ضروری ہے، چنانچہ آپ بھی اس میدان میں عظیم بصیرت و دانش کے حامل تھے۔

دراصل سیاست مدنیہ، تدبیر المنزل، تہذیب الاخلاق تو حکمت عملیہ کے وہ قسمیں ہیں جن کے بارہ میں علماء حکمت کا یہ فیصلہ فاضل میبذی نے اپنی شرح ہدایۃ الحکمۃ میں نقل کر کے فرمایا ہے۔

واما الحکمۃ العملیہ فالشریعۃ المصطفویۃ قد فضت الوط عنہا علی اکمل وجہ واتم تفصیل اور یہی وجہ ہے کہ حکمت نظریہ کی اقسام ثلثہ تو حکما یونان

کے موضوع بحث رہے ہیں مگر حکمت عملی (عنصریات، فلکیات، الٰہیات) میں دین اسلام نے جو تعلیمات دی ہیں، وہ انسانی کردار وعمل کی اصلاح کے لئے کافی وشافی ہیں، ملکی سیاست کے سلسلہ میں مولانا بدر عالم نے اپنی کتاب "ترجمان السّنۃ" میں کہا ہے کہ اگر آج کے دور میں امام بخاری رحمہ اللہ زندہ ہوتے، توسب سے زیادہ امام الحدیث ہونے کی طرح آپ عظیم سیاست دان بھی ہوتے۔ مولانا مرحوم کے اس مؤقف کا صاف مطلب یہ ہے کہ عالم کو وقت کی سیاسیات سے ناواقف ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جسقدر علم بلند اور زیادہ ہوگا، اس قدر عالم کی سیاسی بصیرت بھی زیادہ ہوگی ——— اب مذکورہ بالا وضاحت وتفصیل کی روشنی میں حضرت الاستاذ المرحوم کی سیاسی حالات پر گہری نظر اور اسی بارہ میں اپنے مرشدِ کامل حکیم الامت مولانا اشرف علی رحمہ اللہ تھانوی کے پیروکار ہونا ظاہر و باہر ہے۔ (اگرچہ اس سلسلہ میں، میں خود حسینی ہوں، اشرفی نہیں) و لکلٍّ وجھۃ ھو مولیھا۔

شب وروز میں مرحوم کے شب وروز کے مشاغل کا قریب سے مطالعہ بھی کرتا رہا ہوں، جس میں ضروری عبادات اور روزمرّہ معاملات کے علاوہ صلوٰۃ اللیل (تہجد) کا التزام ودوام اور اس کے لئے اہتمام وانتظام شامل ہے۔ ایک بار جب ہم دونوں مولانا نیاز محمد ختنی کے مدرسہ عیدگاہ کے سالانہ جلسہ میں مدعو تھے اور میرے اور حضرت کے قیام کا کمرہ ایک تھا، تو، رات کے تین بجے میں نے دیکھا کہ حضرت المرحوم بڑے خشوع وخضوع سے مصروفِ تہجد ہیں اور وضو بھی ٹھنڈے پانی سے کئے ہوئے ہیں، جبکہ دسمبر کا مہینہ تھا اور اس پانی کو بعد میں، میں نے خود بھی استعمال کیا تھا، جو ٹھنڈا تھا۔ اسیطرح مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے سالانہ جلسہ میں، جب ہم مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کی دعوت پر گئے تھے اور رات کو کمرۂ قیام میں وضو کا پانی، جائے نماز وغیرہ کا بندوبست خود مفتی صاحب مرحوم نے اپنے ہی ہاتھ سے کیا تھا اور صرف یہی نہیں، بلکہ جہاں حضرت کسی نقل وحرکت کے لئے تیار ہوتے، تو مفتی صاحب رحمہ اللہ فوراً جوتا اٹھانے کے لئے لپکتے تھے، اس رات بھی میں دیکھ رہا تھا کہ حضرت المرحوم دیر تک مصروفِ عبادت ہیں، حالانکہ دن کو بعد الظہر طویل بیان بھی کر چکے تھے۔

حضرت المرحوم کے قیام اللیل کے مناظر سے مجھے حضرت مدنی رحمہ اللہ کا وہ قیام اللیل یاد آیا جس میں وہ دو پارہ قرآن تلاوت فرماتے تھے اور ایک بار حیدرآباد کے ایک طالبعلم شریک دورۂ حدیث نے حضرت کے پیچھے نمازِ تہجد میں اقتداء کی درخواست کی۔ حضرت نے

منظور فرمائی، مگر وہ طالب علم تمام قیام تک نہیں ٹھہر سکے اور صبح ہم سے کہتے رہے کہ ایک تو حضرت کے رعب، وجلال، پھر رات کا نازک ترین وقت ہونے نے، مجھے اس سعادت کی تکمیل سے محروم رکھا ہے۔ وحق ماقیل ؎

نہ ہر کہ سر بہ تراشد قلندری داند
نہ ہر کہ آئینہ دارد، سکندری باشد

وکن اما قیل ؎ وما کل مخضوب البنان بثنیة،،

مکتوبات و نصائح

اس بارہ میں ایک تو میں اپنی اس غفلت و بے کاری پر متاسف ہوں کہ خود میرے نام حضرت المرحوم کے جتنے خطوط و مکاتیب تھے وہ تمام مجھ سے ضائع ہو گئے ہیں اور اسطرح میں عظیم الشان لذیذ ترین یادوں کے نقوش سے محروم ہو گیا ہوں، تاہم عرض ہے کہ آپ کے مخطوطات اور مکاتیب کا نقش ونگار بھی نہایت سنجیدہ اور برگزیدہ تھا، جن میں نہ تو تطویل مخل ہوتی تھی اور نہ ہی اختصار مخل بلکہ اس کے برعکس ہر لفظ جامعیت و معقولیت کا حامل ہوتا تھا اور ایک ایک جملہ صاحب تحریر کی بلاغت وفصاحت اور قادر الکلامی کا وہ جوہر ہوتا تھا، جس کا نقشہ اس شعر میں موجود ہے جو علامہ تفتازانی نے مطول میں نقل کیا ہے کہ ؎

كتابك صدر الدين يحكي حديقة مكللة الاطراف بالبر والصبر
ففي كل لفظ منه روض من المنى وفي كل سطر منه عقد من الدر

تحریر کے افادیت واختصار پر ایک بار حضرت نے فرمایا کہ خلیفہ مامون الرشید نے ایک حاکم علاقہ کو فرمان جاری کیا تھا، جس کا نہایت مختصر اور جامع ومانع متن یہ تھا۔

كثر شاكوك وقل شاكروك فاما تعدل واما تعزل ۔

یعنی تمہاری شکایت کرنے والے بہت ہیں اور تم سے خوش اور تمہارے شکر گزار کم ہیں، اس بناء پر تم یا تو عدل وانصاف کو اپنا شیوہ بنالو یا معزول ہونا قبول کرو۔ غرض یہ کہ آپ کا قلم اور زبان دونوں وہ موتیاں بکھیرتے تھے، جن میں کسی طرح حشو و تطویل اور اغلاق واشکال نہیں ہوتا تھا۔ ذیل میں مشتے از نمونہ خروارے کے طور پر حضرت رح کی ایک کتاب "ترقی اور اسلام" کا پیش لفظ، خود حضرت کے قلم سے نقل کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں :

" دورِ حاضر میں مغربی تعلیم اور افکار کی روز افزوں ذہنی بیزاری اور خدا فراموشی

نے اہلِ دین کو خوابِ غفلت سے جگایا اور وہ یہ محسوس کرنے لگے کہ اگر انہوں نے دین کو اس سیلابِ الحاد سے بچانے میں غفلت برتی تو انگریزوں کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ انکے پروردہ نام نہاد مسلمانوں کے ہاتھوں سے ان کے دین کی متاعِ عزیز جو کہ صدیوں سے ان کا سرمایۂ حیات رہی ہے اور جو ان کی اصل قوت اور وسعت فکر و عمل کا حقیقی سرچشمہ ہے، اسکا شیرازہ پارہ پارہ ہو جائیگا، جو ہزاروں سال تک درست نہ ہو سکیگا۔"

اس نہایت مختصر تحریر میں حقیقت حال جس عمدہ پیرایہ اور الفاظ کے زرین قالب میں قلمبند فرمایا۔ اور مسلمان امت کو جس درد و کرب کا احساس دلایا ہے، وہ حضرت ہی کے مختصات اور کمالات، کا ایک معمولی نمونہ ہے ~ قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

حضرت رح کی تصنیفات کا سلسلہ بے شک وسیع نہیں ہے، مگر پھر بھی جو کچھ تصانیف ہیں، ان کا اندازِ تحریر عام طرز و طریق سے الگ اور ہزاروں لکھنے والوں کی بہ نسبت بے مثال ہے ونعم ما قاله محمود الافندی فی شرح شواهد الکشاف ؎

ولم ار امثال الرجال تفاوتا　　　لدی الفضل الا عد الف بواحد

حضرت رح سے اپنی نجی محافل و مجالس میں جب بھی عربی میدان میں گفتگو ہوتی تھی تو حضرت رح مناسب موقع پر بطور تمثیل عربی اشعار نقل فرماتے تھے کہ وسعت استحضار اور قوتِ حافظہ پر حیرت ہوتی تھی۔ ایک بار حضرت لبید کے بارہ میں ان کا یہ شعر سنا کر محظوظ فرمایا کہ ؎

ولقد سئمت من الحیاۃ وطولها　　　وسؤال هذا الناس کیف لبید

ایک بار امام شافعی رح کا یہ شعر سنایا کہ

تمنی رجال ان اموت وان امت　　　فتلک سبیل لست فیها باوحد

ایک بار میرے اس استفسار پر کہ کعبۃ اللہ پر حملہ آور اصحاب فیل کا شمار کتنا تھا تو فوراً ابن الزبعری کا وہ شعر سنایا، جو سیرۃ ابن ہشام میں ہے کہ ؎

ستون الفا لم یؤوبوا ارضهم　　　بل لم یعش بعد الایاب سقیمها

ایک بار ایک مجلس میں، میں نے بزدلی پر حماسی شاعر کا یہ شعر پڑھا کہ ؎

اثنان منا یغلبان واحدا　　　اذا تعاونا وکان واقدا

تو اس پر فرمایا کہ متعمر نے بھی فرزدق کی بزدلی کا یوں مذاق اڑایا ہے، جو کہا ہے کہ ؎

زعم الفرزدق ان سیقتل مربعاً — ابشر بطول سلامۃ یا مربع

یوں تو حضرتؒ کی برجستہ اور ہمہ گیر قسم کی یادداشتوں کا شمار ممکن نہیں ہے اور میں تو صرف یہ عرض کر رہا ہوں کہ وہ فن نہیں، وہ موضوع نہیں، وہ موقع نہیں، وہ محل نہیں، وہ علمی اور دینی معلومات اور مواد کا میدان نہیں وہ علوم عربیہ، نقلیہ، عقلیہ کے دور دراز کے علمی نکات نہیں جس پر حضرتؒ کی گفتگو استاذ علامہ انور شاہؒ کی طرح تمام پر حاوی نہ ہو۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے استحضار وحفظ کا ایک واقعہ قاری محمد طیبؒ نے اپنی کتاب " نوبۃ الآحاد میں لکھ کر فرمایا ہے کہ میں رات کے بارہ ایک بجے کے وقت اس کتاب میں شرح مقامات حریری سے اشعب طماع کے حالات نقل کر رہا تھا، مگر سرسیشی کے نقل کردہ نوٹ سے میری تشفی نہیں ہوئی اور میں لاٹھی لیکر چاندنی رات میں گھر سے نکل کر حضرت شاہ صاحبؒ کے مکان واقع خانقاہ دیوبند کی طرف چلا، جو میرے گھر سے کوئی خاص دور نہیں تھا۔ میں جب حضرت شاہ صاحبؒ کے مکان پر پہونچا تو کھڑکی سے بجلی کی روشنی نظر آرہی تھی۔ میں نے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا، حضرت شاہ صاحبؒ نے دروازہ کھولا اور اس وقت حاضر ہونے پر تعجب کر کے وجہ حاضری دریافت فرمائی اور میں نے اشعب طماع کے حالات کے بارہ میں استفسار کیا تو حضرتؒ فرماتے رہے اور میں لکھتا رہا اور حضرتؒ کی املاء کی کیفیت ایسی تھی جیسے وہ یا تو سامنے کسی کتاب سے املاء کرا رہے ہوں یا ابھی ابھی تازہ اشعب کے حالات کا مطالعہ کر چکے ہوں، جبکہ اشعب کے حالات کا آپ کے سامنے آجانا بہت دور کی بات تھی اور یہی حال، حضرت شاہ صاحبؒ کے ممتاز اور بلند ترشاگرد، علامہ شمس الحق افغانیؒ کا بھی تھا کہ جب ایک بات سنی اور دیکھ لیتے تھے تو وہ حضرت افغانیؒ کے عظیم الشان گودام العلوم میں محفوظ رہ جاتی۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

ایک بار میں حضرت کی ایک مخطوطہ کاپی دیکھ رہا تھا تو اس میں حضرتؒ کے قلم سے یہ فارسی شعر نوٹ تھا کہ ؂

علاج نفس ظالم زود ہنگام جوانی کن — نفس
کہ ایں مار سیہ چوں پیر گردد اژدہا باشد

اب اس شعر کے نوٹ کرنے کا پس منظر بتاتا ہے کہ اس رجل عظیم کا شیب وشباب صلاحیت وصالحیت کا مرقع اور رفعت وعظمت اور خیرات وصالحات میں حظ عظیم کا حامل تھا۔

ولا یلقٰھا الا ذو حظ عظیم۔

نصائح اس بارہ میں بھی بالاختصار یہی کہا جا سکتا ہے کہ مرحوم کی زندگی کا ایک ایک لمحہ دینی علمی معاملات اور تعلقات اور سماجی ہر طرح کے مسائل کے لئے پند و نصیحت اور اصلاح پر عمل پیرا ناصح و معلم تھے۔ ایک دفعہ عام تعلقات کی بات ہو رہی تھی کو بطور نصیحت فرمایا کہ اس سلسلہ میں نہ تو زیادہ گہرائی میں جانا مناسب ہے اور نہ ہی یکسر بے تعلق ہونا مناسب ہے، بلکہ اس راہ میں بھی اعتدال اپنانا عظیم تر مصلحت ہے اور حضرت رح کی اس نصیحت پر جب میں نے حضرت تھانوی رح کے ملفوظات سے ایک شعر سنایا کہ ؎

کسی کے ظرف سے بڑھ کر نہ ہو مہرووفا ہرگز کہ اس بے جا شرافت سے بڑا نقصان ہوتا ہے

تو فرمایا کہ ہاں، وسعت کا ظرف بھی ٹٹولنا ضروری ہے اور فرمایا کہ جب ہی تو حضرت تھانوی رح حکیم الامت تھے۔

ایک بار جب لوگوں نے مجھ سے درس قرآن دینے کے لئے کہا اور میں نے حضرت رح سے بات کی تو فرمایا کہ درس دینا قبول کرو مگر ہفتہ میں صرف دو بار، تاکہ یہ پابندی شاق بھی نہ ہو۔ درس دینے والوں کا شوق بھی ہو، چنانچہ میرے اس درس کے بارے میں کرنل نذیر صاحب مرحوم نے کہا کہ آپ کے درس کے دن آنے سے ہم اسطرح خوش ہوتے ہیں جسطرح گھر میں پلاؤ پک رہا ہو اور گھر والوں کو اس کے پکنے کا انتظار ہو، پھر خود حضرت کا اپنا معمول بھی ہفتہ میں دو دن درس دینے کا تھا جسکا تسلسل مدرسہ فاروقیہ بہاولپور میں بارہ سال تک جاری رہا اور اس کی صدائے بازگشت اب بھی بہاولپور والوں کے دماغوں میں گشت کر رہی ہے۔

انمٹ یادیں اس بارہ میں بھی میرا موقف یہ ہے کہ مرحوم کے گفتار و کردار کی ایک ایک یاد وابستگان کے لئے انمٹ اور لازوال ہے اور میں تو انتخاب تک نہیں کر سکتا۔ کہ کس کس قول و عمل کو یاد کیا جائے اور کب کیا جائے ؎

فاذکرہ بکل طلوع شمس واذکرہ بکل غروب شمس

غرض یہ کہ حضرت رح کا ہر لحظۂ زندگی انمٹ یادوں کا مرقع اور عبرو نصائح کا گنجینہ ہے اور حضرت کی کونسی یاد ہے جو مٹ سکتی ہے، ایک بار جب سفر عمرہ کے دوران مدینہ منورہ سے براستہ القصیم ہم ریاض لوٹ رہے تھے اور صبح کی نماز کے لئے میں نے اپنے بھتیجے

عطاء الرحمن سے موٹر رکوایا، نماز جماعت کے بعد خطیب مسجد حافظ قرآن نے ناشتہ کرنے کی دعوت دی، جبکہ وہ تبلیغ کے سلسلہ میں پاکستان کا سفر کرچکا تھا اور کسی موقع پر حضرت افغانی رح کو تقریر کرتے ہوئے سُنا اور دیکھا تھا تو کہا:

" واللہ عالم کبیر فی علماء باکستان رأیتہ وسمعت خطابہ حین ما کان یُلقیہ فی مجمع عظیم من الناس وسمعت من کثیر من الرفقاء انہ لامثال لہ فی علماء العصر الحاضر ولکن ھذا اخر الکلام وصلی اللہ علی خیر الانام علیہ التحیۃ والسلام۔

جدید اور قدیم علوم کی ایک
جامع شخصیّت

ڈاکٹر شیر محمد زمان۔ ڈائرکٹر جنرل ادارہ تحقیقات اسلامی۔ اسلام آباد

دینی علوم کی تدریس میں دارالعلوم دیوبند کی خدمات لاتعد ولاتحصی ہیں اس دارالعلوم کی علمی و تحقیقی فضاؤں میں ایسی یگانہ روزگار شخصیتیں پروان چڑھیں، جن کے علمی اور تدریسی کارنامے اسلامی ہند کی تعلیمی تاریخ کا روشن باب ہیں۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی کا فلسفہ و منطق، مولانا سید انور شاہ کشمیری کی علم حدیث پر بے مثال نظر، مولانا اشرف علی تھانوی کی کلام اور تصوف کے موضوعات پر نکتہ آفرینیاں، اسی دارالعلوم دیوبند کا فیضان ہے۔ مولانا شمس الحق افغانی بھی انہی فیض یافتگانِ دیوبند کے سلسلہ کی ایک کڑی ہیں۔ مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ وہ اپنے اسلاف کی اقدار کے امین تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں درس و تدریس ہو یا جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں شیخ التفسیر کی حیثیت سے قرآنی علوم پر ان کے لیکچر ہوں، ان کے عام وعظ ہوں، یا مخصوص مجالس میں درسِ قرآن، ہر جگہ موقعہ و موضوع کی مناسبت سے دلائل، امثال، افکار جدیدہ سے اسلامی علوم و فنون کا تقابل — یہ وہ خصوصیات تھیں، جو ان کے تلامذہ اور ان کے عقیدتمندوں کو ان کا گرویدہ کئے ہوئے تھیں۔

اس موقعہ پر مولانا افغانی مرحوم کے حافظے کا ذکر نہ کرنا ان کی ایک اہم خصوصیت سے صرف نظر کرنے کے مترادف معلوم ہوتا ہے۔ مولانا مرحوم قدیم و جدید کتب کے علاوہ علوم عصر حاضر کے انقلابات، خواہ وہ فکری ہوں یا عسکری سے آگاہی

رکھنے کے لئے، جرائد/ اخبارات، مستشرقین اور دیگر غیر مسلموں کی تصنیفات کو زیرِ مطالعہ رکھتے تھے اور اعداد و شمار تک ان کے حافظے میں محفوظ رہتے تھے، اور اسطرح ان کا درس اور وعظ نئی معلومات سے بھی مملو ہوتا تھا اور کم و بیش یہی رنگ ان کی تصانیف پر بھی غالب تھا۔ چنانچہ ان کی کتابیں مختصر ہونے کے باوجود معلومات کے گرانقدر خزینہ کی حامل ہیں۔ کلام مجید سے متعلق ان کی کتاب "علوم القرآن" اور گذشتہ صدی کے اہم موضوع اشتراکیت سے متعلق ان کی کتاب "اسلام اور کمیونزم" میرے پیش نظر ہیں۔ ہر دو کتب کے مطالعہ سے مولانا مرحوم کے وسعتِ مطالعہ اور فکری گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ضعف اور طوالت عمر کے باوجود، مولانا مرحوم نے اسلامی نظریاتی کونسل میں (جون ۱۹۷۸ تا نومبر ۱۹۷۹) جو خدمات سرانجام دیں، لائق ستائش ہیں۔ بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہوں اللہ جل شانہ مرحوم کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے۔ آمین

فیلسوفُ الاسلام

علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حسن جان مدظلہ، جامعہ امداد العلوم، پشاور

دُنیا میں ایسے نابغۂ روزگار بہت کم ہوتے ہیں، جو علوم نقلیہ کے ساتھ عقلی علوم کے بھی ماہر ہوں، تدریسی مشاغل اور قدیم مشکل کتابوں اور پرانے فلسفیانہ نظریات کی مہارت رکھتے ہوئے، جدید اور نئے نظریات اور تازہ تحریر شدہ کتابوں سے بھی اچھی طرح واقف ہوں اور ان جدید و قدیم کے حل و نقد اور ترمیم و اصلاح کا پورا ملکہ رکھتے ہوں، اور عوامی سطح اور علماء کرام کی علمی مجالس، ان دونوں میدانوں میں شہسوار خطابت اور صدارت ہوں، عوام و خواص اور علماء و طلباء، حکّام اور وکلاء، ملا اور ماسٹر اور دہقان و خوانین، پڑھے ہوئے اور اَن پڑھ، تاجر و مزدور، ان سب کو ان کے مزاج و استعداد اور ان کی قابلیت و فہم و رسائی اور ان کے مسلمہ اصول و قواعد کے مطابق سمجھانے، تعلیم و ارشاد اور تبلیغ و اصلاح اور رہنمائی کا تجربہ رکھتے ہوئے۔ اگر ہمارے اِس دور جدید میں کوئی تھے اور گزرے، تو وہ ہمارے شیخ استاد العلماء والمشائخ، فیلسوف الاسلام علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی اور وجود باجود تھے۔

آپ فلسفہ اور منطق اور دیگر علوم عقلیہ و آلیہ کی پرانی کتابوں اور مخطوطات اور جن کتابوں کے نام و نشان سے بھی بہت سے ماہر فن تک آشنا نہیں رہے، ان باریک و دقیق علوم اور تصنیفات کے ماہر اور ان کے نظریات و اقوال کے حافظ، محقق اور بابصیرت نقاد تھے۔

دوسری طرف علوم نقلیہ، علوم القرآن والحدیث، علم فقہ و کلام، تاریخ و تفسیر کے بحرِ زخار اور یگانۂ روزگار تھے۔ اگر بخاری شریف پڑھاتے تو علوم الرجال والاسناد، صحتِ حدیث اور ضعف، جرح و تعدیل اور استنباطِ مسائل، فقہیہ ہو یا کلامیہ، سلوک سے تعلق رکھتا ہو یا سیاست سے۔ ان سب مباحث پر محققانہ روشنی ڈالدیتے تھے۔

علوم القرآن تو آپ کا خصوصی موضوع رہا ہے اور اس کی علمی، تاریخی، کلامی، تنقیدی اور استنباطی مباحث وغیرہ، دیگر مہماتِ قرآنی آپ کی تصنیف "البیان فی علوم القرآن" سے واضح ہو جاتی ہیں، جس کا مطالعہ ہر عالم، محقق اور طالب و سکالر کیلئے بہت ضروری سمجھتا ہوں۔ اور اگر صدرا، شمس بازغہ، کتاب الشفاء و اشارات ابن سینا، اور علم ہیئت اور زیچ و اصطرلاب وغیرہ کے مباحث اور تحقیق و مسائل بیان کرنے کی طرف توجہ فرماتے تو فلاسفۂ وقت اور مناطقۂ زمانہ ششدر رہ جاتے تھے۔

وزارتِ معارف اور عہدۂ قضاء سے کافی عرصہ تک وابستہ رہنے کی بناء پر قضاء کے قواعد و اصول اور فقہی نظریات و نکات اور معاملات و دعاوی کے مبادی و اسباب اور اہداف و غایات کے متخصص تھے۔ اس سلسلے میں آپ کی تصنیفات "معین القضاۃ والمفتین"، عربی میں اور ضابطۂ دیوانی و فوجداری" اردو میں بے نظیر و لاجواب ہیں۔ عربی اور اردو میں آپ کی تالیفات، ایجاز اور اختصار کے ساتھ زبان کی فصاحت و سلاست اور ادبی معیار کے نگینے اور مثالی نمونے ہیں۔ آپ کی شعر و شاعری سے بھی کافی مناسبت رہی ہے، خصوصاً فارسی زبان میں برجستہ اور فی البدیہہ شعر گوئی کی دسترس رکھتے تھے۔ علامہ اقبال مرحوم کے اشعار آپ کو پسند تھے اور تحریر و تقریر میں ان کے اشعار یاد کرتے رہتے اور ان میں لذت و حلاوت محسوس فرماتے تھے۔

آپ خطابت و بیان میں خصوصی امتیازات کے مالک رہے، آپ کی تمہید نرالی ہوتی، طرزِ خطاب مدلل اور اسلوبِ بیان بہت جاذب اور دلکش ہوتا تھا، علماء کرام اور نئی روشنی والے تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے آپ کا خطاب مسحور کن ہوتا تھا۔ تاریخ دانی، فتنوں کی سرگذشت علاقوں کی تقسیم، ممالک کی فتوحات اور جنگی قائدوں کے کارنامے اور مورخوں کے اسامی اور کتابیں اور سیاسی نکتے و حیلے اور بادشاہوں کے طرزِ حکومت اور زندگی کے واقعات از بر تھے۔ آپ کی تقریر و خطاب میں قرآن و حدیث کے رموز و اسرار اور محققانہ نکات و

لطائف ہوتے تھے۔

حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر میں تمہید اور حسن ابتداء، ربط بیان، طریق استدلال اور پرانی روایات کے ساتھ ساتھ نئی اور فلسفیانہ دلائل اور تاریخی واقعات سے ان کا ثبوت اور نقلی و عقلی وجوہ پیش کرنے اور سیاسی افکار و نظریات سے اپنے موضوع کی پوری تشریح اور وضاحت، مجھے خود از حد پسند ہوتی تھی اور اس سے مستفیض اور لطف اندوز ہوتا رہتا۔ جہاں بھی حضرت کا بیان ہوتا اور میں حاضر ہوتا، تو ضبط تحریر میں ضرور لاتا رہتا اور بحمد اللہ وہ بیانات اور خطابات میرے لئے مشعل راہ ہیں، چونکہ حضرت کا علمی دور اپنے علاقے سے باہر گذرا، اس لئے مجھے معروف اور اصطلاحی طریقے سے پڑھنے کا موقع نہیں مل سکا، مگر حضرت میرے بعض مشائخ کے استاد رہے ہیں اور اپنے دست مبارک سے سند اجازۃ الحدیث دینے کے شرف سے اس ناچیز کو سرفراز فرما چکے ہیں اور ایک دفعہ مجھے اور حضرت مولانا حمد اللہ جان صاحب آف ڈاگئی کو بخاری شریف کی آخری حدیث شریف پڑھانے اور زبانی اجازت دینے سے بھی سرفراز فرما گئے۔

جب گھر پر اقامت پذیر ہوگئے تو کبھی کبھار آپ کی مجلس اور صحبت سے استفادہ کے لئے حاضر ہوتا رہتا۔

جامعہ اشرفیہ لاہور سے حضرت مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ اور حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی تعلق و عقیدت کی بناء پر زیادہ محبت اور لگاؤ رکھتے تھے، ۱۹۵۶ء میں جب یہ ناچیز جامعہ اشرفیہ لاہور میں دورہ حدیث پڑھ رہا تھا، تو حضرت افغانی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آئے اور دو دن مسلسل ضرورۃ قرآن اور اصول مجادلہ و مناظرہ پر درس دیتے رہے اور پھر حضرت مفتی صاحب رح کے ارشاد پر، جامع مسجد نیلا گنبد میں قبل از نماز جمعہ ایک فصیح و بلیغ تقریر فرما کر واپس ہوگئے۔

آپ کے مناظرے بھی مشہور ہیں اور مناظروں کے لئے شیخ الاسلام، قاسم ثانی حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ کا انتخاب ہوتا تھا، دارالعلوم دیوبند کے زمانہ تدریس میں۔

ظاہری علوم کے ساتھ، حضرت افغانی رحمۃ اللہ علیہ علم باطن اور اصلاح قلب، اور تزکیۂ نفس، تصوف و سلوک کے جملہ علوم و فنون اور مراتب احسان کے نکتہ شناس اور

ماہر تھے، اس سلسلے میں میرے علم کے مطابق، آپ کا تعلق حکیم الامۃ مولانا محمد اشرف علی تھانوی رح اور اُن کے بعد حضرت مفتی محمد حسن رح بانی و مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور سے رہا جو حکیم الامت کے خلیفہ اور مجاز بیعت تھے۔

غالباً اِس قریبی دور میں، حضرت افغانی رح کی طرح کوئی دوسرے عالم وزیر معارف نہیں رہے اور نہ منصب قضاء جیسے اہم عہدہ پر، اتنے طویل عرصہ کے لئے، حضرت رح کے علاوہ، کوئی عالم فائز رہے۔ حضرت افغانی رح دارالعلوم دیوبند کے علاوہ مختلف جامعات اور مدارس اور تحقیقاتی اور علمی اداروں میں اپنے فیوضات سے لوگوں کو سیراب کرتے رہے ہیں اور جہاں بھی رہے، صدر، رئیس اور شیخ کے منصب پر اور سربراہ کی حیثیت سے رہے۔

فجزاہ اللہ تعالیٰ عن الاسلام والمسلمین خیرا وافاض علی ضریحہ شآبیب رحمتہ وغفرانہ واسکنہ بحبوحۃ جنانہ - امین

اِلیٰ أینَ أبکی وَاحدًا إثرَ وَاحدٍ؟

حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدیر البلاغ - کراچی

حضرت مولانا افغانی قدس سرہٗ، ترنگ زئی میں گوشہ نشینی کی زندگی گذار رہے تھے، لیکن ماضی میں انہوں نے بھرپور عملی اور علمی زندگی گذاری اور وہ ملک کی ان گنی چنی شخصیتوں میں سے تھے کہ جب بھی ملک میں کسی علمی اور تحقیقی کام کا تصور آتا تو نگاہیں خود بخود اُن کی طرف اٹھتی تھیں۔

حضرت مولانا افغانی رحؒ نے دارالعلوم دیوبند جیسے عظیم دینی ادارے سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہیں پر تدریسی خدمات انجام دیں، یہاں تک کہ وہاں "شیخ التفسیر" کے منصب پر فائز ہوئے۔

سنہ ۱۹۲۲ء میں ہندوستان میں ہندوؤں کی شدھی تحریک کے زیر اثر فتنۂ ارتداد زوروں پر تھا۔ دارالعلوم دیوبند نے اس موقع پر اس فتنے کے روک تھام کے لئے پچاس مبلغین راجپوتانہ بھیجے۔ اس تبلیغی وفد کا سربراہ حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی قدس سرہٗ کو بنایا گیا۔ حضرت مولانا نے آریہ سماجی تحریک کے خلاف اپنا تبلیغی مرکز "آگرہ" میں قائم کیا اور پھر راجپوتانہ کے طول وعرض میں اپنی تبلیغی مہمات کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کی مؤثر جدوجہد کے نتیجے میں بفضلہٖ تعالیٰ ہزاروں ہندو، حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ ہزاروں مسلمان جو اپنی جہالت کی بناء پر ارتداد کے دہانے پر کھڑے تھے، انہیں ارتداد کے خطرے سے نجات ملی۔

شدھی تحریک کے رہنما مناظروں سے جان چھڑا کر بھاگنے پر مجبور ہوئے اور جن ہندوؤں کو قبولِ اسلام کی توفیق ہوئی، ان کی کٹی ہوئی چوٹیوں کے بال سیروں کے حساب سے بطور یادگار دارالعلوم دیوبند روانہ کئے گئے۔

حضرت مولانا کی اس کامیاب جدوجہد پر خراجِ تحسین پیش کرنے کیلئے دارالعلوم دیوبند میں ایک جلسہ ہوا، جسمیں امام العصر حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری اور شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی جیسے بزرگوں نے مولانا کے اس کارنامے پر انہیں دادِ تحسین سے نوازا اور ان کو دلی دعائیں دیں۔

۱۹۳۹ء میں والیٔ قلات کی طرف سے آپ کو ریاستِ قلات میں وزیرِ معارف (وزیرِ تعلیم) کے عہدے پر فائز کیا گیا۔ آپ نے یہ منصب اکابر دارالعلوم کے مشورے پر قبول فرمایا۔ اس زمانے میں قلات کے اندر قضاءِ شرعی کا نظام نافذ تھا اور یہ نظام وزارتِ معارف کے تحت کام کرتا تھا۔ حضرت مولانا نے اس نظام کو فعال بنایا اور پوری ریاست میں مقدمات کے فیصلے شریعت کے ماتحت ہونے لگے۔ اس نظام کی آخری عدالتِ مرافعہ خود حضرت مولانا کی عدالت تھی۔ چنانچہ سالہا سال آپ نے قلات میں قضاءِ شرعی کا عملی تجربہ فرمایا اور اس دوران اسلامی قوانین اور قضاءِ شرعی پر متعدد کتب تالیف فرمائیں۔ جن میں "معین القضاۃ والمفتین" عربی زبان میں ہے اور اس نے متعدد عرب ممالک میں بڑی مقبولیت حاصل کی۔ اس کے علاوہ اردو زبان میں "شرعی ضابطۂ دیوانی" کے نام سے آپ نے اسلام کے دیوانی قوانین کو دفعات کی صورت میں مرتب فرمایا۔

۱۹۵۵ء میں جب قلات کے اس نظامِ قضاء کو سیکولر عدالتوں کے تابع کردیا گیا تو اس وقت آپ وزارتِ معارف سے مستعفی ہوگئے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ پاک و ہند میں قضاءِ شرعی کا جتنا تجربہ مولانا کو تھا، برصغیر میں کسی اور کو نہ تھا۔

غیر منقسم ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے بعد دینی تعلیم کا سب سے بڑا ادارہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تھا، وہاں بھی حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہٗ کی برکت سے اصحابِ علم و فضل کا جتنا بڑا اجتماع ہوا، دارالعلوم دیوبند کے بعد برصغیر کے کسی مدرسے میں نہیں ہوا۔ حضرت مولانا افغانی عرصہ دراز تک وہاں بھی صدر مدرس رہے اور بخاری شریف کا درس دیتے رہے۔

قیام پاکستان کے کافی عرصہ بعد، جب جامعہ عباسیہ کی جگہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور کا قیام عمل میں آیا تو حضرت مولاناؒ اس میں شعبۂ تفسیر کے صدر رہے اور اس حیثیت میں خدمات انجام دیں۔ اس کے علاوہ آپ مختلف زمانوں میں کراچی کے مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ، لاہور کے مدرسہ قاسم العلوم اور سجاول (ٹھٹھہ) کے دار الفیوض الہاشمیہ میں بھی صدر مدرس کے عہدے پر فائز رہے اور درس و تدریس کے ذریعے ایک عالم کو سیراب کیا۔

۱۹۷۷ء میں جب حکومت نے اسلامی نظریاتی کونسل کی ازسرِ نو تشکیل کرکے اسلامی قوانین کی تدوین کا کام اس کے سپرد کیا تو ابتداءً علماء دیوبند میں سے حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ، کو اس کا رکن نامزد کیا تھا، لیکن حضرت بنوریؒ صرف چند مجلسوں ہی میں شامل ہو سکے تھے کہ ان کا وقتِ موعود آ گیا اور کونسل ان کی خدمات سے محروم ہو گئی، ان کی جگہ پُر کرنے کے لئے کوئی اسی معیار کی شخصیت ضروری تھی۔ حضرت مولانا افغانی قدس سرہ، اگرچہ اس وقت کافی ضعیف ہو چکے تھے لیکن ان کے علم اور تجربے کے پیشِ نظر اس منصب کے لئے انہی کا انتخاب عمل میں آیا اور آپ کئی سال کونسل کے رکن کی حیثیت میں خدمات انجام دیتے رہے۔

احقر کو اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ، کے طفیل، حضرت مولانا افغانیؒ سے نیاز تو بہت پہلے کا حاصل تھا، زیارت بھی بارہا ہوئی تھی، لیکن قریب سے استفادے کی نوبت اس وقت آئی جب آپ کونسل کے رکن بنے۔ احقر بھی اس وقت کونسل کا رکن تھا اور اس طرح حضرت مولاناؒ کے علم، تفقہ اور بصیرت سے استفادے کا بکثرت موقع ملتا رہتا تھا۔ اگرچہ حضرت مولاناؒ اپنے ضعف اور علالت کی بناء پر مجلس میں فعّال حصّہ لینے سے معذور ہو گئے تھے، لیکن ہم لوگوں کو جہاں کوئی علمی مشکل پیش آتی، ہم حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اکثر و بیشتر گرہ کھل جاتی۔

اس ضعف کے عالم میں بھی مولانا کا علمی استحضار اور آپ کی ہمت عمل، ہم جوانوں کے لئے قابلِ رشک اور سرمۂ بصیرت تھی۔ بارہا ایسا ہوا کہ ہم کسی مسئلے کو کتابوں میں تلاش کرنے کی فکر میں تھے اور مطلوبہ کتب میسر نہ آ رہی تھیں۔ مولاناؒ سے مسئلے کا ذکر آیا تو انہوں نے اس طرح اس مسئلے کی تقریر فرمادی جیسے رات مطالعہ کرکے تشریف لائے ہوں۔ احقر کے ساتھ حضرت مولاناؒ جو خصوصی شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، اس کا

اظہار الفاظ میں ممکن نہیں ہے، میں جب بھی حاضرِ خدمت ہوتا، آپ انتہائی شفقت اور خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ احقر کی بات انتہائی توجہ سے سُنتے اور اُسے نہ صرف وزن دیتے، بلکہ بارہا مجلس میں اس بات کا اظہار فرمایا کہ جس مجلس میں تم ہوتے ہو، مجھے اس میں حاضر ہونے کی زیادہ فکر نہیں ہوتی، کیونکہ میں تمہاری رائے سے آنکھ بند کرکے اتفاق کرسکتا ہوں ـــ چھوٹوں کے ساتھ شفقت، حُسنِ ظن اور اعتماد کا یہ انداز بعض اوقات احقر کو پانی پانی کر دیتا تھا۔

علماءِ دیوبند میں تمام بزرگوں کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ انہوں نے صرف حروف و نقوش کے علم پر کبھی اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ تزکیۂ نفس کے لئے کسی شیخِ کامل سے وابستگی کو ہمیشہ ضروری سمجھا۔ حضرت مولانا افغانی سرہٗ نے بھی تحصیل علم کے بعد اس غرض کے لئے متعدد مشائخ سے رجوع فرمایا، بالآخر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علیؒ صاحب تھانوی قدس سرہٗ کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہٗ سے اجازت حاصل ہوئی۔

قحط الرجال کے اس دور میں، جب علمِ راسخ رکھنے والے حضرات ناپید ہو رہے ہیں، حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی رحمۃ اللہ علیہ کی حیثیت ایک روشن چراغ کی سی تھی، جس کے تصوّر سے بھی دل کو اطمینان و تسلّی کی دولت نصیب ہوتی تھی۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی روحِ پُرفتوح پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

مولانا افغانی رح

"میری یادوں کے حوالے سے"

حضرت مولانا محمد سعید الرحمان علوی - لاہور

احقر اپنے برادر بزرگ مولانا حافظ محمد عزیز الرحمٰن خورشید (جو میرے ہر طرح محسن اور حضرات والدین محترمین کے بعد مربی بھی ہیں) کی معیت میں ۲ برس مدرسہ خیر المدارس ملتان میں زیر تعلیم رہا۔ ہماری تعلیم کا ابتدائی دور تھا، لیکن اس جگہ ہم نے وقت کے بڑے علماء اور مشائخ کی زیارت کی۔ انہی میں ایک حضرت مولانا شمس الحق افغانی رح تھے۔ مادر علمی دارالعلوم دیوبند سے وابستہ مدارس کی تنظیم "وفاق المدارس العربیۃ" ہمارے سامنے قائم ہوئی، بلکہ ہم ان چند خوش قسمت طلبہ میں شامل تھے، جنہیں ان حضرات علماء کی خدمت کے لئے مدرسہ نے تجویز کیا۔ حضرت مولانا قدس سرہ' اس تنظیم کے پہلے صدر قرار پائے جو ہر طبقہ کے علماء کی طرف سے ان پر بھرپور اعتماد تھا۔ گو اسوقت چند ارباب مدارس اس تنظیم سے الگ رہے لیکن جن مخلص ہاتھوں نے اس تنظیم کی بنیاد رکھی، ان کا خلوص آج سامنے ہے کہ ملک کا کوئی قابل ذکر مدرسہ ایسا نہیں جو اس میں شامل نہ ہو اور ساتھ ہی اس تنظیم نے اپنا حق، قوت اور زور سے حکومت سے منوایا ہے ــــ گو ابھی بہت سے معاملات باقی ہیں، لیکن بہرحال سفر کی رفتار خوب ہے اور اطمینان ہے کہ جملہ معاملات اچھے انداز سے حل ہو جائینگے۔

اس سے تھوڑے ہی عرصہ بعد حضرت مولانا بہاولپور کی اسلامی یونیورسٹی کے شیخ التفسیر ہو گئے۔ حکومتی اصرار پر اپنے رفقاء کے مشورہ سے انہوں نے یہ منصب سنبھالا اور واقعہ یہ ہے کہ وہ اس کے حقدار تھے بلکہ کہنا چاہیئے کہ اس منصب کو آپ سے اچھا منصب دار آج تک میسّر نہیں آیا۔

اس زمانہ میں اوقاف پنجاب کے سیکرٹری محمد مسعود صاحب کھدر پوش مرحوم تھے۔ بعض معاملات میں ان کا رویّہ بالخصوص علماء کے لئے وجۂ پریشانی بنتا، لیکن اپنے بچپن میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری رح کے دروس کی برکت سے عقائد کے اعتبار سے ان کی اصلاح خوب ہو گئی تھی اور حریّت و آزادی کے جراثیم ان میں بطریق اتم موجود تھے وہ جب بہاولپور دورے پر گئے تو اپنے علمی ذوق کے پیش نظر اساتذہ کے اسباق بھی سنے۔ حضرت مولانا کے درس میں گئے تو آپ غایت درجہ غیرت و خودداری سے مصروف درس رہے اور شہنشاہ حقیقی کی کتاب سامنے رکھ کر ایک مجازی افسر کے لئے کسی قسم کا اہتمام نہ کیا۔ مسعود مردم شناس اور قدردان تھے۔ پچھلی صف میں دو گھنٹے بیٹھ کر سبق سنتے رہے پھر ایک دوسرے عالم کے درس میں گئے۔ جو حدیث کے مدرس تھے اور ملتان سے متعلق تھے۔ ان کا مسلکی ذوق اہل سنت برادری کی تکفیر کے معاملہ میں مولانا احمد رضا بریلوی جیسا تھا۔ مسعود صاحب چند منٹ ان کے درس میں بیٹھے اور پھر دل برداشتہ ہو کر اٹھ گئے۔ دو پہر بعد انہوں نے ان محدث صاحب کو اپنی قیام گاہ پر طلب کیا اور انہیں توجہ دلائی کہ اگر آپ کو اس فن سے مناسبت نہیں تو تکلف کا ہے کو کرتے ہیں، مسند تدریس پر اچھل کود سے آدمی بڑا مدرس نہیں بن جاتا —— بہتر ہوگا کہ آپ مولانا افغانی سے کچھ پڑھانا سیکھ لیں —— یہ تھے مولانا افغانی رح۔

بہاولپور، ملتان سے کا فاصلہ زیادہ نہ تھا۔ حضرت استاذ گرامی، مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ، حضرت مولانا کو وقفہ وقفہ سے ملتان سے تشریف لانے کی زحمت دیتے تاکہ خاص طلبہ کے لئے درس کا اہتمام ہو سکے۔ مولانا خیر محمد اور مولانا افغانی کا آپس میں بڑا گہرا تعلق تھا۔ خانقاہ تھانہ بھون کے عظیم المرتبت شیخ حکیم امت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ العزیز سے دونوں کا تعلق تھا۔

گویا دونوں سے خانقاہ اشرفیہ کے خواجہ تاش اور امدادی و اشرفی چشمۂ صافی

کے جرعہ نوش۔ مولانا کو جونہی دعوت ملتی، تو فوراً تشریف لاتے اور طلبہ کو درس سے محظوظ فرماتے ـــــ احقر کی عمر اور علم ایسا نہ تھا کہ اتنے بڑے انسان کا درس اس کی گرفت میں آجاتا، تاہم گھر کے ماحول میں حضرت جدامجد، استاذی حافظ غلام یاسین صاحب رح اور والد گرامی مولانا محمد رمضان علوی مدظلہ العالی کی نظر شفقت نے علم کی شُد بُد ضرور پیدا کر دیتی تھی۔ اس لئے کچھ نہ کچھ پلے پڑ جاتا تھا ـــــ مجھے یاد ہے کہ سورۂ مریم کے درس کے دوران حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی دعوت اور ذوق تبلیغ پر بڑی مؤثر گفتگو فرمائی اور آیت ع۔ پر مفصل گفتگو فرمائی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہدایت و سعادت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور یہ بالکل ممکن ہے کہ کسی بڑے کا بیٹا بے راہی کا شکار ہو کر فرائض ربانی سے غفلت کا شکار ہو جائے اور شہوات کا پیروکار ہو کر جہنم کا ایندھن بن جائے ـــــ مولانا نے فرمایا کہ اس کی عملی شکل دیکھنی ہو تو آج کے مشائخ اور جلیل المرتبت علماء (الا ماشاء اللہ) کی اولاد کو دیکھ لیں جو واقعتاً اس آیت کے مصداق ہیں، جنہوں نے اپنے اسلاف کے کفن بیچ کر اپنی رُو سیاہی کا سامان کر رکھا ہے جو علم سے آشنا ہیں، نہ دانش سے، جن میں اعمال خیر ہیں اور نہ ہی انہیں اپنے بڑوں کی عزت کا خیال ہے ـــــ مولانا نے زور دیکر فرمایا کہ آج کی اس مخلوق کو "صاحبزادگان" کہتے ہیں، جن سے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ پناہ مانگتے ـــــ مولانا نے فرمایا کہ یہ مخلوق ایسی ہے کہ جب بگڑتی ہے تو نجس جانوروں سے بدتر ہو جاتی ہے ـــــ مولانا اس مرحلہ پر جذباتی ہو گئے اور زور دیکر یہ بات کہی کہ ہدایت و سعادت بندۂ عشق بننے میں ہے نہ کہ کسی بڑے کی اولاد ہونے میں کوئی عظمت نہیں۔ گویا بقول جامی

بندہ عشق شدی، ترک نسب کن جامی ۔۔۔ کہ دریں راہ ابن فلاں، ابن فلاں چیزے نیست

مولانا کے دروس ایسے ہی مؤثر ہوتے اور بڑی خوش اسلوبی سے مسائل کو ذہن نشین کراتے ان کے اِس درس کو میں آج بھی یاد کرتا ہوں تو مولانا کی قرآن فہمی کے ساتھ ساتھ ان کی سادگی، خلوص اور مسائل حاضرہ پر ان کی گہری نظر کا اندازہ ہوتا ہے ـــــ آج ہمارے چاروں طرف برباد شدہ خانقاہیں، ویران مدارس اور اجڑی ہوئی جماعتیں، اس جنس ناہنجار "صاحبزادگان" کی بدبختیوں کی چغلی کھا رہی ہیں اور زبانِ حال سے اللہ تعالیٰ کے حضور

اس جنس سے پناہ مانگ رہی ہیں۔

مدرسہ خیر المدارس کے شیخ الحدیث حضرت العلامہ مولانا محمد شریف تھے جواب بھی اس مسند پر فائز ہیں (اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھے) وہ حضرت امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیری قدس اللہ سرہ العزیز کے ہم وطن اور شاگرد تھے۔ حضرت افغانی کے بھی شاگرد تھے، لیکن مدرسے میں حضرت مہتمم صاحب کے بعد دوسرے بڑے آدمی تھے ——— علم، عمل، تقویٰ اور ذوق تدریس میں اپنی مثال آپ تھے ——— لیکن ان گنہگار آنکھوں نے جسطرح انہیں مولانا شمس الحق کے پیچھے چلتے دیکھا۔ استاذ کی جوتیاں سیدھی کرتے دیکھیں اور ہمہ وقت خدمت میں مشغول پایا، اس سے جہاں مولانا افغانی کی عظمت اور بھی دل میں جم گئی اور ساتھ ہی عظیم اسلامی و مشرقی روایات کے عملی نمونے دیکھنے کو ملے ——— عزیز شاگرد' اپنے اساتذہ پر کسطرح دل و جان چھڑکتے، اس کا اندازہ اس سے ہوا۔ اس سے قبل حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے متعلق سنا کہ وہ اپنے استاذ و شیخ مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کے لئے قید افرنگ میں چلے گئے اور مالٹا کی یخ بستہ وادیوں میں ۴ سال اسطرح استاذ کی خدمت کی کہ سبحان اللہ ——— مولانا محمد شریف کاشمیری کو حضرت مولانا شمس الحق کی خدمت میں آنکھوں سے دیکھا، اس سے اللہ تعالیٰ نے بعض اسباق دل میں راسخ کر دیئے اور الحمد للہ کہ عملی زندگی میں وہ بہت ہی کام آئے اور اب تک کام آ رہے ہیں۔

خیر المدارس کی تعلیم کے بعد مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ، مہتمم جامعہ عربیہ سراج العلوم سرگودھا، مولانا عبدالحکیم مہتمم جامعہ فرقانیہ مدنیہ' راولپنڈی اور مولانا صوفی عبدالحمید صاحب مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے مدارس میں تعلیم کا موقعہ ملا۔ ہر جگہ ہر کسی نہ کسی حوالہ سے مولانا سے رابطہ رہا اور ان کی بے پناہ علمی شخصیت سے متاثر ہونے کے مواقع میسّر آئے۔

۱۹۶۶ء میں جب ہم لوگ دورۂ حدیث پڑھ رہے تھے تو نصرۃ العلوم کے مہتمم صاحب سے درخواست کی کہ تقسیم اسناد کا جلسہ ہونا چاہیئے لیکن ان کا مؤقف یہ تھا کہ ایسا مناسب نہیں، ہزاروں کے اجتماع میں فضلاء کی دستار بندی اور تقسیم اسناد کے بعد فضلاء نااہل ثابت ہوئے تو کیا بنے گا؟

—— اور اگر فضلاء نے کوئی خدمت کی، تو خود دنیا میں ان کا نام ہو جائے گا، تاہم یہ طے ہوا کہ حضرت افغانی رح سے وقت لے کر ختم بخاری ان سے کرائی جائے —— اس سلسلہ میں حضرت والا سے رابطہ ہوا۔ آپ اس وقت بہاولپور میں تھے، مدرسہ کے شیخ الحدیث، استاذنا المحترم مولانا محمد سرفراز خان صاحب، حضور کی درخواست پر حضرت مولانا تشریف لائے۔ صبح کی نماز کے بعد تو حضرت والا کا عام درس ہوا، جبکہ ظہر بعد بخاری شریف کی آخری حدیث پر نہایت عالمانہ گفتگو فرمائی۔

احقر اساتذہ کی تقاریر التزام سے نوٹ کرتا بلکہ حضرت الاستاذ مولانا محمد سرفراز صاحب کے حکم پر خود ان سے کی تقاریر کی ایک نقل ان کی خدمت میں پیش کی۔ جو اس وقت سے برابر درس کے دوران ان کے پیشِ نظر رہتی ہے اور وقتاً فوقتاً حضرت والا اس کا ذکر کر کے احقر کو دعاؤں سے نوازتے ہیں۔ حضرت مولانا کی تقریر احقر نے حرف بحرف نقل کی جسے استاذی مولانا صوفی عبدالحمید صاحب مہتمم مدرسہ نے اپنے گرامی نامہ کے ساتھ مولانا سمیع الحق صاحب کو بھیجا تاکہ الحق میں شائع ہو جائے۔ افسوس کہ ایسا نہ ہوسکا۔ بعد میں احقر نے اسے خدام الدین کی ادارت کے زمانہ میں اسے خدام الدین میں شائع کر دیا —— واقعہ یہ ہے کہ وہ تقریر بڑی مؤثر اور عجیب دلنواز تھی، ایسے ایسے علمی نکات تھے کہ سبحان اللہ۔

حضرت مولانا نے قضاء و افتاء کے سلسلہ میں جو مختصر لیکن جامع کتابچہ لکھا تھا، اسے ہمارے خیر المدارس کے ہر استاذ، حضرت المخدوم مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ادارہ سے خوبصورت انداز میں شائع کیا تھا۔ ایمانداری کی بات یہ ہے کہ "قضاۃ" کے لئے وہ ایک بنیادی چیز ہے اور کوئی صاحب علم اس سے بے نیاز نہیں ہوسکتا —— مولانا نے قلات کے وزیر معارف کی حیثیت میں جو خدمات سرانجام دیں، وہ ایک مستقل داستان ہے اور اسی داستان سے متاثر ہو کر مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی رح کے نبیرہ گرامی، قاری محمد طیب صاحب رح نے علماء کو توجہ دلائی کہ مولانا افغانی کی زندگی سے فائدہ اٹھائیں اور اسلام کا نظام عدل ان سے مرتب کرالیں کہ یہ کام تنہا وہی کر سکتے ہیں، وہ دنیا سے رخصت ہو گئے تو یہ کام پھر ممکن نہ ہو گا۔

افسوس کہ یہاں طبقہ علماء نے اس طرف توجہ نہ دی۔ جمہوریت کی بحالی کے شوق میں کوئی ٹھوس کام نہ ہو سکا اور مولانا اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

۱۹۶۸ء میں صدر ایوب خان مرحوم نے عالمی سطح پر علماء کی ایک موتمر کا اہتمام کیا۔ یہ موتمر راولپنڈی کے انٹر کانٹیننٹل ہوٹل میں ہوئی جس میں عرب دنیا، ایشیائی ممالک اور دوسرے مقامات کے اہل علم نے شرکت فرمائی۔ پاکستان سے مولانا افغانی، محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوری، مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، اور فقیہ العصر مولانا مفتی محمود قدس اللہ اسرارھم بھی اس میں شامل تھے، میں نے ملک و بیرون ملک کے جلیل المرتبت علماء کو مولانا افغانی کے سامنے تلمذانہ بیٹھ کر استفادہ کرتے دیکھا۔

اسی موتمر کے موقعہ پر عائلی قوانین سے متعلق ایک کمیٹی کے مولانا بھی ممبر تھے اور ایک دوسرے پاکستانی عالم بھی، جو آج کل شریعت کورٹ میں ہیں۔ اور جو صدر ضیاء الحق کے بہت قریب تھے —— حتیٰ کہ صدر صاحب انہیں سونے میں تولنے کی خواہش رکھتے تھے —— معلوم نہیں کیوں؟ اُن صاحب نے ایوب خان کے نافذ کردہ عائلی قوانین کی حمایت میں ووٹ دیا تھا۔ مولانا افغانی نے مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزاروی کو اس سے آگاہ کیا۔ مولانا ہزاروی نے احقر کی ڈیوٹی لگائی کہ اس کانفرنس کی کاروائی ہفت روزہ ترجمان اسلام کے لئے مرتب کرنا ہے —— چنانچہ مولانا ہزاروی مجھے لے کر حضرت افغانی کی خدمت میں گئے تاکہ میں خود ان سے یہ بات سن سکوں۔ اس کمیٹی میں مصری اور دوسرے علماء بھی تھے، لیکن اس پاکستانی عالم کے سوا کسی نے مروجہ عائلی قوانین کی حمایت نہ کی۔ اس دور میں ترجمان اسلام جوبن پر تھا —— جب احقر کی رپورٹ چھپی تو ان صاحب کے حلقہ میں کھلبلی مچ گئی۔ اتفاق سے احقر کا اور ان کا وطن ایک ہی تھا، ان کے حلقہ کے خدام، احقر کی تعاقب میں لگ گئے۔ میں نے ان سے کہا کہ میرے پاس اتنی عظیم شہادت ہے، اس لئے میری طرف سے معذرت کا سوال نہیں۔ ہاں آپ کے قبلہ صاحب حلفیہ بیان دیدیں کہ انہوں نے عائلی قوانین کی حمایت میں ووٹ نہیں دیا تو میں معذرت کر کے اس کا ازالہ کرونگا۔ ان لوگوں نے بیان لادینے کا وعدہ کیا لیکن ایفاء نہ کر سکے۔

ایک دوسرے موقعہ پر احقر نے مولانا افغانی سے جب یہ قصہ عرض کیا، تو انہوں

نے فرمایا کہ ان صاحب نے جب حمایت کی ہے تو وہ کسطرح انکار کر سکتے ہیں اور اگر ایسا کرینگے تو ہم تحریری کاروائی سے ان کا جھوٹ ثابت کریں گے ــــــ افسوس ہے کہ اس قسم کے افراد آج ذمہ دار اداروں پر قابض اور اہم مناصب پر فائز ہیں۔

مجھے مولانا مفتی محمود صاحب رح کی توسط سے علم ہوا کہ صدر ضیاء الحق نے اپنے ابتدائی دور میں جب شرعی کورٹ کا فیصلہ کیا تو ابتداء میں تنہا نام مولانا افغانی کا تھا۔ ان کی حلف برداری کی تاریخ طے کرنے کی غرض سے مفتی صاحب لاہور سے اسلام آباد گئے۔ اس وقت مفتی صاحب اور ضیاء صاحب کی راہیں مشترکہ تھیں۔ ضیاء صاحب نے انہیں بتلایا کہ ہمارے چیف جج جملہ ججز سمیت استعفیٰ لیکر آگئے ہیں کہ ہمارے لئے علماء کا وجود قابل برداشت نہیں ــــــ ضیاء صاحب نے معذرت کی اور بقول مفتی صاحب یہ وعدہ کیا کہ ان جج صاحبان کے ساتھ انہی عدالتوں میں، میں علماء کو بٹھاؤنگا ــــــ ضیاء صاحب نے اپنا وعدہ تو پورا کر دیا، لیکن اسطرح کہ ان کورٹس سے کوئی مؤثر فائدہ نہ ہوا۔ پھر مفتی صاحب کی راہیں جدا ہو گئیں اور مولانا افغانی اس جگہ تشریف لے گئے، جہاں ہر کسی کو جانا ہے ــــــ میرا خیال ہے کہ جس قسم کا عدالتی سسٹم ہمارے یہاں ہے، اس سے سوائے نقصان تو کچھ حاصل نہیں ــــــ اللہ تعالیٰ نے مولانا کو اس ابتلاء سے محفوظ رکھا اور وہ اپنی شاندار زندگی لے کر اللہ تعالیٰ کے حضور چلے گئے۔

وہ زندگی جو شرافت، تقویٰ، نجابت، للھیت، اور تعلیم و تعلم سے عبارت تھی۔ وہ بنیادی طور پر علم کی دنیا کے انسان تھے، تدریس کے انسان تھے، اسی راہ میں زندگی گذاری اسی راہ میں دنیا سے چلے گئے۔ ان سے براہ راست فیض یافتہ حضرات اور ان کے اہل خاندان کا فرض ہے کہ وہ ان کی علمی کاوشوں کو جمع کریں، ان کے مکتوبات، تحریرات اور دوسری چیزیں ڈھنگ اور سلیقہ سے مرتب کرکے نسلِ نو کے سامنے انہیں پیش کریں تاکہ اس نہایت درجہ سادہ طبیعت انسان میں علم و دانش کی جو گہرائی تھی، اس سے نسلِ نو آگاہ ہو سکے اور ان کی مفصل، مبسوط اور جامع سوانح حیات کی ترتیب کے لئے ایک نظم بنائیں، اس کے لئے کسی اچھے قلمکار کی خدمت حاصل کریں اور اب، جبکہ مولانا کے جاننے پہچاننے والے بہت سے لوگ موجود ہیں، یہ کام کر گذریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کی توفیق دے۔ آمین

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

ملفوظاتِ افغانی قدس سرہٗ

حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہٗ، کُلاچی

⦿ فرمایا۔ میں حضرت مدنیؒ کے ہاں مہمان تھا۔ کھانے کا وقت آیا تو حضرت نے خود لوٹا اٹھا کر فرمایا، افغانی صاحب ہاتھ دھو لیجئے۔ میں نے عرض کیا، استغفراللہ! حضرت یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ فرمایا۔ مولوی صاحب حدیث پڑھاتے ہو مگر کسی کو حدیث پر عمل کرنے نہیں دیتے۔ میں نے کہا، حضرت یہ کیسے فرمایا؟ فرمایا کیا یہ حدیث نہیں ہے۔ من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ۔ تو کیا مجھے اپنے مہمان کا اکرام نہیں کرنا چاہیئے؟
حضرت افغانیؒ نے فرمایا۔ میں نے کہا، حضرت یہ اچھا اکرام ہے جس سے مہمان کو تکلیف ہو۔ تو جواب میں ہنس کر فرمایا۔ بھائی کسی کو تکلیف ہو یا کچھ، ہم تو حدیث پر عمل کرینگے۔

⦿ فرمایا، ایسا ہی ایک دفعہ حضرت کا مہمان تھا۔ حضرت سفر پہ تھے، ہمارے لئے مہمان خانہ میں چارپائیاں بچھا دی گئیں۔ رات کو کسی وقت حضرت سفر سے واپس آئے، گھر کا دروازہ مہمانخانہ کے اندر تھا۔ کنڈی لگی ہوئی تھی، جسے کھٹکٹانے سے مہمانوں کی بے آرامی کا خطرہ تھا تو حضرت مہمانخانہ ہی میں فرش زمین پر لیٹ کر سو گئے۔ حضرت افغانیؒ نے فرمایا میں آخری رات کو اٹھا۔ حضرت کو نیچے سوتا ہوا دیکھ کر بہت ندامت محسوس کی۔ باہر گیا۔ وضو کیا اور ماقدر لی من الصلوٰۃ نفل پڑھے، واپس آیا تو حضرت جاگ رہے تھے۔ میں نے افسوس —

ناک لہجہ میں عرض کیا، حضرت غضب ہوگیا، ہم اوپر سوئے اور آپ نیچے لیٹے رہے، حضرت نے فرمایا۔ "اور یہ غضب نہ ہوتا کہ میں اوپر ہوتا اور مہمان نیچے سوتے۔

⦿ فرمایا۔ حضرت مدنی کی سخا یا مہمان نوازی کا یہ حال تھا، کہ ایک دفعہ میں قلات سے آپ کے پاس انگور لایا۔ آپ نے حاضرین میں بانٹنا شروع کر دیا، گھر میں پتہ چلا تو انہوں نے کسی بچہ یا خادم کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ سنا ہے افغانی صاحب، انگور لائے ہیں، ہمارا حصہ بھیجئے۔ فرمایا۔ دیر سے مطالبہ کیا ہے، اب تو ختم کر چکا ہوں۔

⦿ راقم الحروف ۱۳۵۷ھ میں شریک دورہ حدیث شریف تھا۔ سیدی حضرت افغانی رح اس سال طحاوی شریف پڑھا کر قلات تشریف لے گئے۔ چند ماہ کے بعد، دیوبند حضرت مدنی رح کے ہاں تشریف لائے۔ طلباء نے اعزازاً جلسہ منعقد کیا۔ جہاں تک یاد ہے جلسہ حضرت مدنی رح ہی کی صدارت میں دارالحدیث میں ہوا، جیسا کہ عادت ہے، نعرے پر نعرے لگتے رہے، حضرت افغانی رح نے غالباً آیت کریمہ یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ والتنظر نفس ما قدمت لغد کی تلاوت فرمائی۔

عمل کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو دو قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ قوت گفتار اور قوت کردار۔ اور عجیب یہ ہے کہ یہ دونوں قوتیں ترازو کے دو پلڑوں کی طرح بالکل ایک دوسرے کے مقابل واقع ہوئے ہیں جو جتنا اونچا رہیگا، دوسرا اتنا ہی نیچا۔ فرمایا۔ کسی زمانہ میں مسلمان کردار کا غازی تھا تو نعرہ بازی سے بالکل ناآشنا تھا، لیکن آج حالت یہ ہے کہ نعرے پر نعرے تو لگ رہے ہیں، مگر عمل کو دیکھا جائے تو صفر، جو کسی بھی طرح قابلِ تعریف نہیں ہے۔

⦿ علی گڑھ کا پرنسپل یا کوئی پروفیسر حضرت افغانی رح کی خدمت میں حاضر ہوا اور وجود خدا پر دلیل طلب کی۔ آپ نے فرمایا۔ علی گڑھ سے آپ کب تشریف لائے۔ انہوں نے کہا، آج ہی۔ فرمایا۔ کل بھی تو آپ آسکتے تھے، آج کی تخصیص کیوں ہوئی ہے؟ اس نے کہا، ارادہ تو کل تھا، لیکن ذرا طبیعت علیل تھی، اس لئے نہ آسکا۔ فرمایا۔ طبیعت کل ٹھیک

رہتی اور آج ناساز ہو جاتی، اس کے برعکس کیوں ہوا۔ اس نے کہا، کل ہوا میں ذرا تعفن تھا۔ آپ نے فرمایا۔ کل ٹھیک رہتی اور آج اس میں تعفن ہوتا، یہ بھی تو ممکن تھا، اس کے خلاف کیوں ہوا۔ اس نے دو چار کیوں کے بعد گھبرا کر پوچھا، مولانا یہ کیوں میرا پیچھا چھوڑیگا بھی یا نہیں۔ آپ نے فرمایا، جب تک خدا کا وجود نہیں مانو گے "کیوں" آپ کا پیچھا کرتا رہیگا ——— خدا مان لو یہ سوال فوراً ختم ہو جائیگا، کیوں کہ وہ ذات لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ، فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْد ہے، یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ اور عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ہے، وہ صمد ہے، وہ اسباب کا محتاج نہیں سب کچھ اپنے ارادہ اور مشیت سے کر سکتا ہے اور کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ وہ خاموش ہو گئے، کیونکہ بات صحیح تھی اور اس کے بغیر چارہ ہی نہیں ہے۔

ایک عیسائی نے دوران مناظرہ دعویٰ کیا کہ قرآنی حقائق سب کے سب انجیل میں موجود ہیں، قرآن کوئی نئی حقیقت نہیں لایا اور اس لئے انجیل کے بعد کسی کتاب کے نازل ہونے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی ——— آپ نے فرمایا — پادری صاحب! یہ دعویٰ آپ نے سوچ سمجھ کر کیا ہے یا یوں مبالغہ ہی کر گئے کہ قرآن کے تمام حقائق انجیل میں موجود ہیں اور قرآن کوئی بھی نئی بات نہیں لایا — پادری صاحب نے بڑے زور و شور سے اپنا دعویٰ دہرایا اور کہا کہ ہم ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں کہ قرآن کوئی نئی بات نہیں لایا، تمام چیزیں انجیل سے لی ہیں۔

اس پر حضرت نے اٹھ کر فرمایا۔ اچھا پادری صاحب! بتلاؤ انجیل میں "محمد رسول اللہ" ہے یا نہیں؟ وہ بہت سٹپٹایا اور کہا کہ میرا مطلب یہ نہیں تھا، یہ تھا وہ تھا اور لگا تاویل کرنے۔ لیکن لوگوں نے تالیاں بجادیں اور اسلام زندہ باد، قرآن زندہ باد کے نعرے لگنے لگے، کیونکہ وہ اگر یہ مان لیتا کہ انجیل میں "محمد رسول اللہ" ہے تو اسے مسلمان ہونا پڑتا، اگر نہ مانتا تو اپنی بات میں جھوٹا ثابت ہوتا، کہ قرآن نے کوئی بھی نئی حقیقت بیان نہیں کی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے منکرین سے گفتگو چلی، تو

حضرت نے فرمایا۔ فقہ اسلامی کی رُو سے مفتی بہ روایت کیا ہے کہ غیر جنس سے نکاح جائز ہے یا ناجائز۔ فرمایا۔ سب نے کہا ناجائز۔ فرمایا۔ ازواج مطہرات، صدیقہ عائشہ رضؓ، خدیجۃ الکبریٰ رضؓ اور دوسری ازواج مطہرات کے متعلق کیا خیال ہے، از جنس بشر تھے یا نہیں سب نے کہا، یقیناً بشر تھیں۔ فرمایا اب انکارِ بشریت کا نتیجہ خود ہی سوچ لو۔

چند تحریرات مبارکہ

حضرۃ بقیۃ السلف جامع الکمالات الشیخ العلامہ شمس الحق افغانی رحؒ کی چند اہم تحریرات مبارکہ ارسالِ خدمت ہیں جسے ماہنامہ النصیحۃ چارسدہ کے خاص نمبر میں شائع کرکے مہربانی فرماویں۔ ان تحریراتِ مبارکہ پر مضمون کا عنوان تجویز کردیا ہے، چھ تحریرات میں سے آخری دو میں حضرت افغانیؒ نے اپنے مکاتیب شریفہ مبارکہ کے بارہ میں اظہارِ خیال فرماتے ہوئے اپنے احباب وتلامیذ کو جو پیغام دیا ہے اس پر عمل کرتے ہوئے تمام حضرات سے گذارش ہے کہ جلد از جلد حضرتؒ کے جملہ مکاتیب شریفہ کا عکس روانہ کردیں تاکہ جلد شائع ہو سکے۔

پتہ:۔ احمد عبدالرحمٰن صدیقی ایم اے، مدیر نظارۃ المعارف مسجد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، نزد لال پل۔ نوشہرہ صدر۔ ضلع پشاور (فون نمبر ۳۵۲۲)

عزیزم صدیقی صاحب سلمہ اللہ،

بعد از سلام مسنون ودعاء ترقیات آنکہ خط پہونچا۔ کتاب کا نام "سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا اسلامی معاشی نظام سے موازنہ" موزون ہوگا۔ صحت حسن طباعت کا خاص لحاظ رکھیں، جب نام تبدیل ہوا اور ترتیب بھی بدلی تو جدید ایڈیشن لکھنے کی ضرورت نہیں، البتہ فہرست نہایت ضروری ہے۔ "سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا اسلامی نظام سے موازنہ"

بسملاً وحامداً ومصلیاً محترم مولانا مولوی احمد عبدالرحمٰن صدیقی نے مکتبہ حکمت اسلامیہ نوشہرہ کی

طرف سے مذکور کتاب کو عمدہ طباعت کے ساتھ شائع کیا، جسکی دورِ حاضر میں شدید ضرورت تھی، یہ کتاب چونکہ احقر کی طرف منسوب ہے، اس لئے میں خود کچھ لکھنا مناسب نہیں سمجھتا لیکن اس کتاب کا پہلا نسخہ جس سے یہ نسخہ صوری و ترتیبی حیثیت سے بہر لحاظ فائق ہے، اس کی اشاعت سے بڑے افسروں اور جدید تعلیم یافتہ حضرات نے جو اثر لیا ہے اور ان کو اس کتاب سے جو ہدایت کی روشنی نصیب ہوئی، اس کو میں اپنے لئے ذریعہ نجات سمجھتا ہوں اور میری دعا ہے کہ اس کتاب کی اشاعت کو اللہ جل جلالہٗ مسلمانوں کے لئے سبب ہدایت اور جناب صدیقی صاحب اور ان کے والد مرحوم کے لئے موجب نجات و سعادت اُخروی بنا دے۔ آمین۔ دورِ حاضر میں علماء و طلبہ دونوں کے لئے اس کتاب سے استفادہ کرنا بے حد ضروری ہے تاکہ وہ اسلام کی حفاظت کر سکے اور اس جدید ہتھیار سے جدید فتنوں کا انسداد کر سکے۔

دستخط: شمس الحق افغانی عفا اللہ عنہٗ

جامعہ اسلامیہ بہاولپور، ۱۲ محرم ۱۳۸۸ھ

تقریظ مبارکہ بر دانائے راز

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امّا بعد۔

حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری نور اللہ مرقدہٗ، جامع الشریعت والطریقت کی شخصیت تمام علماء میں انتہائی مقبول ہے اور تقریر و تحریر کے ذریعہ مسلمانوں کی اصلاح جو اُن سے ہوئی ہے، اس کی نظیر کمیاب بلکہ نایاب ہے۔ اس کے علاوہ ان کی صحبت کی برکات کا اثر سابقہ اولیاء اُمت کا نمونہ تھا۔ ایسے بزرگ کی سوانح عمری حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فیض روحانی کی اشاعت کا واحد ذریعہ ہے۔ حضرت علامہ احمد عبد الرحمن صاحب صدیقی نے آپ کی سوانح عمری بنام "دانائے راز" لکھی، جو حضرتؒ کے متعلقین بلکہ تمام مسلمانوں پر حضرت صدیقی صاحب کا عظیم احسان ہے۔ اور دوران طبقے کا فرض ہے کہ وہ اس کتاب کی اشاعت میں کوشش کریں تاکہ خود بھی اس سے مستفید ہوں اور دوسرے مسلمان بھی مستفید ہوں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا صدیقی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی اس خدمت کو مقبول فرمائیں اور اس کتاب کو اُن

کے لئے اور اس سے فیض یافتوں کے لئے ذریعۂ نجات آخرت بنا دیں۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و آلہ وصحبہ وبارک وسلّم۔

شمس الحق افغانی عفا اللہ عنہ
یوم عاشورا ۱۴۰۰ھ

پیغام مبارک بر ختم دورہ ترجمہ قرآن حکیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

میں یہ معلوم کرکے نہایت خوش ہوا کہ نوشہرہ میں مدرسہ انوار القرآن، شعبہ انجمن خدام الدین میں عزیزم حضرت مولانا احمد عبدالرحمن صدیقی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کا درس قرآن جاری ہے اور چھ بار تقریباً ترجمہ وتفسیر قرآن حکیم کا اختتام ہو چکا ہے، جس سے جملہ زیر تعلیم جدید و قدیم طلباء بحمدہ تعالیٰ انتہائی متاثر ہیں، ان کی یہ خدمت انشاء اللہ تعالیٰ اشاعت دین کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اب مجوزہ[1] نئے مدرسہ میں ساتویں مرتبہ شروع ہونے والے درس قرآن وحدیث میں بھی اللہ تعالیٰ برکت فرمائے اور اصلاح روحانیت و قرآن فہمی کی رُوح تمام زیر درس طلباء میں علماً و عملاً راسخ فرمائے۔ نیز انجمن خدام الدین رجسٹرڈ نوشہرہ چھاؤنی جس دینی، قرآنی اور روحانی خدمت میں مصروف ہے، اس کے لئے اور اُن کی تقریری و تحریری سب خدمات کے حق میں کامیابی کی دُعا کرتا ہوں۔ آمین وصلی اللہ علی النبی الکریم وآلہ وصحبہ اجمعین۔ فقط والدعاء۔

(بقلم محمد داؤد جان افغانی)

شمس الحق افغانی عفا اللہ عنہ،
یوم عاشورا ۱۴۰۳ھ

[1] الحمد للہ اکابر کی دعاؤں و برکات سے یہ مجوزہ مدرسہ "نظارۃ المعارف" کے نام سے مسجد سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نزد لال پل نوشہرہ صدر ضلع پشاور میں قائم کر دیا گیا ہے، البتہ مدرسہ اور مسجد دونوں کی نئی تعمیرات کے لئے سب قارئین کرام و احباب کی خدمت میں دعاؤں اور توجہات مبارکہ کی مودبانہ درخواست ہے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔

- معائنہ انجمن خدام الدین رجسٹرڈ نوشہرہ صدر

شمس العلماء زبدۃ العرفا حضرت العلامہ شمس الحق صاحب افغانی رح کا ارشاد گرامی

آج مورخہ ۱۸ اگست ۱۹۶۷ء کو میں نے انجمن خدام الدین کے شعبہ ہائے خدمت کا معائنہ کیا ہے اور اس کے ناظم اعلیٰ مولانا احمد عبدالرحمن صاحب صدیقی سے زبانی کوائف بھی معلوم ہوئے اور ان رسائل کو بھی دیکھا جو انجمن مذکورہ نے احیاء دین کے سلسلے میں شائع کئے ہیں۔ ان سب امور پر نظر رکھتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ انجمن کے ناظم اعلیٰ اراکین و معاونین میں خدمت دین کا ایک خاص تڑپ اور ولولہ موجود ہے اور بحیثیت مجموعی ان میں رضاء الٰہی اور خدمت دین کا صحیح جذبہ کارفرما ہے۔ ان کے کام کا پروگرام وسیع ہے، طلباء کالج وغیرہ کو درس قرآن بھی دیتے ہیں اور حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالحق صاحب شیخ الحدیث کی ہدایات کے مطابق صحیح راہ عمل پر گامزن ہیں۔ وسعت دائرہ کار کے پیش نظر انجمن مالی اعانت کی محتاج ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس شمع ہدایت کو زندہ رکھنے کی طرف اہل خیر خصوصی توجہ مبذول کر کے اپنے سرمایہ کو ابدی شکل میں تبدیل کر دیں گے۔

میں دعا کرتا ہوں کہ یہ انجمن روز افزوں ترقی کرے (آمین)

(شمس الحق افغانی)

طریقہ اخذ فیض روحانی معہ ارشاد دربارہ مکاتیب شریفہ

عزیز القدر مولانا صدیقی صاحب، زید عرفانک۔

بعد از سلام مسنون و ترقیات صوری و معنوی و فلاح دارین۔ اولیاء کرام سے روحانی فیض و برکات حاصل کرنے کے لئے صاحب قبر یا اپنے محبوب بزرگ کا تصور کر کے سو مرتبہ یا کم از کم گیارہ مرتبہ یہ دعا پڑھیں:-

"اَللّٰھُمَّ اَفِضْ عَلَیَّ مِنْ بَرَکَاتِکَ بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْاَبْرَارِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

وَ بِحُرْمَةِ خُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ وَ بِحُرْمَةِ جَمِیْعِ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ،
اور پھر مراقب ہو کر استفادہ کرنے کی اجازت ہے۔

فرزندم محمد داؤد کی طرف سے اعلان جلد شائع ہوگا کہ جن احباب و عقیدتمندوں کے پاس میرے مکاتیب ہوں اُن کے اصل وہ اپنے پاس رکھکر ان کی نقول اسے بھیجدیں پھر وہ تمہیں سوانح کے لئے دیئے جاویں گے، انشاءاللہ۔ فقط والدّعاء

شمس الحق افغانی عفا اللہ

۱۲ر جمادی الثانی ۱۴۰۰ھ، بمطابق

۷ر مئی ۱۹۸۰ سنہ م

اعلان ضروری برائے مکاتیب شریفہ

میرے احباب و تلامیذ متوجّہ ہوں

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! کافی عرصے سے احباب کرام و مخصوص متعلّقین کی خواہش رہی ہے کہ میرے مکاتیب کا مجموعہ شائع ہو۔ اُن کے اصرار اور افادۂ عام کے پیش نظر اسے جمع و ترتیب دینے کی اجازت دیتا ہوں اور اپنے تمام احباب، تلامیذ و متعلّقین کو اعلان ہذا کے ذریعے مطلع کر رہا ہوں کہ میرے جملہ مکاتیب چاہے علمی ہوں، تربیتی و روحانی ہوں یا سیاسی و معاشرتی ہوں، ان سب کے فوٹوسٹیٹ فرزندم محمد داؤد جان افغانی ڈاکخانہ ترنگ زئی تحصیل چارسدہ ضلع پشاور کے نام رجسٹری کے ذریعے بھجوا کر ممنون فرماویں، سب کے لئے فلاح و سعادۃ دارین کی دعا کرتا ہوں۔

شمس الحق افغانی عفا اللہ عنہ، ترنگ زئی چارسدہ (پشاور)

یوم عاشورا سنہ ۱۴۰۲ھ

حضرت العلّامہ افغانی رح

"خطوط کے آئینے میں"

مولانا رحمت اللہ صاحب تنگی

خزان رسید و گلستان بآں جمال نماند — سماع بلبل شوریدہ رفت و جال نماند
نشان لالہ ایں باغ از کہ مے پرسی — برو کہ آنچہ تو دیدی بجز خیال نماند

حضرت العلّامہ کو علمی دُنیا میں بڑی عزت و امتیاز نصیب ہوا۔ آپ کا تعلق ضلع چارسدہ کے ایک گاؤں "ترنگ زئی" سے تھا۔ آپ نے ہندوستان کی شُہرہ آفاق دینی درسگاہ، دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی تھی۔ دارالعلوم دیوبند میں دوسرے اکابر علماء کے علاوہ آپ کو شیخ الاسلام حضرت العلّامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری رح کا شرف تلمذ حاصل ہوا۔ حضرت العلّامہ اعلیٰ پائے کے عظیم مفسّر، محدّث، اصولی، فقیہہ اور بہترین متکلم تھے۔ مرحوم صرف عالم ہی نہیں تھے، بلکہ علم کی روح سے آشنا تھے، اس لئے جب کبھی کچھ کہتے یا لکھتے، تو غواص بن کر علم کے بحرِ ذخار سے بیش بہاء موتی نکالتے تھے۔ حضرت العلّامہ جب مطالعہ کتب میں مشغول ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس میں ڈوبے ہوئے ہیں اور دنیا و مافیہا کی انہیں کچھ خبر ہی نہیں۔

تبحرِ علمی اور وسعتِ نظر کا کیا کہا جائے۔ علمی تحقیقات کو ایک خاص انداز میں پیش کرنے اور وسیع معلومات کو ایک اچھوتے اسلوب میں ڈھالنے کا انہیں اعلیٰ سلیقہ عطا کیا گیا تھا۔ یادداشت اور قوّت حافظہ کی بے نظیر وسعتوں سے حضرت العلّامہ

کا دامن علم لبریز تھا۔ اسی وجہ سے اپنی تحریروں کو علمی حوالوں سے بے تکلف مزید آراستہ کرتے جاتے تھے۔ ان کے خطوط کو دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دماغ علوم و کمالات کا ایک ایسا خزینہ ہے جو ہر وقت کھلا رہتا ہے۔

کاروان علم و فضل کا یہ آخری مسافر تھا، جس نے علاقہ ھشتنگر کے ایک مردم خیز گاؤں ترنگ زئی میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ جانے والے پر حق تعالیٰ کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں آمین۔ ؎ آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

بندہ نے مندرجہ ذیل احادیث میں تعارض کو رفع کرنے کے سلسلے میں حضرت العلامہ کی خدمت میں خط لکھا، جس کے جواب میں بندہ کو توجہ اور نوازش سے نوازا گیا۔

عن عطاء قال عمرؓ لا تزال ھذہ الامۃ بخیر ما عجلوا الفطر

اسی ہی طریقہ پر سہل بن ساعدؓ کی روایت جو بخاری و مسلم نے نقل کی ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر

جس سے تعجیل فطر ثابت ہوتی ہے، لیکن اس کے برخلاف حمید بن عبد الرحمان والی حدیث جسکو موطأ امام مالکؒ نے روایت کی ہے:

ان عمرؓ بن الخطاب وعثمانؓ بن عفان کانا یصلیان المغرب حین ینظران الی اللیل الاسود۔ قبیل ان یفطرا ثم یفطران بعد الصلوۃ و ذلک فی رمضان

جو تاخیر فطر پر دال ہے۔ اس اشکال کو رفع کرتے ہوئے حضرت العلامہ نے تحریر فرمایا:

محترم مولوی محمد رحمت اللہ صاحب زید فضلہ،

بعد از سلام مسنون۔ آنکہ خطوط کے ڈھیر میں آج آپ کے خط پر نظر پڑی۔ یہ جواب سوال عرض ہے کہ حمید بن عبد الرحمانؓ بن عوفؓ کی روایت موطأ سے حضرت عمرؓ و عثمانؓ کا عمل بظاہر احادیث تعجیل افطار کے خلاف معلوم ہوتا ہے، جن کے حضرت عمرؓ خود بھی راوی ہیں جس کے جوابات حسب ذیل ہیں:

۱۔ تعجیل و تاخیر امور اضافیہ ہیں۔ نماز مغرب کی تعجیل کی حد احادیث میں قبل اشتباک النجوم بیان ہوئی ہے، تو حد تعجیل افطار یہی ہوگی۔ اب شیخین کا عمل چونکہ قبل اشتباک کے وقت میں تھا، لہٰذا وہ وقت بھی تعجیل میں داخل ہے، پھر نماز کی تقدیم ترجیح حق

اللہ علی حق النفس یا مبادرۃ الی العبادۃ ہے۔

زرقانی ج ۲ صہ ۸۹ میں اثر مذکور کے متعلق لکھتے ہیں۔ فکانا یسرعان لصلاۃ المغرب لانہ مشروع اتفاقاً و لیس من تاخیر الفطر المکروہ لانہ انما یکرہ الی اشتباک النجوم علی وجہ المبالغۃ قالہ الباجی

(۲) علامہ قاری نے شرح موطا لمحمدؒ میں اور چند جوابات دیئے ہیں۔

ھو اما لبیان الجواز اشعاراً بان مثل ھذا لتاخیر لا ینافی الامر بالتعجیل اولعدم ما یفطر ان بہ عندھم قبل الصلوٰۃ او لان الافطار المتعارف عندھم ان یتعشوا بطعامھم وذٰلک دبما یخل بتعجیل المغرب واما اذا امکن الاقتصار علی نفس الافطار باکل تمرۃ او بشرب قطرۃ ثم یصلی و یتعشی فھذا اجمع حسن قالہ القاری فی شرح ہذا الموضع من موطا لمحمدؒ۔

میرے نزدیک یہ بھی ممکن ہے کہ شیخین مذکورین کے وقت میں مسلمانوں کی کافی کثرت ہوگئی تھی اور مدینہ منورہ کی آبادی کافی بڑھ گئی تھی اور مساجد کی تعداد کم تھی، سب کو مسجد نبویؐ میں حاضر ہونا پڑتا تھا جس میں کافی دیر لگ جاتی تھی، خاصکر جب مکان بعید ہو تو ان حاضرین جماعت کی رعایت سے نماز مغرب میں حد کراہت سے قبل تک تاخیر کی گئی۔ باقی رہا افطار کا معاملہ، تو افطار کی دو قسمیں ہیں۔ افطارِ شرعی —— جو ایک قطرۂ آب پی لینے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اور ایک افطار عرفی —— یعنی پورا کھانا کھا لینا یا بقدرِ ضرورت کھا لینا، جو جنوبی ہندوستان کے مسلمانوں میں اب بھی معمول ہے اور مدینہ میں بھی معمول تھا، تو حضرت عمرؓ و عثمانؓ، سنت نبویؐ کے مطابق مغرب کے متصل شرعی افطار کر لیتے تھے اور عرفی افطار یعنی کھانا کھا لینا، نماز مغرب کے بعد کرتے تھے۔ راوی نے بعد از مغرب جو افطار بیان کیا ہے، وہ یہی افطارِ عرفی ہے۔ علامہ قاری نے شرح موطا محمد میں بھی اسی صورت کو لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

اولان الافطار المتعارف عندھم ان تیعشوا لطعامھم

یعنی مدینہ میں متعارف افطار عشاء کے کھانے کا نام تھا۔ اگر علامہ قاری کی شرح موجود نہ ہو تو تعلیق المجد حاشیہ موطا محمد میں مولانا عبدالحئی مرحوم نے علامہ قاری کی یہ عبارت نقل کی ہے، وہاں سے دیکھ لیا جائے باب تعجیل الافطار میں۔ فقط والسلام۔

شدید معروفیت کی وجہ سے تفصیل نہیں لکھ سکا۔ آپ کا سوال بڑا معقول تھا، اس سے بڑی خوشی ہوئی۔ السوال نصف العلم

شمس الحق افغانی عفا اللہ

جامعہ اسلامیہ بہاولپور

میرے دوسرے سوال کے جواب میں حضرت العلامہ نے لکھا۔

۷۸۶

عزیزم مولوی محمد رحمت اللہ سلمہ ربہ،

بعد از سلام مسنون آنکہ ــــ عدیم الفرصتی اور خود اپنے اور گھر میں بیماری کی وجہ سے تفصیل کی گنجائش نہیں۔ آپ کے سوال میں مجموعہ تین امور ہیں ۱؎ آیت شہادۃ ۲؎ حدیث عرض اعمال حدیث انک لا تدری ۔ تینوں میں بحمد اللہ کوئی تعارض نہیں شہادت علی الامت کے لئے اگر تفصیلی علم ضروری ہو تو پھر اُمتِ محمدیہ کے حق میں بھی لتکونوا شہداء علی الناس آیا ہے جو وجئنا بک علی ھؤلاء شہیدا سے زیادہ اعم و اشمل ہے کہ اول میں ناس کا مجموعہ ہے اور ثانی میں ھؤلاء کا لوجہ اشارہ کے خصوص ہے تو کیا امتِ محمدیہ کا ہر فرد عالم بجمیع اعمال ہر فرد ناس ہے، ہرگز نہیں ۔ یہ شہادت صرف ابلاغ پیغام الہٰی کا ہے، صحابہ رضؓ کے حق میں بالذات اور مابعد صحابہ رضؓ میں بالواسطہ اور حدیث عرض اعمال سے مراد عرض اجمالی ہے نہ عرض تفصیلی دلیل خود حدیث انک لا تدری ہے، جب حضورؐ کو عرض کے بعد ساری امت تو کیا اپنے صحابہؓ کے ارتداد کا بھی علم نہیں جو کہ زماناً و مکاناً حضورؐ کو قریب تھے تو جمیع امت کی تفصیلات اعمال کا کیسے علم ہوگا۔ مزید برآں آیت شہادت جن سورتوں میں ہے، وہ مقدم فی النزول ہیں، لیکن موخر فی النزول سورتوں میں امت کے بہت سے اعمال کی معلومیت کی نفی آئی ہے۔ شہادت کی آیت سورۂ نساء وجئنا بک علی ھؤلاء شہیدا یا سورۂ حج لیکون الرسول شہیدا علیکم یا سورۂ احزاب انا ارسلنک شاھدا و مبشرا سورۂ منافقون ان سب سے نزول میں مؤخر ہے، ملاحظہ ہو اتقان بحث ترتیب نزول اس میں زید بن ارقم کا قصہ کہ فکذبنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وصدقہ جیسکی برأت میں سورۃ المنافقون اتری دلیل عدم علم ہے، اسی طرح سورہ تحریم بھی مؤخر ہے، اسمیں ہے عرف بعضہ، واعرض عن بعض قالت من انبأک ہذا قال نبأنی العلیم الخبیر۔

یہ عرض اجمالی ایسا ہے جیسا کوئی شخص ہندوستان کا نقشہ دیکھے، اس سے اجمالی علم ہندوستان کا ہوجاتا ہے نہ تفصیلی خود اس حدیث کی شروح کی طرف مراجعت کرو، حقیقت واضح ہوجائیگی۔ فقط والسلام

شمس الحق افغانی۔ بہاولپور

۵، اکتوبر سنہ ۶۹ء

ایک اور اشکال کو جو بندہ کو مسلم شریف کی ایک طویل حدیث یا عبادی کلکم ضال الامن ھدیتہ فاستھدونی اھدکم۔ جس کی تشریح کرتے ہوئے امام مازری رح فرماتے ہیں: ظاھر ھذا انھم خلقوا علی الضلال الامن ھداہ اللہ تعالیٰ۔ لیکن اس کے برخلاف صحیحین کی حدیث شریف کل مولود یولد علی الفطرۃ جو تخلیق علی فطرۃ الاسلام پر دال ہے، اس بظاہر تعارض کو حل کرتے ہوئے حضرت العلامہ نے لکھا۔ الجواب

محترم مولوی محمد رحمت اللہ سلمہ ربہ۔

میرے پاس نہ کتابیں ہیں نہ فرصت اور اس وقت انفلوئنزا میں مبتلا ہوں آج کچھ آرام تھا تو جواب یادداشت سے لکھ رہا ہوں۔ حدیث ابوہریرہ رض کل مولود یولد علی الفطرۃ صحیحین کی حدیث ہے، جسکی شرح میں فتح الباری میں متعدد اقوال مذکور ہیں۔ راجح قول یہ ہے کہ فطرۃ سے مراد الہیئۃ القریب الاسلام ہے، یعنی قبول اسلام کی استعداد و قابلیت قریبہ اگر بیرونی اثرات نہ ہوں تو اسلام ہی اختیار کرتا اسی کو قرآن نے بھی ان الفاظ میں ذکر کیا ہے: فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا۔ جب فطرت کا معنی استعداد قریب ہوا، تو اب یہ مضمون حدیث مسلم اور تشریح امام مازری رح کے خلاف نہیں۔ کلکم ضال الامن ھدیتہ یا انھم خلقوا علی الضلال کیونکہ یہاں ضلال سے مراد انحراف عن الحق نہیں، بلکہ دین

حق کے تفصیلی علم کا فقدان مراد ہے، جیسے ووجدک ضالا فھدیٰ ہے بھی مراد یہی ہے۔ ووجدک فاقد العلم الشریعۃ فھداک اللہ لعلم الشریعۃ۔ جیسے دوسری آیت میں ہے۔ ما کنت تدری ما الکتاب والایمان یعنی حضور قبل از نبوت کتاب یعنی قرآن اور ایمان کی تفصیلات سے بے خبر تھے، نبوت اور وحی کی وجہ سے ان تفصیلات سے واقف ہوئے۔ اب حدیث فطرۃ کا معنی یہ ہے کہ تمام انسانوں میں اسلام اور دین حق کی قابلیت قریبہ موجود تھی، لیکن بالفعل ہدایت حاصل نہ تھی بلکہ ہدایت کی تفصیلات سے بے خبری تھی اور یہی بے خبری وقتِ تخلیق سے تھی، تا آنکہ اللہ کی طرف سے ہدایت آئی اور ضلالت یعنی بے خبری زائل ہوئی، تو ایک حدیث یعنی حدیثِ فطرتِ ہدایت کی قابلیت قریبہ بتلاتی ہے اور حدیث مسلم کلکم ضال ہدایت کا بالفعل نہ ہونا بتلاتی ہے۔ ان دونوں میں تعارض نہیں ہر قابل الشئ میں اس شئی کی فعلیت فی الحال موجود نہیں ہوتی لیکن قابلیت قابل العلم انسان فی الحال علم سے خالی ہے لیکن علم کی قابلیت موجود ہے، گویا انسان وقت تخلیق سے قابلیت واستعداد علم رکھتا ہے اور بالفعل علم سے خالی ہوتا ہے، اس طرح ہدایت وضلالت کا معاملہ ہے کہ انسان وقتِ تخلیق سے ہدایت کی قابلیت رکھتا ہے، اور بالفعل ہدایت سے خالی ہے۔ اس خلوعن الہدایت کو ضلالت بھی کہہ سکتے ہیں اور یہاں یہی معنی مراد ہے جیسے ووجدک ضالا فھدیٰ میں ہے۔ باقی ضلالت کا دوسرا معنی مراد نہیں یعنی انحراف عن الحق کیونکہ انسان کو تخلیق کے وقت اسباب ہدایت حاصل ہی نہیں، نہ کتاب نہ رسول تاکہ حق آجانے کے بعد نہ ماننے کی صورت میں اس کو منحرف عن الحق کہا جائے۔ سارا شبہ تم کو اس سے پیدا ہوا۔ کہ تم نے یہی دوسرا معنی ضلالت کا لیا، حالانکہ مراد پہلا معنی ہے۔

پھر حدیثین میں تعارض نہیں، انشاء اللہ یہ اختصار رفع شبہ کے لئے کافی ہوگا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شمس الحق افغانی عفا اللہ

۲۵ ذوی الحجہ ۸۵ھ

یہ تھے وہ خطوط جن سے حضرت العلامہ افغانی کے تبحر علمی کا بخوبی اندازہ لگایا جاتا ہے۔ اُمید ہے ان کی اشاعت سے تشنگانِ علوم دینیہ کی پیاس بجھنے میں مدد ملے گی۔

مولانا شمس الحق افغانیؒ اور تبلیغی جماعت

محمد حنیف صاحب۔ ریسرچ سکالر۔ اسلام آباد

حضرت علامہ شمس الحق افغانیؒ سے کون واقف نہ ہوگا۔ ان کی ہمہ جہت شخصیت سے برصغیر پاک و ہند کے علاوہ عرب ممالک بھی متعارف ہیں۔ علمی میدان میں ان کی دینی مساعی قابل ستائش ہیں۔ اگر ایک طرف انہوں نے ملک کے مختلف دینی اداروں میں اپنے علم و ہنر سے طلبہ کو بہرہ ور فرمایا تو دوسری طرف سیاسی میدان میں وزارت تک اعلیٰ عہدہ پر فائز ہو کر نظام مصطفےٰ کو عملاً جاری کیا اور جب ایسا موقع آیا، جب شریعت پر قانون کی بالادستی قائم ہونے لگی تو انہوں نے وزارت کے عہدے کو ٹھکرا دیا۔ گویا انہوں نے اسلاف کی سنّت کو زندہ فرما دیا۔ مولانا مرحوم ہر دینی جماعت کی مناسب رہنمائی فرماتے اور ان کے ان امور کے بارے میں جن میں اخلاص اور للہیّت موجود تھی تعریف فرماتے، اور حوصلہ افزائی فرماتے۔ جہاں ضروری ان کی اصلاح کرتے۔ وہ ان نام نہاد دینی جماعتوں اور تحریکوں کی جو ظاہری طور سے تو اسلام کے لمبے چوڑے دعوے کرتیں مگر درحقیقت اسلام کے زریں اصولوں کا مذاق اڑاتیں، سختی سے مخالفت کرتے اور امت کو بروقت آگاہ کرتے۔ علمائے اہل حق کا ہر دور میں یہی شیوہ رہا ہے۔

حضرت علامہ مرحوم تبلیغی جماعت کی ہمیشہ حوصلہ افزائی فرماتے، چنانچہ اس

جماعت کے حلقوں میں ان کا نام ان کی حیات میں اور بعد از ممات خاصا مقبول رہا ہے۔ میں بھی بچپن ہی سے حضرت مولانا مرحوم کے متعلق اپنے خاندان کے علماء سے یہ تاثرات سنتا چلا آرہا ہوں کہ علم تفسیر اور علم حدیث پر حضرت مولانا کو کافی دسترس حاصل تھی۔ علمی حلقوں میں ان کی دینی تحقیقات قابل تقلید سمجھی جاتی تھیں، چنانچہ میرے دل میں ان کے متعلق خصوصی محبت اور عقیدت پیدا ہوگئی اور یہ عقیدت و محبت اس لحاظ سے اور بھی بڑھ گئی تھی، جب میرے ایک دوست میاں رحیم شاہ گلی باغ (سوات) نے شیر پاؤ کے تبلیغی اجتماع سے واپسی پر اجتماع کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کئے جن میں علامہ مرحوم کا بھی ذکر آیا کہ علامہ مرحوم نے اجتماع کے دوران تقریر فرمائی جس میں انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں تبلیغ و دعوت کے فضائل کے بارے میں سیر حاصل تقریر فرمائی۔ چونکہ ان دنوں اس علاقے میں تبلیغ کا کام ابتدائی مراحل میں تھا، نیز ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے لئے لوگوں کا میلان دوسری طرف تھا اور یہ علاقہ سیاسی اعتبار سے عوام کا مرجع بنا ہوا تھا، اس لئے دعوت کے کام کے لئے لوگوں کے اذہان اس طرف مائل نہیں ہو رہے تھے، مگر اللہ کی شان کہ مولانا کی تقریر سُن کر لوگوں پر اس کا خاصا اثر ہوا۔ انہوں نے اپنی تقریر کے دوران عوام پر زور دیا کہ وہ اپنی تمام تر صلاحیتوں کو اس دین متین کی اشاعت میں لگادیں اور دنیا کے کونے کونے میں اس پیغام کو پہنچادیں۔ یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد حیات تھا۔ اس دعوت کے کام کو سیکھنے کے لئے کچھ اوقات فارغ کرکے خدا کی راہ میں نکلیں، ان کی تقریر سنکر عوام پر اتنا اثر ہوا کہ توقع سے بڑھ کر لوگوں نے اپنے نام پیش کئے اور جماعتوں میں تشکیل کراکے خدا کی راہ میں نکل گئے، اور جو لوگ بعض مجبوریوں کی بناء پر جماعت میں نہ جاسکے، وہ جماعت میں نکلنے کے مصمم ارادے کر کے گھروں کو واپس لوٹے۔

ایکدفعہ چند بااثر افراد حضرت مولانا مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے تبلیغی جماعت کے بیانات میں تبلیغ و دعوت کے بارے میں بعض فضائل پر کچھ شکوک و شبہات کا اظہار کیا، مثلاً ایک نماز پڑھنے کا ثواب انچاس کروڑ اور ایک روپے کا ثواب سات لاکھ تک ملتا ہے۔ اس پر مولانا مرحوم نے دو احادیث مبارکہ کا حوالہ دیا، جس میں سے ایک حدیث کے حوالے سے ایک روپیہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے سات لاکھ روپے

کے برابر ثواب ثابت کر دیا اور اس کے متعلق یہ حدیث بیان فرمائی۔

"جس نے نفقہ اللہ کے راستے میں ارسال کیا اور خود گھر میں ٹھہرا، تو اس کو ایک درہم کے بدلے سات سو درہم کا ثواب ملیگا اور جو خود خدا کی راہ میں جہاد کی نیت کر کے نکلا اور ایک درہم اپنے اوپر خرچ کیا تو اسے ہر درہم کے عوض سات لاکھ درہم کا اجر ملیگا"

پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی "اللہ جس کے لئے چاہے، ثواب دگنا کر دیتا ہے"۔ دوسری حدیث کی رُو سے جس میں کہا گیا کہ:

"نماز، روزہ اور ذکر کا ثواب، اللہ کے راستے میں مالی خرچ کے مقابلے میں سات سو گنا زیادہ ہو جاتا ہے"

چنانچہ اسی حساب سے خدا کی راہ میں نکل کر نماز، روزہ اور ذکر کا ثواب انچاس کروڑ تک پہنچ جاتا ہے۔ حضرت مولانا مرحوم نے اس پر اضافہ کر کے فرمایا کہ میرے نزدیک جو اس پُرفتن دور میں خدا کی راہ میں نکلے اور مقصد پیش نظر ہو کہ دین ہمارے اندر اور پورے انسانوں کے اندر آجائے تو اس نکلنے والے مسلمان کو خدا کی ذات ملتی ہے اور جب خدا کی ذات مل جائے تو گویا اسے سب کچھ مل گیا۔ لوگ مولانا کا یہ مدلّل بیان سن کر مطمئن ہو گئے۔

مولانا مرحوم کے ایک شاگرد مولانا عبدالمجید صاحب جامی سیالکوٹ حال مقیم مدینہ منوّرہ تبلیغی جماعت کے بارے میں حضرت مولانا کے تاثرات بیان کرتے ہیں کہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں قیام کے دوران مولانا افغانی کی خصوصی مجلس ہوا کرتی تھی، جس میں مختلف علمائے کرام اور شیوخ شرکت کرتے۔ اس مجلس میں حضرت مولانا مرحوم علمی مباحث فرماتے اور لوگوں کی دینی تشنگی دور فرماتے۔ ایک دفعہ فرمانے لگے کہ کراچی میں قیام کے دوران مکی مسجد کے چند تبلیغی احباب میرے گھر تشریف لائے اور مجھے شب جمعہ میں بیان کرنے کی دعوت دی، اس وقت مجھے سخت بخار تھا۔ سر میں درد اور نزلہ کی شکایت بھی تھی۔ ظاہری طور سے جسم میں اٹھنے کی طاقت نہیں تھی مگر احباب نے کچھ ایسے انداز سے دعوت پیش کر دی کہ میں نے دل میں عزم کر لیا کہ ہر حال میں دعوت کو قبول کر کے جاؤں گا۔ چنانچہ میں اٹھ کر ان کے ساتھ روانہ ہوا اور وہاں پہنچ کر بیان شروع کیا، جب میں نے حمد و صلوٰۃ پڑھنا شروع کیا تو میں محسوس کر رہا تھا کہ سر درد، بخار اور نزلہ کی شکایت

کم ہوتی جا رہی ہے اور اسطرح آہستہ آہستہ بیان کے ساتھ ساتھ مجھے بیماری کی کوئی شکایت نہ رہی، جب بیان سے فارغ ہوا تو میں عام حالات کے مقابلے میں اپنے آپ کو تندرست پانے لگا۔ اس کے بعد میں واپس گھر آیا اور سو گیا۔ میں نے خواب دیکھا کہ میں جنت میں پھر رہا ہوں اور صحابہ کی معیت مجھے حاصل ہو رہی ہے۔ میں اپنے دل میں ایک خاص اثر محسوس کر رہا ہوں اور بیدار ہونے تک یہی کیفیت رہی۔ میں نے سوچا کہ میں اس رات کے عمل کے علاوہ دوسرے اعمال بھی کرتا رہا ہوں مگر یہ کیفیت پہلی دفعہ نصیب ہوئی تو اللہ نے دل میں یہ بات ڈال دی کہ یہ اس کام کی حقانیت کی دلیل ہے اور گو کہ اس کام کے کرنے والوں سے محبت پہلے بھی تھی، مگر یہ محبت اس واقعہ کے بعد اور بھی بڑھ گئی۔

مولانا جامی نے مولانا افغانی کی مجلس کا ایک دوسرا واقعہ بیان کیا جس کا تعلق قلات میں مولانا کی وزارت کے زمانے سے ہے، فرمانے لگے کہ میرا پرائیویٹ سیکرٹری گھریلو مشکلات سے دوچار تھا۔ ایک دفعہ انکی مسجد میں جماعت آگئی، جس نے حسب قاعدہ خدا کی راہ میں نکلنے کے لئے لوگوں سے مطالبہ کیا۔ لوگوں نے اپنے نام پیش کئے، ان میں میرا سیکرٹری بھی شامل تھا۔ جماعت میں جانے کے لئے مجھ سے چھٹی لینے آیا، میں نے اجازت دی۔ اس وقت اس کی بیوی کو درد زہ کی سخت تکلیف تھی اور صورت حال نہایت ہی نازک تھی، مگر وہ خدا کا بندہ کسی چیز کی پرواہ کئے بغیر جماعت میں چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد خدا نے آسانی کی صورت پیدا فرمائی اور سارا خطرہ ٹل گیا۔ خدا نے اسے بچہ دیدیا جب وہ وقت پورا کر کے جماعت سے واپس آیا تو میں نے پوچھا کہ ایسی نازک صورتِ حال میں آپ کیسے گھر چھوڑ کر جماعت میں چلے گئے، اس نے جواب دیا کہ میرا یہ یقین تھا کہ جب میں خدا کے کام میں لگ جاؤں تو خدا میرا کام بنا دیگا۔ واقعی جب انسان خدا کی ذات پر توکل کر کے خدا کے دین میں لگ جاتے تو غیب سے خدا آسانیاں پیدا فرماتے ہیں۔

مولانا کے تلامذہ میں سے جو کوئی تبلیغ کے لئے نکلتا، تو مولانا اُن کے لئے خصوصی دعائیں کرتے۔ ایک دفعہ ایک شاگرد کے نکلنے پر فرمایا " اللہ پاک اس جہادِ دین کا ثمرہ آیت (وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا) کے تحت تم کو عنایت فرمادیں۔ حضرت مولانا مرحوم اپنے دوستوں، شاگردوں اور دوسرے لوگوں کو اس تبلیغ کے کام میں نکلنے کا مشورہ دیا کرتے۔

تبلیغ و دعوت کی ابتداء اس دور میں مولانا محمد الیاس صاحب ؒ نے فرمائی اور اس کے لئے انہوں نے میوات کا علاقہ منتخب کیا تھا۔ اس دور میں میوات کا علاقہ دینی اعتبار سے نہایت ہی پسماندہ تھا۔ مسلمانوں کے رسم و رواج ہندوؤں کے رسم و رواج سے متاثر تھے اور میواتی ہندوانہ رسوم اختیار کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔

ایسے حالات میں مولانا الیاس ؒ نے ان لوگوں پر محنت کی، جس کے نتیجے میں وہ لوگ دین کے داعی بن گئے اور ان کی برکت سے ہر طبقہ کے مسلمان اس عالی کام کے لئے کمربستہ ہو گئے اور دنیا کے کونے کونے میں دین متین کی اشاعت اور ترویج میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس جماعت کو علمائے دین کی تائید حاصل ہوتی رہی جن میں حضرت شمس الحق افغانی ؒ کا نام بھی شامل ہے، جن کے بارے میں پہلے عرض کیا گیا۔

اللہ پاک سے امید ہے کہ اگر ایک طرف مولانا افغانی ؒ کی علمی کاوشوں کے سبب ان کے بے شمار شاگردوں کے اعمال میں ان کا حصہ ہوگا، تو دوسری طرف اس عالمگیر محنت میں حصہ لینے والوں کی طرف سے انہیں وافر حصہ ملتا رہیگا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ پاک موصوف کو اپنے جوار رحمت میں جگہ مرحمت فرمائے۔ آمین

ایک ذہین شیخ کے ذہین شاگرد

حضرت علامہ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب حق صاحبؒ ۔ ڈھکی

حضرت علامہ شمس الحق افغانیؒ، دارالعلوم دیوبند کا وہ مایہ ناز سپوت ہے جو کہ دارالعلوم کے تیسرے دور کے ایک بے بدل عالم حضرت شاہ انور شاہ کشمیریؒ کے ممتاز شاگردوں میں سے ایک ممتاز اور انوکھی قابلیت اور خداداد فہم و ذکاوت کے مالک تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے طویل ترین دور کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مرحوم کے قول کے مطابق جس وقت حضرت شاہ انور شاہ صاحب شیخ الہند کے بعد پہلے روز، درس حدیث کے مسند پر رونق افروز ہوئے، تو فرمایا کہ: دارالعلوم دیوبند کا صدر مدرس بےنظیر عالم اور قطب زمان ہوا کرتا ہے، ولایت تو نہیں لیکن علم بحمداللہ محفوظ ہے"۔ قاری صاحب نے تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ " یہ شاہ صاحب کی تواضع اور کسر نفسی تھی، ورنہ شاہ صاحب اگر بے نظیر علم کے مالک تھے تو وہ ایک برگزیدہ اور خدا رسیدہ صاحب ولایت بزرگ بھی تھے"

حضرت شاہ صاحب کے وہ شاگرد جن سے عالم اسلام میں ہر قسم کا فیض پہنچ رہا ہے، ان گنت جن میں وہ جو کہ عالم اسلام میں مشارالیہ بالبنان ہیں اور جن کے علم و فضل، تقویٰ اور بزرگی اسلامیان دنیا کے لئے عموماً اور برصغیر کے لئے

خصوصاً مشعل راہ کا کام دے رہا ہے، ان میں علامہ افغانی نے جو نام پیدا کیا اور جو شہرت ان کے علم وفضل اور خداداد قابلیت کی بدولت نصیب ہوئی، وہ اپنی مثال آپ ہے۔

علامہ افغانی کے ساتھ بندہ کا ربط، نسبت وتعلق کے کئی ذرائع ہیں، جن میں علاقائیت، قرب وجوار اور خاندانی تعلق شامل ہے، اس کے علاوہ ۱۹۳۶ء تا ۱۹۴۰ء تک بندہ کا دارالعلوم دیوبند کے تعلیم وتعلّم کا عرصہ ایسا گذرا کہ حضرت علامہ افغانیؒ کو بہت قریب سے دیکھا۔ بندہ کا تعلق حضرت علّامہ سے محض حلقۂ درس تک محدود نہ رہا، بلکہ حلقہ درس کے علاوہ ہمہ وقت حضرت علامہ افغانی صاحب کے عملی افادات اور کردار سے استفادہ کے مواقع بھی نصیب ہوتے رہے۔ علامہ افغانی نے اپنا ایک واقعہ سنایا۔ فرمایا کہ " جب میں فراغت پاکر تحصیل سے بے نیاز ہوا، تو کافی مدت تک دارالعلوم کے عظیم کتب خانہ میں مطالعہ کرتا رہا۔ غیر درسی مختلف علوم وفنون کی کتابیں زیر نظر رہیں۔ ہر چند مشکل اور مغلق مضامین مختلف علوم وفنون کا مطالعہ کرتا رہا اور کبھی کسی وقت بھی کسی بھی مقام پر رکنا نہیں پڑا۔ بلکہ ہر کتاب کو مطالعہ کے دوران حل کرتا آگے نکلتا رہا۔ کبھی کسی بھی مقام پر نہ کوئی شک رہا نہ کسی سے مراجعت کی ضرورت پڑی اور فرمایا کہ اس دوران عشاء کے بعد حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضری دیا کرتا تھا اور شاہ صاحب کے پاؤں دبانے کا شرف حاصل کرلیا کرتا تھا۔ فرمایا کہ ایک دن میں نے شاہ صاحب سے عرض کرلیا کہ حضرت "شفاء" میں ایک جگہ مجھ سے حل نہ ہوا۔ کہا کہ میں نے اتنا ہی کہدیا اور چاہا کہ جگہ اور موضع کی نشاندہی کرلوں، لیکن شاہ صاحب نے میری نشاندہی سے قبل فرمایا کہ ارے میاں! وہ بحث وضع میں ہوگا اور وہاں پر جو یوں لکھا ہے، وہ غلط ہے اور باقاعدہ عبارت کو پڑھ لیا اور فرمایا کہ وہاں پر یوں لکھنا چاہیئے شاہ صاحب کی اس وضاحت سے اشکال رفع ہوگیا۔

ایک ذہین استاذ کے ذہین شاگرد کا اب ہر ایک تجزیہ کرسکتا ہے، کہ استاد، شاگرد دونوں کس پایہ کے خداداد ذہانت وفراست کے مالک تھے۔

افغانی صاحبؒ کی شعر وشاعری

یوں تو برصغیر میں جنگ آزادی ہمیشہ پورے زور وشور سے جاری تھی۔ جمعیۃ علماء ہند کے اکابر اور کانگریس کے لیڈر اکثر وبیشتر انگریز کے جیلوں کی کالی کوٹھڑیوں میں وقت گذارتے تھے، لیکن ۱۹۴۷ء یعنی تقسیم سے پہلے

چند سال بڑی اہمیت کے حامل تھے۔ مسلم لیگ انگریز کے اشارے پر تقسیم کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھی اور جمعیۃ علماء ہند اور کانگریس، متحدہ ہندوستان کی آزادی کے علمبردار تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے ایک جلسہ عام میں متحدہ قومیت کی افادیت پر تقریر کرتے ہوئے ہندوستان کے مسلم، غیر مسلم ہر ایک فرقہ اور طبقے کو ملکی سطح کی حیثیت سے متحد و متفق ہونے اور متحدہ قومیت کی بنیاد پر انگریز کے ہندوستان سے چلے جانے کی تلقین کی تھی۔ کسی نے شاعر مشرق علامہ اقبال سے غلط بیانی کر کے کہا کہ حضرت مدنیؒ نے تقریر میں کہا کہ ملت وطن سے بنتی ہے، اس لئے ہندوستان کے ہندو مسلم ایک ہی ملت ہے، جس پر ڈاکٹر اقبال نے تین شعر پڑھ کر حضرت مدنی کی تردید کر کے اس پر اعتراض کیا۔ وہ اشعار یہ ہیں

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ! ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست
سرود بر سرِ ممبر کہ ملت از وطن است! چہ بے خبر ز مقام محمد عربی ست
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست اگر با او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

شاعر مشرق کے اس گرفت کو بہت بڑھا چڑھا کر ہندوستان کے اور صوبوں کے کونے کونے تک پہنچا کر بڑا خطرناک پروپیگنڈا کیا جاتا رہا، یہاں تک کہ ابوالاعلیٰ مودودی جو کہ اس وقت انگریز کے خلاف ہر ایک تحریک کا مخالف تھا، کانگریس، مسلم لیگ کے خلاف بھی مضامین پر مضامین لکھتا رہتا تھا اور بالخصوص علماء دیوبند کے تو وہ ذاتی جانی دشمن کے کردار کے حامل تھے۔ تو مودودی صاحب کو بھی علماء دیوبند اور جمعیۃ علمائے ہند کے خلاف ہتھیار مل گیا اور پوری قوت کے ساتھ متحدہ قومیت کے خلاف لکھنا شروع کر دیا۔ حضرت مدنیؒ کو خدا نے مخصوص صفات و کردار سے نوازا تھا۔ اس کے سامنے ایک مقصد تھا جو کہ انگریز دشمنی اور ہند کی آزادی تھی۔ ادھر ادھر کے دوسرے لوگوں کے اعتراضات اور پروپیگنڈوں کو قطعی خیال میں نہیں لاتے تھے، چنانچہ اس اصول کے تحت حضرت مدنیؒ نے ڈاکٹر اقبال کے اشعار کو لایعباً جان کر، اصلی مقصد میں منہمک رہے، لیکن ہر طرف سے حضرت پر دباؤ ڈالا گیا کہ جواب بہت ضروری ہے، پھر بھی حضرت مدنیؒ خود جواب دینے پر تیار نہ ہوئے اور مجبور ہو کر، علامہ افغانی کے اصرار پر اس کو اجازت دیدی کہ تم چاہو تو جواب دیدو۔ اگرچہ بالآخر مسئلہ نے جب سنگین

صورت حال اختیار کر دی تو حضرت مدنیؒ نے متحدہ قومیت پر ایک تفصیلی مضمون لکھا اور قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنے مدعا کو مبرہن کر کے پیش کر دیا۔ سنا ہے کہ ڈاکٹر اقبال کو جب پتہ چلا کہ اسکو غلط راستے پر ڈالا گیا ہے تو معافی کے چند اشعار پیش کر دیئے اور ان غلط پروپیگنڈوں کا ڈاکٹر صاحب کو بے حد صدمہ ہوا۔ چنانچہ علامہ افغانی نے بھی ڈاکٹر اقبال کے جواب میں اس کے لب و لہجہ میں تین شعر پیش کئے اور فرمایا ؎

نظام قوم بدو گونہ میشود پیدا
اگر ہنوز ندانی کمال بولھبی است

نظام ملت واحد باختلاف بلاد
قوام گیر ز حیدر محمد عربی است

نظام دوم کہ قائم میان صد رعل ست
نظام وحدت ملی ست ایں چہ بوالعجبی ست

علامہ افغانی کے دور رس ذہن، معاملہ فہمی اور عجیب و غریب مناظرانہ انداز فکر اور مسئلہ کی سادہ اور عام فہم مگر مختصر ترین الفاظ میں افہام و تفہیم کی داد دینی پڑتی ہے، کہ حضرت علامہ افغانی نے تین اشعار کے مقابلہ میں، اشعار بھی تین پیش کر دیے، ملت اور قومیت کا فرق بھی سمجھایا اور ڈاکٹر اقبال کی غلطی پر بھی متنبہ فرمایا اور جواب ترکی بہ ترکی کے انداز کو بھی اپنایا۔ یہاں پر موقع اور محل کے لحاظ سے متحدہ قومیت کے موضوع کے اور ڈاکٹر اقبال کے جواب میں ایک اور شاعر نے جو غالباً "طالوت" ہے، اشعار میں جواب دیا ہے۔ عام فائدہ کی خاطر نامناسب نہ ہوگا کہ اس کا بھی تذکرہ کر دیا جائے۔ جس کا عنوان ہے (قوم و ملت) ؎

رموز دین ز عجم نشر یافت در عالم
ہنوز ہند پُر از شوق علم دین طلبی است

بہ دیوبند حسین احمد ست شیخ الہند
درون وے ہمہ پر از رموز دین نبی است

بہ شیخ حرف گرفتن ز ڈاکٹر اقبال
سوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

ہر آنکہ ہیچ نہ فہمد طلسم مغرب را
کہ داشت بر سر مشرق یقین بدانکہ غبی است

باشتراک مسلمان و ہندوان بجہاد
سوائے ہندی و دیگر مقام بے نسبی است

کسیکہ فرق ندانید ز قوم و از ملت
بناء آں سبب ناشناسی عربی است

بنا بیان پیمبر کلام بد گفتن
بدآنکہ سنت بوجہل و کیش بولھبی است

علامہ افغانی کی درسی خصوصیات

بندہ نے علامہ افغانی سے کئی ایک کتابیں پڑھی ہیں، جن میں جلالین شریف، طحاوی شریف، امورِ عامہ، صدرا، تصریح، شرح چغمنی شامل ہیں۔ یوں تو ہر ایک کامیاب مدرس کی اپنی اپنی درسی خصوصیات ہوا کرتی ہیں، لیکن علامہ افغانی کی درسی خصوصیات جو بندہ نے محسوس کی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ علامہ افغانی اس انداز سے مضمون کتاب بیان کر دیتے، کہ حدیث کے بیان ہی سے پورا کا پورا مضمون ذہن میں منقش ہو جاتا اور یہ کہ کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہتا اس لئے کسی سوال کرنے کی گنجائش ہی ختم ہو جاتی۔ دوسری خصوصیت میں نے یہ دیکھی کہ ہر سوال کا پہلا جواب علامہ الزامی دیکر سائل اپنے سوال سے فرار کی راہ تلاش کر لیتا اور اس کے بعد تحقیقی جواب دیکر مکمل تشفی کا سامان مہیا کر دیتے۔ علامہ کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہر ایک مضمون کو ایک آسان اور مختصر عنوان سے معنون کر کے مضمون کی افادیت اور تفہیم کو سہل کر دیا کرتے اور اسی عنوان کو قائم کرنے میں حضرت علامہ افغانی کا ملکہ قابل داد تھا۔

ایک لطیفہ

علمی مضامین کے عنوانات دیئے جانے کے علاوہ افغانی صاحب روزمرہ کے گفتگو اور محاورات میں بھی بسا اوقات عنوانات دیئے جانے کے شائق تھے۔ دیوبند میں ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ رات کی بچی ہوئی روٹی، دسترخوان میں لپیٹ کر رکھدی گئی۔ صبح کو دیکھا تو نہ دسترخوان ہے اور نہ روٹی۔ افغانی صاحب نے یہ واقعہ سنایا کہ آج یہ معاملہ پیش آیا اور کہا یہ روٹی، کتا لے اڑا ہے۔ پھر فرمایا۔ کہ معلوم ہوا کہ کتا دوسری خصوصیات کے علاوہ "جرّ اثقال" کا بھی ماہر نکلا۔

علامہ افغانی کی قابلیت کی دلیل

دنیا کا دستور رہا ہے کہ ملت کی قابل شخصیتوں کو کبھی اپنے وطن اور پیدائشی خطہ میں شاذ و نادر دن گذارنے پڑے ہیں بلکہ اکثر و بیشتر وہ اپنے ملک سے باہر رہائش کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور بسا اوقات بیرون ملک رہائش پذیر ہو کر وطن اقامت کو وطن اصلی میں تبدیل ہوا کرتے تھے، جیسا کہ دنیا کی تاریخ اس پر شاہد ہے، چنانچہ اس اصول کے تحت علامہ افغانی جب دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے تو وہ بھی اس اصول کے شکار ہوئے اور اپنے صوبہ، ضلع یا اپنے گاؤں میں رہائش سے معذور رہے۔ اپنی علمی قابلیت

کی وجہ سے متحدہ ہند کے مرکزی علمی ادارے، افغانی صاحب کی خدمات کے متقاضی رہے اور بالآخر اپنے مادر علمی دیوبند نے اس کو اپنے آغوش میں لے کر اپنی خدمات پر مامور کر دیا، اسیطرح دارالعلوم دیوبند میں جن افغانی علماء کی فہرست بحیثیت اعلیٰ مدرسین کی ہے، اس میں علامہ افغانی کے نام نامی، اسم گرامی کا بھی اضافہ ہو گیا، علامہ افغانی سے قبل دو بڑے علماء ایسے گذرے تھے، جنہوں نے دارالعلوم کی چار دیواری میں اپنے علمی کمال کا سکہ جمایا ہوا تھا، جن میں سے ایک حضرت مولانا غلام رسول صاحبؒ تھے اور دوسرے حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ تھے۔ مولانا غلام رسول صاحب تو ایک طرح استاد کُل کی حیثیت اختیار کر گئے تھے اور مولانا رسول خان صاحبؒ نے بھی بڑی امتیازی شان حاصل کر لی تھی، جس کی علمی قابلیت ایک طرف اور جسمانی حسن و جمال اور خوبصورتی دوسری طرف، یعنی وہ مکمل طور پر "زادہ بسطۃ فی العلم والجسم" کے مصداق تھے، لیکن ان حضرات کے بعد علامہ افغانی کی آمد اور تقرری سے افغان علماء کی قابلیت اور برتری روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی اور ہر دوست و دشمن، مخالف و موافق، حاسد و باغض بھی افغان علماء کی قابلیت اور علمی برتری میں رطب اللسان ہونے پر مجبور نظر آنے لگا۔

افغانی صاحب کی قابلیت کی دوسری دلیل

افغانی صاحب کی قابلیت کی دوسری بڑی دلیل یہ ہے کہ جس وقت بلوچستان کی ریاست قلات کے والی نے شرعی نظام کے اجرا کا فیصلہ کیا تو اس کو ایک اعلیٰ ترین اور ایسی علمی شخصیت کی طلب رہی کہ وہ شرعی نظام کے عملی نفاذ کا کام سنبھال کر اس راہ کے تمام مشکلات کو آسان بنانے میں اپنا علمی کردار ادا کرنے کا مظاہرہ کرے، چنانچہ والی ریاست نے ایشیا بھر کے واحد بڑے علمی ادارے، دارالعلوم دیوبند سے مراجعت کر کے اپنے مشکل کے حل کی راہ ڈھونڈ لینا چاہی تو حضرت مہتمم مولانا محمد طیب صاحب نے دارالعلوم کی چار دیواری میں موجود اور ہندوستان کے ۱۶ صوبوں میں منتشر فضلاء دیوبند میں سے اس اہم خدمت کے لئے انتخاب کیا تو وہ علامہ افغانی کی ذات گرامی تھی۔ چنانچہ افغانی صاحب بحیثیت وزیر معارف ریاست قلات تشریف لے گئے۔ افغانی صاحب کے مطابق وہاں دو تین سال کی وزارت کے

دوران شرعی نظام کے مکمل عملی نفاذ کی برکات تھیں کہ اس دوران دیگر جرائم کے علاوہ، کوئی بھی قتل کا کیس نہیں ہوا۔ فرمایا کہ اس دوران صرف ایک شخص کے پہاڑ سے پتھر گر کر ہلاک ہونے کا واقعہ پیش آیا تھا۔

شمس العلوم والمعارف
کی
فقاہت اور علمی بصیرت

مولانا حافظ غلام الرحمن صاحب ایم۔اے۔ مدرس و نائب مفتی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

شمس العلوم والمعارف حضرت العلامہ مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۴۰۳ھ) نہ صرف علوم عقلیہ و نقلیہ کے بحر زخار اور ناپیدا کنار سمندر تھے، بلکہ قدیم و جدید فلسفہ کے امام اور شریعت مطہرہ کے لئے موجودہ وقت کے عظیم ترجمان تھے۔ مروجہ علوم و فنون میں خصوصی مہارت کے علاوہ آپ وسیع و عمیق مطالعہ اور ہمہ گیر معلومات کے مالک تھے۔ جب کسی مسئلہ پر آپ کچھ فرماتے تو سامعین سے آپ منوا لیتے کہ اس فن کے گویا آپ ہی موجد ہیں۔ آپ کی تحریرات اور فرمودات کو دیکھ کر ہر ایک اپنے زاویہ خیال کے مطابق یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے، کہ آپ اس متعلقہ فن کے امام ہیں۔

اگر کسی محدث یا مفسر کا آپ کی کتابوں سے واسطہ پڑے، تو مطالعہ کرتے وقت یہ تاثر ملتا ہے کہ آپ عظیم محدث اور مفسر ہیں۔ اگر کسی فلسفی کے ہاتھ آپکی کتاب لگ جائے تو قدیم و جدید فلسفہ پر بے مثال تحقیق کو دیکھ کر انہیں عظیم فلسفی تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور اگر فقہ کے کسی طالب علم کو آپ کی کتابوں کو دیکھنا پڑے، یا آپ کے کسی تحقیقی مقالہ پر نظر ڈالے، تو تحریرات کی روشنی میں آپ کی شخصیت فقیہہ العصر نظر آئیگی۔ اگرچہ درس و تدریس کے میدان میں آپ کا زیادہ تر تعلق علم تفسیر سے

شمس العلوم والمعارف
کی
فقاہت اور علمی بصیرت

مولانا حافظ غلام الرحمن صاحب ایم۔اے۔ مدرس و نائب مفتی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

شمس العلوم والمعارف حضرت العلامہ مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۴۰۳ھ) نہ صرف علوم عقلیہ و نقلیہ کے بحر ذخار اور ناپیدا کنار سمندر تھے، بلکہ قدیم و جدید فلسفہ کے امام اور شریعت مطہرہ کے لئے موجودہ وقت کے عظیم ترجمان تھے۔ مروجہ علوم و فنون میں خصوصی مہارت کے علاوہ آپ وسیع و عمیق مطالعہ اور ہمہ گیر معلومات کے مالک تھے۔ جب کسی مسئلہ پر آپ کچھ فرماتے تو سامعین سے آپ منوا لیتے کہ اس فن کے گویا آپ ہی موجد ہیں۔ آپ کی تحریرات اور فرمودات کو دیکھ کر ہر ایک اپنے زاویہ خیال کے مطابق یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے، کہ آپ اس متعلقہ فن کے امام ہیں۔

اگر کسی محدث یا مفسر کا آپ کی کتابوں سے واسطہ پڑے، تو مطالعہ کرتے وقت یہ تاثر ملتا ہے کہ آپ عظیم محدث اور مفسر ہیں۔ اگر کسی فلسفی کے ہاتھ آپکی کتاب لگ جائے تو قدیم و جدید فلسفہ پر بے مثال تحقیق کو دیکھ کر انہیں عظیم فلسفی تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور اگر فقہ کے کسی طالب علم کو آپ کی کتابوں کو دیکھنا پڑے، یا آپ کے کسی تحقیقی مقالہ پر نظر ڈالے، تو تحریرات کی روشنی میں آپ کی شخصیت فقیہہ العصر نظر آئیگی۔ اگرچہ درس و تدریس کے میدان میں آپ کا زیادہ تر تعلق علم تفسیر سے

رہا۔ دوسرے مدارس کے علاوہ جامعہ بہاولپور میں آپ شیخ التفسیر رہے، لیکن خداداد قابلیت اور فطری فقاہت کی وجہ سے آپ ایک عظیم فقیہہ کی حیثیت سے بھی متعارف ہیں۔ بے مثال تحقیق، اصول و قواعد سے جزئیات اور تفریعات نکالنا، نت نئے مسائل کا تشفی آمیز جواب، آپ کی علمی تحقیقات اور بلند پایہ تصنیفات کی خصوصیت ہے۔ آپ کی عظیم فقاہت ہی کی وجہ سے علاقائی اور ملکی سطح پر علماء کے درمیان اختلافی مسائل میں آپ کی رائے حتمی اور آخری ہوتی۔ آپ کا فرمان قول فیصل ہوتا۔ اعتماد کا یہ حال تھا کہ آپ کا قول اور فرمودہ بطور حجت و دلیل پیش کیا جاتا۔ کسی مسئلہ پر اعتماد کے لئے آپ کی طرف نسبت کافی ہوتی۔ جب کوئی مسئلہ آپ کی زبان سے نکلتا، تو کسی مستند کتاب کا حوالہ دینے کی ضرورت ہی نہیں رہتی، بلکہ عموماً یوں کہا جاتا کہ اس فلاں مسئلہ کا حکم یہ ہے کیونکہ حضرت افغانی" یوں فرماتے ہیں، گویا آپ سے سننا ہی خود حوالہ ہوتا۔

آپ کے فلسفیانہ انداز بیان، وسعت فکر اور فقہی قوت نے معاشرہ میں علماء کی کھوئی ہوئی طاقت کو بحال کیا۔ صوبہ بلوچستان کے وزارت معارف کے عہدہ پر فائز ہو کر اسلامی قانون کی روشنی میں لوگوں کے مسائل حل کرنے اور قضاء و افتاء کی خدمات کی روشنی میں یہ کہنا حق ہے کہ ایک مولوی " جو مغرب زدہ اذہان میں فارغ التحصیل ہونے کے باوجود... " ان پڑھ " شمار ہوتا ہے " وقت کے جملہ مسائل اور مشکلات کا حل جان کر ان مسائل کو حل کرانے کی پوری استطاعت رکھتا ہے۔ آپ کی فقہی قوت اکثر اس میں صرف ہوتی کہ علماء کو معاشرہ میں ان کا جائز مقام ملے۔ بدقسمت اور ازلی بدبختوں یعنی گوروں نے سادہ لوح مسلمانوں کے اذہان میں علماء حق کی مخالفت میں بہت شبہات ڈلوائے تھے۔ معاشرہ میں عوام کو علماء سے بدظن کرانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ آپ نے اس کا صرف دفاع ہی نہیں، بلکہ پورا مقابلہ کیا۔ تحریر و تقریر کے میدان میں کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ایک دفعہ " سیرت کی اہمیت " کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

" اس کو دینِ مُلا کہکر ٹھکرا دیتے ہیں، ہاں ہاں یہ دین ملا نہیں دین مولا ہے"

علماء کے مقام کو مثال سے واضح کرتے ہوئے فرمایا:

" دین میں مُلا کی مثال ایسی سمجھو، جیسے خزانۂ شاہی پر، دس، بیس

یا پچاس سپاہیوں کا پہرا ہو، جو چوبیس گھنٹے اس کی چوکیداری کرتے ہوں، کہ کوئی چور یا نقب زن کسی غلط راستہ سے شاہی خزانے کو لوٹ نہ لے۔ پس دین شاہی خزانہ ہے اور مُلا اس کا چوکیدار ہے، اس کو جان دینی پڑے، تو دریغ نہیں کریگا، لیکن دین کے خزانے سے کسی کو ایک پائی تک نہیں اٹھانے دیگا اور نہ کسی کو چور دروازے سے گھسنے دیگا۔ اسلام کا لیبل لگا کر لوگ دین میں قطع و برید کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن جہاں کہیں سے کوئی بھی ذرا سر اٹھاتا ہے تو دین کے یہ چوکیدار، اس کے لئے پہاڑ بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں"

(ماخوذ از ماہنامہ الحق، جلد ۴، شمارہ ۲)

آپ کا یہ خیال تھا کہ معاشرہ میں چند نا عاقبت اندیش اور ناواقف اہلکاروں کی غفلت کی وجہ سے علماءِ حق کی عزت وعظمت پر کوئی زد نہیں پڑتا، عرش بریں پر حقیقی عزت کی موجودگی میں فرش زیریں پر غفلت سے آخر کیا اثر پڑتا ہے۔ فرمایا:

" کوئٹہ میں ایک صاحب نے پوچھا۔ مولانا، فی زمانناعلماء کی کوئی قدر و قیمت، کوئی عزت کوئی وقار نہیں؟ میں نے کہا کس کے ہاں نہیں؟ کیا ڈپٹی کمشنر یا کمشنر کے ہاں نہیں۔ ان کے ہاں نہیں تو نہ سہی، خدا کے ہاں تو عزت ہے (آگے فرمایا) لیاقت علی خان کا زمانہ تھا، میں نے کہا، ملک کے طول وعرض میں وزیر اعظم کی عزت ہے یا نہیں۔ کہنے لگے۔ ضرور ہے۔ میں نے کہا۔ ہمارے بنگلہ کا خاکروب رام کلہ ہے، اس کے ہاں تو لیاقت کی کوئی عزت نہیں، تو پھر لیاقت علی کی کوئی عزت نہ ہوئی۔ کہنے لگے رام کلہ عزت کرے یا نہ کرے، اس سے لیاقت کی عزت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ میں نے کہا کہ یہ حاکم تو رام کلے کے برابر بھی نہیں، اگر یہ مولوی کی عزت نہ کریں، تو بے شک نہ کریں وہاں اوپر تو مولوی کی عزت ہے۔ عزت کی جگہ تو "وہ" ہے۔"

ماخوذ از ماہنامہ الحق، جلد ۴، شمارہ ۴)

عملی طور پر اس مثال کی تشریح یوں کی، فرمایا:

" میں، والئی قلات اور ایک اور صاحب اقتدار تینوں اکٹھے نماز پڑھ کر نکلے، تو آگے ایک بڑھیا آگئی اور اپنا بچہ میرے سامنے لے آئی، اور کہا

مولانا! اس کے سینے پر ذرا ہاتھ پھیر دیں۔ میں نے کہا۔ اللہ تعالیٰ میرے جواب کے لئے اس عورت کو سامنے لے آیا۔ اور مجھے دوسری دلیل مل گئی میں نے والی صاحب سے کہا۔ والی صاحب! آپ ان کے بادشاہ ہیں، یہ آپ کی رعیت ہے اور میں غیر ملک کا آدمی ہوں، آپ ہزاروں کے مالک ہیں، نوٹوں کے مالک ہیں۔ یہ کیا بات ہے کہ بوڑھی بچے کو میرے سامنے لائی۔ آپ کے سامنے نہ لائی، حالانکہ میں بھی آپ جیسا انسان ہوں، میرے پاس وہ دولت نہیں، جو آپ کے پاس ہے، کوئی عہدہ کوئی اقتدار نہیں، پھر کیا بات ہے کہ یہ بڑھیا، میرا ہاتھ اس بچے کے سینہ پر پھرواتی ہے اور آپ کا نہیں۔ آخر فرق کیا ہے؟، اس میں کیا حکمت ہے؟ یہی نہیں بلکہ آپ نے یہ بھی کبھی سُنا ہے کہ کوئی عورت اپنا بچہ اٹھا کر کسی وائسرائے کے پاس لے گئی کہ بچے کو ذرا دم کر دیں "

(حوالہ ایضاً)

آپ کی یہ فراست و فقہی بصیرت اور برموقعہ برجستہ بلا لکے ایک قدرتی تحفہ تھا، جو آپ کو نصیب ہوا تھا، آپ کے ہر تقریر و تحریر اور دلیل میں فقاہت نمایاں تھی۔

فقاہت کے اسباب

اگرچہ فقاہت ایک کسبی شئی ہے، جو انسان کو تمرین و ریاضت اور محنت و مشقت کے تحمل کے بعد حاصل ہوتا ہے، کسی شئی کے اسباب بھی کسبی ہوتی ہیں، لیکن آپ کی یہ فقاہت کسبی ہونے کے علاوہ طبعی بھی تھی، گویا چند امور اتفاقی طور پر جمع ہو کر آپ وقت کے عظیم فقیہہ ثابت ہوئے، ان امور متعددہ کا اجتماع آپ کی فقاہت کی ہیئت ترکیبی ہے، وہ متعدد امور مندرجہ ذیل ہیں

اولاً آپ فطرتی طور پر فقیہہ النفس تھے، جلوت و خلوت، اقامت و سفر میں آپ کی یہ فطرتی فقاہت آپ کا رفیق رہی، یہاں تک کسی مشکل مسئلہ پڑنے کی صورت میں خوابوں میں آپ کی یہ فقیہی طبیعت مشکلات کے لئے حل تلاش کر لیتی، بلکہ بسا اوقات خوابوں میں فقہاء امت کی زیارت سے تشفی اور اطمینان ہوتا۔ خوابوں میں فقہاء امت کی زیارت آپ کی طبعی اور فطرتی میلان کی نشانی ہے، جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:

"ہندوستان میں شدھی تحریک زوروں پر تھی۔ مولانا حبیب الرحمان صاحب نے پچاس علماء کا ایک وفد ترتیب دیکر مجھے اس کی قیادت سونپی اس وقت میں عجیب مخمصے کی حالت میں تھا، کیونکہ وسعت اور روانیٔ تقریر کا فقدان تھا۔ آگرہ کے مقام پر خواب دیکھتا ہوں کہ سرزمین عراق میں دریائے دجلہ کے کنارے پر ریتلے ساحل پر جا رہا ہوں، آس پاس کچھ لوگ نظر آئے۔ ساتھ ہی ایک گنبد دکھائی دیا۔ پوچھا، یہ گنبد کیا ہے؟ جواب ملا کہ یہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مزار ہے۔ آگے جا کر دیکھتا ہوں کہ ایک بڑے اجتماع کے سامنے امام غزالیؒ منبر پر بیٹھے تقریر کر رہے ہیں۔ مجھے دیکھا تو نیچے اُتر آئے۔ ہاتھ پکڑ کر منبر پر بٹھایا اور تقریر کرنے کا حکم دیا۔ میں نے عذر پیش کر کے کہا، کہ حضرت مجھے تقریر کرنا نہیں آتا۔ اتنے میں بارش برسنے لگی اور مجمع خود بخود منتشر ہو گیا۔

اور دوسری رات ایک اور خواب دیکھا، کہ

"ایک عظیم مسجد ہے، جس میں گھاس بچھی ہوئی ہے، اور منبر رکھا ہوا ہے۔ منبر کے قریب ایک سفید ریش انسان چادر میں لپٹا ہوا بیٹھا ہے، مجھے دیکھا، تو فرمایا! مجھے اٹھا کر منبر پر بٹھا دو، میں نے زور لگایا، لیکن اٹھا نہ سکا۔ آخر کار ان کے کہنے پر بسم اللہ پڑھ کر، خوب زور لگا کر بڑی مشکل سے اٹھایا اور منبر پر بٹھایا، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ دارالعلوم دیوبند کے بانی قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا قاسم نانوتوی ہیں"۔ صبح ہوئی، طبیعت میں کافی فرق تھا۔ سینے میں کشادگی اور نیا جوش محسوس کر رہا تھا

خوابوں کی تعبیر امام اعظم اور مولانا قاسم نانوتوی سے حنفی اور علمی نسبت اور امام غزالی سے تقریر اور کشادگی نکالی" (ماخوذ از الحق، جلد ۵، ش ۱)

لیکن ان تینوں نابغہ روزگار سے خوابی ملاقات کا نتیجہ اور تعبیر اگر یوں نکالا جائے تو شاید غلط نہ ہو، کہ غزالی سے خواب میں حالتِ تقریر میں ملاقات اور

امام غزالیؒ کا آپ کو تقریر کے لئے دعوت دینا، امام غزالیؒ کے فلسفیانہ اور مفکرانہ انداز بیان کی طرف اشارہ ہے، جو آپ کو ملا اور ۵ قاسم العلوم والخیرات حضرت نانوتویؒ سے ملاقات آپ کئے بے پایاں علمی اور عملی قوت کی طرف نشاندہی ہے، جبکہ سید الائمہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مزار پر حاضری آپ کی فقہی بصیرت اور طبعی فقاہت کی دلیل ہے غرضیکہ اس فطرتی اور طبعی فقاہت کی نشوو نما ہوئی، جس سے ترقی پاکر آپ وقت کے عظیم فقیہہ بنے۔

ثانیاً خاندانی فقاہت: بظاہر دوسری چیز جو آپ کی فقاہت کے لئے سبب بنی۔ وہ آپ کا موروثی اور خاندانی فقاہت ہے جیسا کہ "الولد سر لابیہ" ہے۔ آپ بھی یوں ثابت ہوئے۔ آپ کے خانداں میں بڑے بڑے علماء اور فضلاء گزرے ہیں جو خصوصی فقاہت کے حامل تھے۔ آپ کے والد ماجد مولانا غلام حیدر ابن مولانا خان عالم ابن مولانا سعد اللہ، جو اپنے وقت کے عظیم عالم تھے اور مشہور فقیہہ تھے۔ آپ کو فقیہہ وقت مولانا عبد الحلیم صاحب، والد ماجد مولانا عبد الحیٔ سے شرف تلمذ حاصل تھا طبعی فقاہت کی تربیت کو جب فقہی ماحول میسر ہوا، تو ان دونوں کی آمیزش نے آپ کو ایک عظیم فقیہہ کی صورت میں ڈھالا۔

ثالثاً عظیم فقیہہ استاد سے شرف تلمذ اور نسبت: تیسری چیز، جو آپ کی فقاہت کے لئے علت تام کے درجہ میں ہے، جس سے آپ کی فقاہت جاگ اٹھی اور طبعی فقاہت کو جلا ملی۔ وہ شیخ الفقہاء حافظ الحدیث حضرت العلامہ شیخ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شرف تلمذ ہے، عظیم استاذ کا شاگرد بھی عظیم ہوتا ہے، آپ حضرت شاہ صاحب کے خصوصی شاگرد تھے۔ حضرت شیخ انورؒ کی فقاہت کسی سے مخفی نہیں، آپ کا ذہن، وقت کا عظیم کتب خانہ تھا۔

ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم نے تعزیت کے ایک جلسہ میں شیخ انورؒ کے متعلق فرمایا "اسلام کے پانچ سو سال کی تاریخ، علامہ انور شاہؒ کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے"

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں :

" اس عہد کے تمام اساتذہ، درس حدیث میں علامہ انور شاہؒ کی اولاد

کے مانند ہیں، جنہیں وہ ابن حجر عسقلانیؒ، علامہ عینیؒ، شیخ تقی الدینؒ اور سلطان العلماء کا نمونہ قرار دیتے تھے۔"

سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں:

"علامہ انور شاہؒ ایک خاموش سمندر کی مانند ہیں، جنکا سینہ انمول موتیوں سے بھرا ہوا ہے۔"

اتنے قابل اور مایۂ ناز استاذ سے صرف تلمذ اور شاگردی کا رشتہ نہیں، بلکہ خصوصی تعلق قائم تھا، جسکی وجہ سے حضرت شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف آپ میں منعکس ہو گئے۔ آپ بے مثال تبحر علمی، بے نظیر قوت حافظہ اور لاثانی فقاہت کے اعتبار سے اپنے شیخ کا نمونہ تھے۔

آخری سبب فقاہت: آخری سبب، جسکی وجہ سے آپ نے فقہ و قانون میں عظیم مقام حاصل کیا، وہ فراغت کے بعد درس و تدریس اور قضاء و افتاء کا سنہری موقعہ ہے۔ جوں ہی آپ دارالعلوم دیوبند سے درجہ امتیاز میں فارغ ہوئے تو آپ کو حدیث و تفسیر اور فقہ کے درس کے لئے معتدبہ وقت ملا جسمیں آپ نے بیس سال سے زائد وقت پاک و ہند کے مختلف مدارس میں گزارا۔ اس مدت مدیدہ میں آپ کو فقہ حنفی کے علاوہ دوسرے مذاہب کے فقہ کے مطالعہ کا موقع بھی ملا ہوگا۔ کلیات و جزئیات پر مکمل عبور حاصل کرنے کے بعد، خدا نے آپ سے عملی خدمت لینی تھی، جس کے لئے دربار ایزدی سے صوبہ بلوچستان کے ریاست قلات کا انتخاب ہوا۔

قلات میں جاکر آپ نے جب وزارت معارف کا قلمدان سنبھالا تو فقیہ النفس ہونے کی بناء پر کسی مسئلہ میں کوئی مشکل پیش نہ آئی آپ کے اس منصب پر آنے سے ریاست کے شعبہ ہائے محکمہ قضا میں ایک نئی روح آگئی تمام تنازعات خواہ دیوانی ہوتے یا فوجداری، جلد از جلد قرآن و حدیث کی روشنی میں فیصلے ہونے لگے، ایسا ماحول قائم ہوا، جسمیں نہ ظلم و زیادتی کا خطرہ اور نہ برسوں کے بے جا انتظار کا خوف، جلد اور آسان انصاف کی وجہ سے لوگوں نے

خوشی اور اطمینان کا سانس لیا، گیارہ سال تک آپ یہ عظیم خدمت سر انجام دیتے رہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ اس خدمت کے لئے آپ کا انتخاب کسی ٹسٹ و انٹرویو یا امتحان دینے کی بناء پر نہیں تھا اور نہ آپ نے خود اس کے لئے کوشش کی تھی، بلکہ دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ کرام کے مشورہ کے بعد آپ کو اس اہم کام کے لئے چنا گیا۔ اس موقعہ پر اس مشکل کام یعنی قضاء و افتاء کے لئے آپ کا انتخاب، آپ کی فقاہت کے لئے واضح ثبوت ہے، ورنہ دارالعلوم دیوبند میں آپ کے علاوہ ہزاروں فضلاء اور سینکڑوں اساتذہ موجود تھے۔ بزرگوں کا انتخاب درست ثابت ہوا اور آپ اساتذہ کی توقعات پر پورا اترے اور اس مختصر مدت میں عظیم خدمات سر انجام دیں۔

آپ کے آثارِ فقیہہ

لاریب آپ کو خدمتِ دین کا اکتیس سال سے زائد موقعہ ملا۔ اس دوران آپ نے خطباء، مصنفین، قضاۃ اور مفتیان مہیا کئے۔ آپ نے وقت کی ضرورت کو سمجھا۔ کہیں آپ کا شاگرد، وقت کا عظیم خطیب بنکر نکلا، کہیں سے آپ کا شاگرد مسندِ تدریس پر بیٹھ کر معقولات و منقولات کا جامع استاذ ثابت ہوا، اور کہیں آپ کا شاگرد مصنف اور مؤلف کے نام سے متعارف ہوا۔ یہ بے شمار بالذات اور بالواسطہ روحانی ابناء، آپ کے علمی آثار اور فقہی ماثر ہیں۔ تاہم آپ کی فقہی شخصیت آپ کے علمی ذخائر میں دیکھی جا سکتی ہے، بہتر یہ ہے کہ آپ کے چند فقہی کارناموں کا تذکرہ کیا جائے۔

معین القضاۃ والمفتین تعارف : یہ کتاب حضرت افغانی رحؒ کے ان محنتوں اور کاوشوں کا مجموعہ ہے، جو آپ نے دورانِ وزارت فقہ اسلامی کے چیدہ چیدہ اصول جمع کر کے ترتیب دی ہے۔ کتاب ایک سو سولہ صفحات پر مشتمل ہے، اگرچہ ہمارے پاس فقہی ذخیرہ کافی ہے، کہیں متون، کہیں شروح اور کہیں فتاوی کی صورت میں یہ قیمتی سرمایہ ہمارے پاس موجود ہے، کہیں مسئلہ کے تلاش میں کوئی خاص دقت مواد کے اعتبار سے نہیں پڑتی، لیکن تلاش، تتبع و استقراء ایک مشکل کام ہے، وقت ضرور لیتا ہے اور شہیدِ علم استادِ محترم حضرت العلامہ مولانا محمد علی مرحوم فرمایا کرتے تھے،

ہ فقاہت دراصل یہ ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ مسئلہ کہاں ہے؟ کس فصل اور کس باب میں ہے؟ فرمایا۔ اگر یہ علم حاصل ہو جائے تو پھر افتاء کوئی مشکل کام نہیں۔ حضرت افغانی مرحوم کے اس کتاب میں یہ مشکل دور کیگئی ہے، یہاں کسی جزئیہ کی تلاش کی ضرورت نہیں۔ جدید طرز پر دفعہ وار یہ کتاب مرتب کیگئی ہے، معاملات اور قضاء کے مسائل کے لئے الگ الگ باب قائم کرکے جزئیات کا ذکر کیا گیا ہے، جس سے جزئیہ آسانی سے نکالا جا سکتا ہے۔

ابتداء میں قواعد وضوابط کے تذکرہ کے لئے "الباب الاول فی بیان الکلیات التی یرجع الیہا کثیر من مسائل القضاء" کا عنوان قائم کرکے ایک سو قواعد بیان کرتے ہیں، جن پر عام مسائل مبنی ہیں۔ مثلاً پہلا قاعدہ یہ ہے:

"الامور بمقاصدھا یعنی الحکم الذی لیترتب علی امر یکون علی مقتضی
(۱) ماھو المقصود من ذلک الامر"

دوسرا قاعدہ یہ ہے:

(۲) "العبرۃ فی العقود للمقاصد والمعانی لا للالفاظ والمبانی وکذا یجری حکم الرھن فی البیع بالوفاء"

اور آخری قاعدہ یہ ہے:

(۱۰۰) من سعی فی نقض ماتم من جھتہ فسعیہ مردود علیہ"

مبادی کے تذکرہ کے بعد دوسرے باب سے مسائل دفعہ وار بیان کرتے ہیں، پہلا دفعہ یہ ہے

مادہ ۱ " الدعوی قول مقبول عند القاضی او المحکم یقصد بہ اما طلب حق معلوم قبل غیرہ او دفع الغیر عن حق نفسہ فشمل دعوی الحق ودعوی دفع التعرض کلیھما دون دعوی قطع النزاع"

کل سات سو ستائیس دفعات ہیں۔ آخری دفعہ "مادہ ۷۲۷" کے عنوان سے "بیع بالوفاء" کا حکم ہے۔

خصوصیات کتاب (۱) اختصار اور جدت ہر دو نوں اس کتاب کی خصوصیات ہیں۔ دوران بیان اگر کوئی جزئیہ ظاہر ہو، اس میں کسی قسم کا خفا نہ ہو، تو اس ظاہری جزئیہ کی طرف التفاف نہیں کرتے ہیں اور اگر کہیں کسی جزئیہ میں کوئی

خفاء نظر آئے تو اگلے دفعات میں اس خفاء کو جزئیہ کے حکم کو ذکر کرنے سے دور کرتے ہیں، مثلاً دفع اولیٰ میں " دعوی الحق " کے حکم اور صورت میں خفا نہیں ہے، لہذا اس کو اپنی حالت پر چھوڑ کر اس کو نہیں چھیڑا، البتہ " دعوی دفع التعرض " اور " دعوی قطع النزاع " میں خفاء کی وجہ سے آگے دفعات میں ہر دونوں مسائل کو واضح کرتے ہیں۔

(۲) مختلف اقوال کے ذکر کرنے کے بعد ادفق بالروایت والدرایت قول کو ترجیح دینا بھی کتاب کی زینت ہے، ورنہ یہ کام اصحاب الترجیح کا ہے، جو صاحب ہدایہ کے بلند پایہ جیسے علماء سر انجام دیتے ہیں۔

(۳) مراجع کا اجمالاً تذکرہ مطولات سے بے پرواہ کرتا ہے، گویا ان دفعات کے لئے کسی دوسری کتاب کے دیکھنے کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔

(۴) معیاری ادب اور لغت عربی سے کتاب کا حسن دوبالا ہوتا ہے۔

(۵) شہ سرخیوں اور الگ الگ عنوانات کی وجہ سے طبیعت پر دوران مطالعہ کچھ بوجھ نہیں پڑتا، بلکہ کتاب آسان سے آسان تر بنتی جارہی ہے۔ کتاب نے ان خصوصیات کی وجہ سے برصغیر کے نامور علماء و فضلاء سے خوب داد حاصل کی۔

اسلامی نظریاتی کونسل کی رکنیت

اسلامی نظریاتی کونسل کی رکنیت بھی آپ کے فقہی بصیرت میں سے ہے، جس میں آپ نے قیمتی مشورے دیئے۔

۱۹۷۷ء میں نظام مصطفیٰ کی ملک گیر تحریک نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ پاکستان کے عوام اس خطہ خداداد میں اسلامی نظام کا نفاذ چاہتے ہیں۔

سینکڑوں اختلافات کے باوجود قائد جمعیت حضرت مولانا مفتی محمود رح کی قیادت میں تمام جماعتوں کو اسلام زندہ باد کا نعرہ بلند کرنا پڑا اور ایک متحدہ طاقت کی صورت میں تمام سیاسی جماعتیں اکٹھی ہوئیں۔ آخر کار پیپلز پارٹی کی حکومت کا سورج غروب ہوا اور جنرل ضیاء الحق فوجی حکومت کے قیام میں کامیاب ہوئے۔

جنرل ضیاء تحریک نظام مصطفیٰ کے دوران مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تھے

اس نے عوام کو دبانے کی خوب کوشش کی لیکن ایمانی طاقت کا مقابلہ نہ کر سکے۔
لیکن جنرل صاحب کو یہ احساس ضرور ہوا تھا کہ اس ملک میں حکومت کرانے اور عوام کے دل موہ لینے کا واحد ذریعہ "اسلامی نظام" کا نعرہ لگانا ہے۔ چنانچہ آتے ہی اس نے اور جملہ حواریوں نے اسلامی حکومت کے قیام کی باتیں شروع کیں۔ چند اقدامات کا اعلان ہوا جو بظاہر نیک شگون معلوم ہو رہے تھے۔ علماء حق کا ہمیشہ کے لئے یہ مقصد رہتا ہے کہ اسلامی نظام کے نفاذ کا عمل پورا ہو جائے خواہ جس ذریعہ سے ہو ان اقدامات میں "اسلامی نظریاتی کونسل" کے ادارہ کے قیام کا جب اعلان ہوا اور حکومت نے علماء کو اسلامی نظام قائم کرنے کی دعوت دی تو چند ارباب حل وعقد نے جن میں حضرت العلامہ محمد یوسف بنوری رح، اور حضرت العلامہ مولانا شمس الحق افغانی رح جیسے اکابرین کا نام سرفہرست ہے، لبیک کہہ کر صرف اس ادارہ کی رکنیت قبول نہیں کی بلکہ رات ودن اس ادارہ کی کامیابی کے لئے کوشش کرتے رہے، خود قائد جمعیت حضرت مولانا مفتی محمود رح بھی ابتداء، اس حکومت کی منافقت اور دوغلی پالیسی سے واقف نہیں تھے، آپ نے اور قومی اتحاد کی دیگر سیاسی جماعتوں نے بھی اپنی اپنی جماعتوں کے چند وزراء منتخب کر کے مخلوط حکومت کا ساتھ دینے لگے تاہم حضرت مفتی محمود رح پر جب جنرل ضیاء الحق کی منافقت اور دوغلی پالیسی ظاہر ہوئی، تو آپ نے علیحدگی اختیار کی۔
" فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ "۔
بہرحال ابتداء میں اس ادارہ کی رکنیت قبول کرنا اور بعد ازاں قیمتی آراء اور تجاویز دینا بھی آپ کی فقہی بصیرت کے نتائج ہیں، ان حضرات نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ اس ادارے کی صحیح رہنمائی کریں۔
" نظریاتی کونسل" کی محنتیں اور مساعی جمیلہ اچھی اچھی تجاویز پر صرف ہوئیں حضرت افغانی جس وقت ممبر تھے، تو سال ۸۱-۱۹۸۰ء اور ۸۲-۱۹۸۱ء کی رپورٹوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے اپنا ذمہ فارغ کر دیا ہے۔ قانون عدل، قوانین حدود، قاضی عدالتوں کا مسئلہ، دیوانی مقدمات، قصاص و دیت کا مسودہ حق شفعہ، قانون شہادت، قانون مضاربہ، قانون امتناع شراب، نظام زکوٰۃ، بلا

سود بنکاری نظام پر تحقیقی رپورٹ، مذہبی علوم کی تعلیم کے لئے تجاویز اور ذرائع ابلاغ کی اصلاح کے لئے قیمتی تجاویز جیسے کارنامے قوم کے پاس امانت ہیں، لیکن دس سال گزرنے کے باوجود، یہ قیمتی آراء سفارشات کی صورت میں فائلوں میں کیڑوں کی نذر ہو رہے ہیں۔ کاش حکومت اس پر کارفرما رہتی۔

حضرت العلامہ افغانیؒ سے میرے مراسم

مولانا مدرار اللہ مدرارؔ ۔ ڈسٹرکٹ خطیب ضلع مردان

حضرت العلامہ مولانا شمس الحق افغانی نور اللہ مرقدہٗ ایک عظیم اور جامع شخصیت کے مالک تھے۔ دینی علوم و معارف یعنی علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ اور علم اصول میں سند اور مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے۔ اسی طرح ہر علم اور فن میں لگا نہ عصر تھے جدید عصری علوم اور جدید عربی ادب پر کما حقہٗ عبور رکھتے تھے۔ ہر موضوع پر لکھ بھی سکتے تھے اور فی البدیہہ بول بھی سکتے تھے۔ آپ کا حافظہ اور وسعتِ مطالعہ دونوں قابلِ رشک تھے۔ آپ کا شمار دیوبند کے ممتاز اور اکابر علماء میں ہوتا تھا۔

فنی علوم یعنی منطق، فلسفہ وغیرہ میں بھی آپ کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ ایک مرتبہ ایک فارغ التحصیل طالب علم، جسکو منطق میں بڑی مہارت تھی، نے یہ ارادہ کیا کہ منطق میں حضرت علامہ کا حدود اربعہ معلوم کیا جائے۔ چنانچہ وہ علامہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کرنے لگا کہ حضرت! میں منطق کا ایک ادنیٰ طالب علم ہوں۔ منطق کے چند مسائل میں میرے کچھ شکوک ہیں، جن کو کسی نے رفع کر کے میری تسلّی نہیں کرائی۔ اگر حضرت اجازت دیں تو میں اپنے شکوک عرض کردوں۔ حضرت نے فرمایا کہ بڑے شوق سے اپنے شکوک بیان کرو، چنانچہ اس طالب علم کا بیان ہے کہ میں نے اپنے پیچیدہ سوالات اور اشکالات

ان کی خدمت میں عرض کر دیئے اور حضرت نے بغیر کسی تردد کے پوری فصاحت وبلاغت اور بسط وتفصیل کے ساتھ میرے ہر سوال کا ایسا شافی اور کافی جواب دیا کہ میں حیران رہ گیا کیونکہ میرا خیال تھا کہ شاید ہی حضرت علامہ میرے ان مشکل سوالات کا تسلی بخش جواب دے سکیں۔ اس طالب علم کا بیان ہے کہ میں اپنے دل میں بہت شرمندہ ہوا اور حضرت علامہ کے تبحر علمی کا دل وجان سے قائل ہو گیا۔

لاہور کے علماء کا ایک وفد حضرت علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان دنوں ممدوح صاحب فراش تھے، لیکن اس کے باوجود وفد کو شرف ملاقات بخشا۔ وفد نے مزاج پرسی کے بعد عرض کیا کہ حضرت! ہمیں فقہ کے ایک مسئلہ کے بارے میں پوچھنا ہے، اس کے بارے میں آپ ہماری رہنمائی فرمائیں۔ حضرت نے فرمایا۔ اپنا سوال بیان کیجئے، تو انہوں نے اپنا سوال بیان کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ افسوس کہ اب علماء تو دین اجبار میں ہو گئے ہیں اور کتب بینی چھوڑ دی ہے ورنہ یہ مسئلہ "کنز الدقائق" کا ہے اور اس کے مطالعہ کیلئے فتاویٰ اور شروح کی ضرورت نہیں ہے، پھر وہ مسئلہ بحوالہ کنز الدقائق تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔ وفد کے علماء نے حضرت کی فقاہت کو دل سے تسلیم کیا اور مطالعہ کتب سے غفلت برتنے پر تاسف کا اظہار کیا۔

الغرض حضرت علامہ کا تبحر علمی اور وسعت مطالعہ قابل رشک تھا۔ بلاشبہ علامہ جمال الدین افغانی اسلامی تاریخ میں ایک ممتاز بین الاقوامی شخصیت گذرے ہیں اور انہوں نے علوم اسلامیہ اور اسلامی افکار کی اشاعت اور بین الملی اسلامی اتحاد کیلئے بہت بڑا کام کیا ہے، لیکن علامہ شمس الحق افغانی بھی اپنے وسائل کے مطابق عمر بھر مذکورہ مقاصد کے علمبردار رہے اور تقریر و تحریر کے ذریعے احیائے اسلام اور ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کے لئے کوشاں رہے۔ اگرچہ آپ عالم اسلام کے اتحاد کے لئے بہت کچھ کرنا چاہتے تھے لیکن وسائل کے فقدان کی وجہ سے اپنے بلند عزائم وارادت میں کامیاب نہ ہو سکے تاہم وہ جمال الدین افغانی کے بعد دوسرے نامور افغانی ہیں، جو آفتاب درخشاں کی طرح صوبہ سرحد کے افق پر طلوع ہو کر نہ صرف سرحد بلکہ پورے برصغیر کو اپنے علوم و معارف کی ضیاء پاشیوں سے عمر بھر منور کرتے رہے۔

آپ نے کثیر تعداد میں اہم علمی اور دینی کتابیں تصنیف کی ہیں، جو علمی اد

مذہبی حلقوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ عربی میں بھی آپ نے ایک انتہائی اہم کتاب "معین القضاۃ والمفتین" کے نام سے تصنیف کی ہے، جو مفتیوں، قاضیوں اور قانون دانوں کے لئے نہایت کارآمد ہے۔ آپ دیوبند اور ڈابھیل میں شیخ التفسیر رہ چکے ہیں اور جامعہ اسلامیہ بہاولپور اور علوم اسلامیہ اکیڈمی کوئٹہ میں شیخ التفسیر والحدیث رہ چکے ہیں۔

آپ میں قضاء اور افتاء کے علاوہ انتظامی امور چلانے کی بھی بڑی صلاحیتیں تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ سابق والی ریاست قلات بلوچستان نے آپ کو بڑے اعزاز کیسا تھ دیوبند سے اپنے ہاں مدعو کیا اور وزارتِ معارف کا قلمدان آپ کے سپرد کیا اور آپ وہاں کافی عرصہ وزیر معارف رہے۔ والی قلات آپ کی علمی صلاحیتوں، معاملہ فہمیوں اور سخن سنجیوں کے بڑے مداح اور قدر شناس تھے۔

حکومت پاکستان بھی آپ کے علمی کمالات سے واقف تھی اور باوجودیکہ آپ اپنے آخری ایام زندگی میں بوجہ ضعف سفری مصروفیات کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ صدر مملکت محمد ضیاء الحق نے آپ کو اسلامی نظریاتی کونسل کا اعزازی ممبر نامزد کیا تھا اور زندگی کے آخری لمحات تک اس اعزاز کے حامل رہے۔ آپ صاحب طریقت بھی تھے اور لوگوں کو بیعت بھی کرتے تھے، چنانچہ عوام کے علاوہ آپ کے حلقۂ ارادت میں طلباء اور علماء بھی داخل تھے۔ اس لحاظ سے آپ جامع طریقت و شریعت، صاحبِ رشد و ہدایت اور رازدانِ معرفت بھی تھے۔

سنہ ۱۹۶۰ء میں آپ کے ساتھ بندہ کے مراسم محبت اور روابط مودّت قائم ہوئے اور امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت علامہ افغانی کی اس حقیر فقیر اور پُر تقصیر پر خصوصی نظر کرم مبذول تھی بلکہ اگر میں یہ کہوں تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ حضرت ممدوح، بندہ کے انتہائی قدردان تھے اور ہمیشہ اظہار محبّت فرمایا کرتے تھے، چنانچہ یہ حقیقت بندہ کے نام آپ کے مکتوباتِ گرامی سے بخوبی روشن ہے۔ چار یا پانچ مکتوباتِ عالیہ اب بھی میرے پاس محفوظ ہیں، جن کی فوٹو سٹیٹ کاپیاں اس مضمون کے ہمراہ مؤقر "النصیحۃ" کو ارسال کئے ہیں۔ جو کہ مضمون کے آخر میں من وعن شائع کئے جارہے ہیں۔

جامع مسجد پریمیئر شوگر ملز مردان کی انتظامیہ ہر سال جامع مسجد میں

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس اجتماعات منعقد کیا کرتی تھی، جن میں بندہ کو مدعو کیا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے خواہش ظاہر کی کہ تقریب میں حضرت علامہ کو خصوصی دعوتِ شرکت دی جائے اور یہ کام میرے سپرد کیا گیا۔ چنانچہ میں نے حضرت علامہ کو ان کے شایانِ شان انتظامات کے ساتھ تقریب میں شمولیت کی دعوت دی۔ آپ نے میری دعوت کو بڑی محبت سے شرفِ قبول بخشا اور دوسری مصروفیات پس پشت ڈال دیں۔ بندہ نے تقریب کے افتتاح پر ان کی خدمت میں انتظامیہ اور حاضرین کی طرف سپاسنامہ پیش کیا۔ چونکہ سپاسنامہ میں حضرت کی شانِ علمی کے مطابق جو اسلوبِ بیان اختیار کیا گیا تھا۔ اس سے حضرت بہت محظوظ ہوئے اور اظہارِ مسرت فرمایا۔ پریمیر شوگر ملز کے افسران کا زیادہ تعلق اردو دان اور اہلِ زبان حضرات سے تھا اور حاضرین بھی اردو بخوبی سمجھتے تھے، اس لئے ہماری خواہش پر ممدوح نے اردو میں تقریر فرمائی، جو تقریباً دو گھنٹے تک جاری رہی۔ تقریر میں سیرت مقدسہ کے بارے میں ایسے نکات و معارف بیان فرمائے کہ حاضرین دنگ رہ گئے۔

بندہ ایک مدت سے سیرت کمیٹی ضلع مردان کا صدر چلا آ رہا ہے اور اس کے سرپرست الحاج محمد علی خان (سینیٹر) ہیں۔ ہم ہر سال ربیع الاول میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جلسہ عام منعقد کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ مجلس عاملہ کی خواہش پر بندہ نے علامہ صاحب کو دعوتِ شرکت دی اور خود ان کے پاس گاڑی لے کر حاضر ہوا۔ حضرت نے اس دعوت کو بطیب خاطر قبول کیا اور مردان تشریف لا کر سیرت مقدسہ کے بابرکت اجتماع میں شرکت فرمائی۔

کرنل نوابزادہ محمد امیر خان ہوتی نے مجھ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ ہم مردان میں ایک عظیم الشان دینی دارالعلوم قائم کرنا چاہتے ہیں، لیکن اس کے لئے ہمیں ایک ایسے صدر مدرس کی ضرورت ہے جو دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم میں بھی ایک بلند مرتبہ رکھتا ہو اور عصر حاضر کے تقاضوں سے بخوبی واقف ہو اور ہر لحاظ سے ایک امتیازی شان رکھتا ہو۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ بے فکر رہیئے، میں اس کے لئے ایک بہترین انتخاب کروں گا اور اس مقصد کے لئے میں نے علامہ افغانی کا نام پیش کیا۔ اُن دنوں علامہ صاحب بہاولپور اسلامی یونیورسٹی میں صدر شعبۂ تفسیر کے عہدے پر فائز تھے۔ امیر خان صاحب

کہنے لگے کہ کیا وہ ہماری دعوت کو قبول کریں گے۔ میں نے کہا کہ اس کی ذمہ داری میں لیتا ہوں اور انشاء اللہ تعالیٰ میں ان کو آمادہ کروں گا۔ کرنل امیر خان نے کہا کہ آپ ابھی بہاولپور جائیں اور ہماری طرف سے دعوت پیش کریں۔ میں نے کہا کہ میرے جانے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنے ایک عریضہ کے ذریعے حضرت علامہ کی خدمت میں دعوت پیش کروں گا اور انشاء اللہ وہ اس کو منظور فرمائیں گے۔ چنانچہ میں نے حضرت کی خدمت میں بدیں مضمون عریضہ لکھا کہ حضرت! آپ نے علوم دین کی خدمات صوبہ سرحد سے باھر انجام دی ہیں، جب کہ اپنے وطن کا بھی آپ پر حق ہے۔ اس لئے باقی عمر اپنے وطن میں ہی علوم دین کی خدمت قبول کرتے ہوئے ہم اہل مردان بلکہ جملہ باشندگان سرحد کو ممنون ومشکور ہونے کا بہترین موقع عطا فرمائیں۔ چنانچہ حضرت نے میری اس درخواست کو قبول فرماتے ہوئے تحریر فرمایا کہ آپ کی خواہش کے مطابق میں دارالعلوم مردان میں آنے کے لئے تیار ہوں، آپ اپنے انتظامات جاری رکھیں۔ اس کے بعد امیر خان صاحب نے دارالعلوم کے اہتمام کا سارا کام میرے سپرد کیا۔ چنانچہ میں نے دارالعلوم کا نقشہ راولپنڈی کے ایک مشہور فرم سے سات ہزار روپے کی لاگت سے بنوایا اور دارالعلوم کا نام بھی میں نے ہی " اکبر دارالعلوم ہوتی مردان " رکھا اور بہت جلد وہ دن آیا کہ حضرت علامہ اکبر دارالعلوم میں رونق افروز ہوئے اور نہایت حسن وخوبی کے ساتھ دارالعلوم کا افتتاح فرمایا۔ اور باقاعدہ کام شروع کیا گیا۔ اگرچہ بعد میں جسمانی عوارض کی وجہ سے میں نے دارالعلوم میں دلچسپی لینا چھوڑ دی، لیکن حضرت علامہ مدت مدید تک اپنے فرائض کی انجام دہی سے دارالعلوم کی رونق اور وقار کو بڑھاتے رہے اور پھر ضعف کی وجہ سے دارالعلوم سے علیحدگی اختیار کی اور خانہ نشین ہو گئے۔

سنہ ۱۹۶۲ء میں جب کہ علامہ ممدوح اکیڈیمی علوم اسلامیہ کوئٹہ میں صدر شعبۂ تفسیر وحدیث کے عہدے پر فائز تھے اور محکمہ اوقاف سے وابستہ علمائے دین کے لئے تربیتی کورس کا انتظام تھا۔ لیکن بایں ہمہ علامہ صاحب ازراہ محبت وقدردانی بندہ کو بھی اس کورس میں شامل کرنے پر اصرار فرماتے رہے اور آخر کار علامہ صاحب

انتظامیہ سے بندہ کے لئے خصوصی اجازت لینے میں کامیاب ہو گئے اور اپنے مکتوب گرامی کے ذریعے بندہ کو اس سے مطلع کرنے پر سرفراز فرمایا۔ موصوف نے اپنے مکتوب مبارک میں فرمایا کہ :

" کوٹہ بندی کی مشکلات کے باوجود ستمبر کے بیچ میں آپ کا انتخاب منظور ہوا ہے سرکاری اطلاع کی آمد پر آپ کوئٹہ روانہ ہونگے "

حضرت علامہ بندہ کی ناچیز تحریری کاوشوں کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ ایک مکتوب گرامی میں لکھتے ہیں :

" مجھے امید واثق ہے کہ اس دور پُر فتن میں اعلاءِ حق کے میدان میں آپکا اشہب قلم اسی طرح مصروفِ تگ و تاز رہیگا۔ خداوند تعالیٰ آپ کی مساعی کو بار آور فرمائیں "

بندہ نے ۱۳۸۹ھ میں " چاند تک انسان کی رسائی اور قرآن حکیم " کے موضوع پر " اعجاز القرآن " کے نام سے ایک تحقیقی کتاب لکھ کر شائع کی جس کی ایک جلد حضرت علامہ کی خدمت میں بھی بھیجی گئی، جس پر ممدوح نے از راہِ کرم نوازی مختصر مگر جامع تبصرہ فرماتے ہوئے اسے پسندیدہ اور تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے نہ صرف مفید بلکہ ایمان افروز قرار دیا۔ چنانچہ آپ میرے نام اپنے گرامی قدر مکتوب میں فرماتے ہیں :

" آپ کی تصنیف دربارۂ خلائی تسخیر موصول ہوئی، مطالعہ کیا۔ اگرچہ موضوع ابھی تک کسی حد تک تشنۂ تکمیل ہے، لیکن جسقدر آپ نے لکھا وہ بنیادی طور پر ازالۂ شبہاتِ جدیدہ کے لئے کافی ہے اور تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے ایمان افروز ثابت ہوگا، میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دین کی صحیح خدمت کرنے کی مزید توفیق عطا فرمائے "

حضرت علامہ کے مکاتیب گرامی

حضرت علامہ نے وقتاً فوقتاً بندہ کے نام جو قابل قدر اور حوصلہ افزا خطوط ارسال فرمائے ہیں۔ ان میں سے چار پانچ خطوط اسوقت دستیاب ہیں۔ یہ خطوط مبارکہ بطور تبرک ذیل میں قارئین " النصیحۃ " کی خدمت میں من وعن پیش کئے جاتے ہیں :-

اُستاذِ گرامی حضرت علاّمہ افغانی رحمۃ اللہ تعالیٰ

★ حضرت مولانا علی اصغر عباسی، صوبائی خطیب اوقاف پنجاب خطیب جامع مسجد نیلا گنبد، لاہور

راقم الحروف کو ۱۱؍مارچ ۱۹۶۳ء تا ۱۰؍جون ۱۹۶۳ء اکیڈمی علوم اسلامیہ کوئٹہ میں اور پھر جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں ستمبر ۱۹۶۳ء تا جون ۱۹۶۵ء تقریباً پونے دو سال حضرت افغانی سے شرف تلمذ رہا۔ جبکہ اس سے قبل جامعہ اشرفیہ لاہور میں حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب رحمۃ اللہ اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی سے پڑھنے کا موقعہ ملا تھا اور پھر فاضل عربی کا امتحان پاس کرنے کے دوران حضرت مولانا عبدالدائم جلالی اور دورہ تفسیر کے دوران حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری جیسے اکابر کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر چکا تھا۔ حضرت افغانی اپنے دور کے ایک عظیم عالم دین تھے بہاولپور کے قیام کے دوران ایک بزرگ عالم دین کا یہ خواب میں نے خود سنا کہ اکابر علماء کا ایک اجتماع ہے جس میں حضرت افغانی بطور اُستاد کے تشریف فرما ہیں۔

شمس العلماء والمسلمین حضرت مولانا شمس الحق افغانی برصغیر کے ان عظیم علماء میں سے تھے، جن کو دینی علوم میں مہارت تامہ کے ساتھ جدید مسائل پر اُن کے انطباق کا خاص ملکہ حاصل تھا۔ مولانا افغانی علمی اصطلاحات میں تصرف بھی فرمایا کرتے تھے، جس سے بعض پیچیدہ علمی مسائل جدید دور کے ذہنوں کے لئے آسانی سے قابل قبول بن جاتے تھے۔ پاکستان کے شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کے بعد یہاں قدیم و جدید علوم کے ماہرین میں تین نمایاں شخصیات ہوئی ہیں۔ ان میں حضرت افغانی کے علاوہ مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت مولانا

مفتی محمودؒ صاحب کے اسمائے گرامی میرے نزدیک قابل ذکر ہیں۔ حضرت افغانیؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب کو یہ بھی خصوصیت حاصل ہے کہ تقسیم ملک کے بعد نوابزادہ لیاقت علی خان سے لیکر جنرل محمد ضیاء الحق تک سرکاری سطح پر دینی معاملات میں ان سے استفادہ کیا جاتا رہا۔ اس لئے ان بزرگوں کو جدید مسائل کے حل میں قدیم علوم سے بھرپور فائدہ حاصل کرنے کی مہارت تھی۔

حضرت علامہ افغانیؒ کی تصنیفات اگرچہ کثرت سے نہیں ہیں، تاہم اُن کے جسقدر علوم موجودہ تصنیفات ہیں۔ ان پر اگر غور کیا جائے تو کسی عالم کے لئے حضرۃ کے قیمتی اور عمیق علوم کا اندازہ لگانا دشوار نہیں ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اکیڈیمی علوم اسلامیہ کوئٹہ میں چار ماہ تک اور جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں تقریباً چھ ماہ تک "النظر العمیق فی تفسیر القرآن" کے عنوان پر صرف تعوذ، تسمیہ اور سورۃ فاتحہ کی جو تفسیر فارغ التحصیل علماء کو پڑھائی تھی۔ راقم الحروف نے درس نوٹ کی تھی، اس کو حال ہی میں بعض علماء کے اصرار پر کتابی شکل میں مرتب کر رہا ہوں، اس کا مواد تقریباً دو سو صفحات سے بھی متجاوز ہے، یہ تفسیر انشاء اللہ العزیز مستقبل قریب میں منظر عام پر آجائیگی (اللہ تعالیٰ تکمیل کی توفیق نصیب فرمائے، آمین)

حضرت علامہ افغانیؒ نے بہت سے دینی اداروں میں فرائض تدریس انجام دیئے، لیکن برصغیر کی دو بڑی درسگاہوں دارالعلوم دیوبند اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں جس امتیازی شان کے ساتھ حضرۃ نے پڑھایا، وہ تاریخ کا اہم حصہ ہے، دارالعلوم دیوبند میں تو بطور شیخ التفسیر والفلسفہ حضرۃ نے تدریسی فرائض انجام دیئے۔ اس عرصے میں خصوصی طور پر دارالعلوم کی جامع مسجد میں قرآن پاک کا ترجمہ بھی حضرت پڑھایا کرتے تھے، جو عوام و خواص میں مقبول تھا۔ بقول حضرت افغانیؒ کہ میرے ان قرآنی دروس میں خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق تھانوی بطور خاص شریک ہوتے اور لکھنے کا بھی اہتمام کرتے تھے۔

دیوبند سے قلات تشریف آوری

حضرت علامہ افغانیؒ نے قلات میں بطور وزیر معارف/قاضی القضاۃ دارالعلوم دیوبند سے تشریف لانے کا واقعہ یوں بیان فرمایا تھا کہ خان قلات پر احمد یار خان مرحوم نے دارالعلوم دیوبند سے علماء کی ایک

جماعت کو بطورِ خاص سیرت کے جلسوں سے خطاب کرنے کے لئے قلات آنے کی دعوت دی، چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ کی سرکردگی میں جو علماءِ قلات تشریف لے گئے تھے، ان میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مرتضیٰ حسنؒ چاندپوری، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اور حضرت علامہ افغانیؒ کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ علماء کی یہ جماعت کچھ دنوں تک قلات میں قیام پذیر رہی، قلات اور اُس کے قرب و جوار میں اُن کی علمی روح پرور مجالس ہوتی رہیں، اور دین کے مختلف موضوعات پر بیانات کا سلسلہ جاری رہا۔ حضرۃ الاستاذ علامہ افغانیؒ کے بقول خان قلات جناب میر احمد یار خان مرحوم کے خصوصی اصرار پر میں نے اُردو کے علاوہ فارسی اور پشتو میں بھی تقاریر کیں، جن کو خان صاحب مرحوم کے علاوہ، وہاں کے بہت سے جدید تعلیم یافتہ حضرات نے بہت پسند کیا۔ دیوبند روانگی سے قبل آخری دن کھانے کے اجتماع میں خان صاحب مرحوم نے حضرت مہتمم صاحب سے خطاب کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت ایک عالمِ دین آپ مجھے عنایت فرمادیں تاکہ میں ریاستہائے متحدہ قلات، خاران، مکران، اور لس بیلہ میں دین کو نافذ کرنے کا فریضہ ادا کرسکوں۔ حضرت مہتمم صاحب نے فرمایا کہ علماء کی اس حاضر جماعت میں سے آپ خود ہی کسی کا انتخاب فرمالیں، اس پر خان قلات نے میری طرف (حضرت افغانیؒ) اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ عالم آپ مجھے دیدیں۔ حضرت مہتمم صاحب نے جواباً فرمایا کہ یہ دارالعلوم دیوبند کے مدرس ہیں، ہم دیوبند پہنچ کر مجلسِ شوریٰ سے منظوری لے کر ان کو آپ کی طرف بھیج دیں گے۔ چنانچہ دیوبند پہنچنے کے بعد حضرت مہتمم صاحب نے مجلسِ شوریٰ میں یہ مسئلہ پیش کیا اور خان قلات کی درخواست کا ذکر کیا، جس پر دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ نے تین سال کے عرصے کے لئے حضرت علامہ افغانی کو بطور وزیر معارف / قاضی القضاۃ ریاستہائے متحدہ قلات کے لئے بھیج دیا اور حضرت کو یہ کہا گیا کہ تین سال کے بعد آپ واپس دارالعلوم میں آکر اپنی کارکردگی کی تفصیلی رپورٹ پیش کریں گے، اس کے بعد اگلے مرحلے کے لئے پھر سوچا جائیگا۔

چنانچہ تین سال تک حضرت نے متحدہ ریاستہائے قلات میں بطور وزیر معارف اپنے بزرگوں کی طرف سے تفویض کردہ دینی فریضہ باحسن طریق انجام دیا اور پھر مجلسِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے فیصلے کے مطابق ٹھیک تین سال بعد دارالعلوم دیوبند میں اپنی

حاضری رپورٹ پیش کی۔ چنانچہ اس موقع پر دارالعلوم دیو بند کے صدر مہتمم حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ مرحوم تھے، جبکہ صدر مدرس اور شیخ الحدیث کے طور پر حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ فرائض انجام دے رہے تھے، ان دونوں بزرگوں کے حکم پر دارالعلوم میں ایک جلسہ ہوا، جس میں تمام اساتذہ کے علاوہ طلبہ بھی شریک ہوئے، اور حضرت افغانی نے اپنی سہ سالہ کارکردگی رپورٹ پیش فرمائی۔ صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے دارالعلوم کی مجلس شوریٰ اور صدر مدرس سے اجازت لیکر حضرت افغانیؒ کو جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں بطور شیخ الحدیث کام کرنے پر مامور فرمایا۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے اس منصب پر

اس سے پہلے حضرت افغانیؒ کے استاذ گرامی محدث کبیر حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ اور پھر ان کی وفات کے بعد حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فائز رہ چکے تھے۔ اس سے اس بات کا اندازہ کرنا کوئی مشکل نہیں کہ دیوبند کے اُس وقت کے اکابر کی نظر میں حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے قائمقام علمی فرائض انجام دینے کی اہل شخصیت حضرت علامہ افغانیؒ ہی کی تھی۔ چنانچہ حضرت افغانیؒ نے بطور شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل فرائض انجام دینے شروع کر دیئے، جبکہ اُس وقت جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں پڑھانے والوں کی فہرست میں محدث عظیم حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب جیسی عظیم شخصیات شامل تھیں۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں قیام پاکستان سے قبل تک حضرت افغانی بطور شیخ الحدیث مصروف تدریس رہے۔ تقسیم کے بعد حضرت افغانیؒ جب پاکستان واپس تشریف لائے تو خان قلات میر احمد یار خان مرحوم کو آمد کی اطلاع ہو چکی تھی، اس لئے موصوف کراچی سی پورٹ پر حضرت افغانیؒ کا انتظار کر رہے تھے اور وہیں سے حضرت افغانیؒ کو لے کر قلات آگئے۔ اس وقت سے سنہ ۱۹۵۶ء تک حضرت افغانیؒ دوبارہ ریاستہائے قلات میں بطور وزیر معارف فرائض انجام دیتے رہے۔ سنہ ۱۹۵۶ء میں جب موجودہ پاکستان وَن یونٹ تھا، جس کا مرکز لاہور قرار پایا تو کوئٹہ، کراچی اور پشاور کی عدالتیں لاہور ہائی کورٹ کے تحت آگئیں۔ حضرت افغانیؒ نے اس موقع پر

وزارت معارف سے استعفیٰ دیدیا۔ خان قلات میر احمد یار مرحوم نے بہت اصرار کیا اور بہت سے دنیوی فوائد کا بھی ذکر کرتے ہوئے استعفیٰ واپس لینے کی درخواست کی تو حضرۃ علامہ افغانیؒ نے یہ فرماتے ہوئے استعفیٰ واپس لینے کی درخواست کو مسترد کر دیا کہ متحدہ ریاستہائے قلات کے زمانے میں کیسوں میں آخری اپیل میرے پاس ہوتی تھی، جبکہ اب صورتحال بدل گئی ہے، اگر میں اپنے اس منصب پر رہوں تو میرے فیصلوں کے خلاف لاہور ہائی کورٹ میں اپیل ہو سکیگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ میرے شرعی فیصلوں کو ہائی کورٹ لاہور، برطانوی قانون کے مطابق غیر شرعی فیصلوں سے تبدیل کر دیگا اور میرے لئے یہ صورتحال ناقابل برداشت ہے، کہ میرے ہوتے ہوئے شریعت کے فیصلے توڑے جائیں"

سبحان اللہ! ہمارے اکابر حقیقتاً اسلاف کا نمونہ تھے۔

حضرۃ علامہ افغانیؒ کی بے نفسی اور دینی تصلّب کا اندازہ ایک اور بات سے بھی ہوتا ہے کہ پہلی بار جب مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے فیصلے کے مطابق تین سال مکمل کرنے کے بعد واپس دیوبند تشریف لے جانے لگے تو خان قلات مرحوم نے حضرت افغانیؒ سے کہا تھا کہ یہاں کی اڑھائی ہزار روپے تنخواہ اور وزارت کی دیگر سہولتوں کو چھوڑ کر دیوبند میں ستر روپے تنخواہ پر جا رہے ہیں؟

اسوقت حضرت افغانیؒ نے خان قلات کو جواب دیا، جس کا ذکر حضرت ہی کی زبان سے میں نے سُنا۔ فرمایا کہ "یہ علم اللہ تعالیٰ نے مجھے مادر علمی دارالعلوم دیوبند اور اس کے اساتذہ کے طُفیل نصیب فرمایا ہے، میں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کے مقابلہ میں دُنیوی عہدوں کو پرِ مگس کے برابر بھی نہیں سمجھتا"۔

پاکستان کے سابق صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خان اپنے دورِ حکومت میں جب قلات کے دورے پر گئے تو حضرت افغانیؒ کے چلائے ہوئے عدالتی نظام اور حضرت کے کئے ہوئے فیصلوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے بعد یہ کہا تھا "کیا اس زمانے میں ایسا عالم پاکستان میں موجود ہے جو ہائی کورٹ کے ججوں سے بڑھ کر اچھے فیصلے کرتا ہے؟ اور پھر حضرت افغانیؒ کو سندھ میں جاگیر کے طور پر بہت سی زمین دینے کی پیشکش کی جسکو حضرت نے یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ میں اپنی آخری عمر زمینی جھگڑوں کے بجائے دینی کاموں میں صرف کرنے کو ترجیح دیتا ہوں"

اکیڈمی علوم اسلامیہ کوئٹہ میں قیام کے دوران ایک مرتبہ حضرت افغانیؒ نے عدالتی فیصلوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک خاص فیصلے کا ذکر کیا کہ حکومت قلات سے کسی غیر ملکی ادارے نے ایک خاص قسم کی لکڑی کے خریدنے کا معاملہ کیا تھا۔ ہوا یوں کہ یہ لکڑی کاٹ لی گئی لیکن کسی شرط کے طے نہ ہونے کی وجہ سے کچھ عرصہ تک وہ لکڑی یونہی زمین پر پڑی رہی، جس سے لکڑی کا کچھ حصہ خراب ہو گیا۔ خریدنے والی پارٹی نے طے شدہ قیمت سے ہرجانے کے طور پر کچھ رقم کم کرنے کا مطالبہ کیا، جس کو انتظامی افسروں نے تسلیم نہ کیا۔ لکڑی خریدنے والی پارٹی نے قلات کی ایک ماتحت عدالت میں کیس دائر کیا۔ جب میرے علم میں یہ بات آئی اور خطرہ محسوس ہوا کہ شاید ماتحت عدالت حکومت کے دباؤ میں آکر صحیح فیصلہ نہ کر سکے تو میں نے بطور چیف جسٹس وہ کیس اپنی عدالت میں منگوا لیا اور چند تاریخیں بھگتانے کے بعد جب صورت حال واضح ہو گئی تو میں نے لکڑی خریدنے والی پارٹی کے حق میں اور حکومت قلات کے خلاف فیصلہ دیا، جس سے حکومت کو مالی طور پر کافی نقصان ہوا۔

فیصلے کے بعد ایک دن خان قلات سے کسی ملاقات میں اس فیصلے کا ذکر آیا تو خان قلات نے ہنستے ہوئے کہا کہ آپ کے فیصلے سے حکومت کو نقصان ہوا۔ حضرت افغانیؒ نے فرمایا کہ جب میں نے جواباً خان قلات سے یہ کہا کہ انصاف تو آپ کے گھر سے ہونا چاہیے، میں نے انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے فیصلہ کیا ہے، تو خان مرحوم نے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے معذرت کی۔

اس مختصر مضمون میں حضرت کے فیصلوں کا ذکر مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر کسی کو توفیق نصیب فرمائیں تو قلات (بلوچستان) جا کر حضرۃ کے گیارہ سالہ شرعی فیصلے اور چلائے ہوئے دینی نظام کی تفصیل وہاں کے عدالتی فائلوں میں دیکھ کر اس گنجینۂ علم کو منظر عام پر لانے کی سعادت حاصل کر سکتا ہے۔ راقم الحروف کے خیال میں یونیورسٹیوں کے نوجوان سکالرز کے لئے تحقیق کا عظیم میدان ثابت ہو سکتا ہے۔

حضرت مولانا عبدالدیان صاحب مدظلہ، اسلامیہ کالج، پشاور یونیورسٹی

حضرت مولانا محمد نافع صاحب مدظلہ

فاضل دیوبند

مصنف رحماء بینہم اور بنات الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

کے نام!

۱۲ر شعبان ۱۳۸۳ھ

محترم مولانا محمد نافع صاحب زید فضلہ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ بجواب آپ کے خط کے تحریر ہے کہ رسالۃ الثقلین کے لئے فارغ وقت میں اصلاح کی کوشش کرونگا اور اگر ممکن ہوسکا، تو کتاب اللہ وسنت کی مزید اسانید کی فراہمی کی سعی بھی کی جائیگی۔ لیکن اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ یہاں کتب حدیث کا ضروری ذخیرہ بھی موجود نہیں۔ جو کچھ ذخیرہ حدیث یہاں ہے، وہ ایک متوسط عربی مدرسہ کے ذخیرہ سے بھی کم ہے۔ مجمع الزوائد، جامع کبیر سیوطی، کنز العمال کا ہونا ضروری ہے جو یہاں نہیں۔ تاہم جو کچھ میں کرسکونگا، وہ کرونگا، لیکن اس میں دیر ضرور لگیگی۔ عجلت میں یہ کام ناممکن ہے۔

شمس الحق افغانی

اسلامی یونیورسٹی، بہاولپور

محترم المقام زید مجدکم،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ نعمانی صاحب سے دریافت کر کے کتاب بھجوادی جائیگی۔ جامع کبیر کا مغربی پاکستان میں ملنا مشکل ہے۔ امام احمد بن حنبل کے اس قول کا کہ والحجۃ فی ذالک حدیث حاطب، اس میں حاطب بن ابی بلتعہ کی حدیث کی طرف اشارہ ہے جو صحیحین میں بروایت علیؓ مروی ہے، جس میں فتح مکہ کے سلسلے میں حضور علیہ السلام کی فوج کشی کی اطلاع بذریعہ مخفی خط کے حاطب نے قریش مکہ کو بھیجی تھی۔ حضور کو وحی کے ذریعہ علم ہوا اور علیؓ زبیرؓ مقدادؓ کو مقام رُوضہ خاخ میں بھیجا کہ ایک ہودج نشین عورت کے پاس ایک خط ہے، وہ لے آؤ۔ چنانچہ خط لایا گیا جو حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش کو لکھا تھا، جس پر حاطب نے عذر پیش کیا کہ ما فعلتہ کفرا ولا ارتدادا عن دینی بلکہ میرے اہل وعیال مکہ میں تھے، میں اس اطلاع کے احسان کے اثر سے ان کو بچانا چاہتا تھا، حضور نے تصدیق فرمائی، حضرت عمر نے سوال کیا دعنی اضرب عنق ہذا المنافق، جس پر حضور نے فرمایا۔ انہ قد شہد بدرا وما یدریک لعل اللہ اطلع علی اہل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم۔ اس سے معلوم ہوا کہ مشاجرات صحابہ بدریین مغفور ہیں، اس لئے نکتہ چینی ان پر غلط ہے۔ فقط والسلام

شمس الحق افغانی، بہاولپور

۲۹ر مارچ سنہ ۶۲ء

۱۵ر رمضان ۱۳۸۲ھ

یکم فروری ۱۹۶۳ء محترم سلمہ ربہ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ کا رسالہ ثقلین کو میں نے مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی کے حوالہ کیا ہے، وہ اس سلسلے میں آپ سے خط وکتابت کرینگے۔ یہ کام وقت طلب ہے، اس لئے آپ تاخیر کو برداشت کرینگے۔ یہاں کی مصروفیات بے حد زیادہ ہے اور ذخیرہ کتب موجود نہیں۔ بہرحال جسقدر ممکن ہوسکیگا، آپ کی امداد کی جاسکیگی۔ سب احباب کو سلام عرض کریں۔ شمس الحق افغانی۔ جامعہ اسلامیہ بہاولپور

ازافادات: حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچوی

ترتیب و تحریر: ابوالقاسم حقانی

فرحِ روحانی برزیارتِ افغانی

مُرشدِ کامل اور مُریدِ صادق

استاذ العلماء، حضرت العلامہ مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ، جو شمس العلوم والمعارف، حضرت افغانی رح کے اجل تلامذہ اور خلفاء سے ہیں۔ ۷۸ء میں ایک مجلس میں اپنے لکھے ہوئے تازہ اشعار اور ان کی تشریح سے حاضرین کو محظوظ فرمارہے تھے۔ میں بھی حاضرِ خدمت تھا، چند اشعار اور تشریحی خاکہ محفوظ کر لیا۔ اب افادہ عام کے پیشِ نظر قارئین النصیحۃ کے پیشِ خدمت ہے:

۱۔ مجھے تو نصفِ ملاقات کی شکایت تھی   انہوں نے پاس بلا کر بڑی عنایت کی

۲۔ میری طلب تھی، صحیفہ سرورِ عید بنے   خدا کی شان ہے وہ خود ہی نورِ دید بنے

۳۔ میرا یہ آنا کشش اُن کے قلب کا ہے رفیق   زبان خموش، بلانا ہے ان کا خاص طریق

۴۔ بڑی دراز شبِ تارِ ہجر کی دلبر   نویدِ شمس ہے، شکرِ خدا، یہ نورِ سحر

۵۔ شریکِ عشق جو ہوتا میرا تو اے ہمدم   تو دل سے جان ہی لیتا، تیری حیا کی قسم

۶۔ کہ جس کے راز کا کوئی اگر نہیں ہمراز   ندیم اس کے غموں کی ہے شب بہت ہی دراز

تشریح شعر ۱، ۲   حضرت مدظلہ نے فرمایا: کہ ایک مریدِ صادق کو اپنے شیخ سے عقیدت سے بڑھ کر محبت کا تعلق رکھنا چاہیئے، مگر اس راہ میں کمالِ خلوص اور اپنی عدمِ اہلیت کا کمالِ احساس شرط ہے۔ ایک مریدِ صادق کو یہ تصور بھی نہ کرنا چاہیئے کہ وہ اپنے شیخ کے ہاں یاد کیا جاتا رہیگا

مگر اپنی طرف سے وہ ایک محبِ صادق کی طرح ہر ادائے محبوب سے کمالِ اشتیاق اور والہانہ محبت رکھے، حتیٰ کہ نامہ محبوب کو بھی نہ صرف یہ کہ نصف ملاقات تصور کرے، بلکہ اس کو سرورِ عید یقین کرے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر حضرت مدنیؒ کی طرح خلوصِ دل سے پکار اٹھے ؎

سر رہے یا نہ رہے، پر رہے سودا سر میں
عشقِ احمدؐ کا خدایا، یہی ہم چاہتے ہیں

جب اپنی نالائقی، کوتاہی اور نا اہلی کا احساس ہوگا، جدائی کیوں نہ ہو، مگر اخلاص ہوگا تو یقین کیجئے، شیخ سے کمالِ محبت نصیب ہوگی، جس سے مقامِ بسط پر سرفراز ہوگے، تب شیخ کو تمہارا پاس ہوگا، اِدھر نصف ملاقات کی شکایت ہوگی، اُدھر "پہلو میں بٹھانے" کی عنایت ہوگی، اِدھر نامۂ محبوب کو "سرورِ عید" سمجھو گے، اُدھر وہ خود ہی نورِ دید بن جائے گا ـــــ فرمایا: کہ مشائخ نقشبند کے ہاں محبتِ شیخ تصوف کے مبادیات میں سے ہے جس سے توفیقِ خیر اور اطاعت و عبادت کی عظیم دولت میسر ہوتی ہے۔ فرمایا کہ: یہ فیضانِ شیخ (حضرت نور المشائخ) ہی کا صدقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حضرت شمس المعارف علامہ شمس الحق صاحب افغانی مدظلہٗ کے دامنِ خیر و برکت سے وابستہ کر دیا، جب کافی عرصہ سے ان کے خطوط بند ہوئے تو اِدھر پریشانی میں روز افزوں اضافہ ہوتا جارہا تھا، کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت مدظلہٗ کی جانب سے پاس بلانے کی عظیم سعادت نصیب ہوئی اور شرفِ ملاقات سے بہرہ ور ہوا۔ ؎

هنيئاً لارباب الكمالِ كمالهم
وللعاشق المسكين ما يتجرّع

شعر ۳ فرمایا: کہ سالکین راہِ طریقت اور تصوّف کے طالب علم جب ایک شیخ کامل سے وابستہ ہو جاتے ہیں اور اسے اپنا رہبر تسلیم کر لیتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ اس سے محبت رکھتے ہیں، بلکہ دل میں اس کی عظمت بھی ہوتی ہے تو یقین جانیئے کہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب (مشائخ) بھی اپنے محبین خاصہ (مریدینِ مخلص) پر اعزاز و اکرام اور لطف و عنایت عام کر دیتے ہیں، پھر ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ اخفائے راز اور بعض دیگر مصالح کے پیشِ نظر یا رقیبوں اور حاسدینِ راہ سے بات کو چھپاتے ہوئے

ایک مرشدِ کامل اپنے مخلص مرید کے مکانِ قلب کو اپنے مکین ہونے کے شرف سے بھی نوازتا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر بھری مجلس میں اسے بغیر لب ہلائے راہِ سلوک کے دسیوں سبق پڑھا دیتا ہے مگر کسی کو خبر تک نہیں ہوتی۔ غالباً "انفاس العارفین" میں اس مقام کو "تعلیم بطریقِ سر" بتایا گیا ہے اور شعرِ ہذا میں بھی اسی جانب اشارہ ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حُسن صرف مطلوب ہی نہیں، بلکہ طالب بھی ہوتا ہے۔ ؎

دیدۂ بے خوابِ انجم، سینۂ صد چاکِ گل
حسن بھی ہے مبتلائے دردِ پنہاں دیکھئے

شعر ۲ فرمایا کہ: ایک محبِّ صادق کے لئے اپنے محبوب سے شبِ فراق جسقدر طویل اور الم انگیز ہوتی ہے، اس کا اندازہ تو ان لوگوں سے پوچھئے جن پر گزرتی ہے۔ تاہم، ہم جیسے ادنیٰ طالبعلموں کو بھی احساسِ فراق نے شاعروں کی طرح وادیٔ عشق میں سرگرداں کر دیا جبکہ شاعری نہ تو پیشہ ہے اور نہ ہی محبوب مشغلہ۔

فرمایا: یہاں شبِ تارِ ہجر سے مراد، ذکرِ حق سے غفلت اور فیضانِ شیخ سے محرومی ہے " مَنْ اَعرضَ عن ذکری فانّ لہ معیشۃً ضنکا " ذکرِ حق سے اعراض اور توجہ شیخ سے محرومی شبِ ہجر کی مزید تاریکی اور طوالت کا باعث ہے، جس پر "فانّ لہ معیشۃً ضنکا" دال ہے مگر جب فیضانِ شیخ کے بدولت ذکرِ حق اور توجہ شیخ شاملِ حال ہو جاتی ہے، تو پھر کائناتِ عشق میں یہ وہ مقام بن جاتا ہے، جو مبتلائے درد کے لئے شبِ فراق کے درد والم اور طویل تاریکی کے خاتمہ کا پیغام ہوتا ہے، گویا یہی وہ نویدِ شمس ہے جو نورِ سحر کا پیغام ہوتی ہے۔ نویدِ شمس کی قربت ہی اہلِ عرفان کو سحر خیزی کا باعث ہے، جس میں انہیں دیدارِ الٰہی اور محبوبِ حقیقی سے گفتگو کا بہترین موقعہ میسر آجاتا ہے۔ وصالِ حق کی اس مبارک ساعت میں عاشقانِ حق، معصیت اور غفلت کی دراز شبِ ہجر کو شمسِ معرفت سے نورِ سحر میں بدل دیتے ہیں۔ انسانی زندگی کا یہی وہ بامقصد و بامراد اور باسعادت پہلو ہے، جس سے سالکینِ راہِ طریقت اور طالبانِ حق، ہر شب، شبِ قدر اور ہر روز، روزِ عید کا لطف اٹھاتے ہیں۔ ؎

مے ناب، کنارِ آب، یارِ مہربان ساقی
دلا کے بہ شود کارت اگر اکنوں نخواہد شد

فرمایا کہ لفظِ شمس سے سیدی و مرشدی شمس المعارف حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی اور نورِ سحر سے اُن کے فرزندِ ارجمند انوار الحق سلمہ ربہ (جو بلاوے کی خبر لائے تھے) کی طرف لطیف سا اشارہ ہے۔

(۵) شریکِ عشق جو ہوتا مرا تو اے ہمدم | تو دل سے جان ہی لیتا تری حیا کی قسم

(۶) کہ جس کے راز کا کوئی اگر نہیں ہمراز | ندیم اس کے غموں کا ہے شب بہت ہی دراز

ظاہری معنی یہی ہیں کہ اے محبوب اگر تو بھی کسی کا عاشق ہوتا، تو تو بھی اس حقیقت سے واقف ہوتا کہ جو عاشق اپنا راز کسی پر ظاہر نہیں کرتا اور اپنے عشق سے کسی کو آگاہ نہیں کرتا، تو وہ بہت ہی تکلیف میں رہتا ہے، کیونکہ ہمراز رکھنے والا، اس کے سامنے رو دھو کر اپنا غم ہلکا کر دیتا ہے۔ شاعر حیادار محبوب کو یقین دلانا چاہتا ہے کہ میں نے اس راز کا کوئی ہمراز نہیں بنایا کہ مجھے فلاں سے عشق ہے اور اس کے اظہار سے مانع تیری حیا ہے اور اس لئے اس کی حیا کی قسم کھائی ہے، یہی غیر اللہ کے قسم کھانیکی توجیہہ ہے کہ اس کو اپنے مدعا کی دلیل بنایا جائے، نہ کہ حقیقۃً مقسم بہ کقولہ لعمرک او لعمری وغیر ذلک۔ بہرحال اسے تسلی دیتا ہے کہ آپ فکر نہ کریں، میں نے تجھے کسی کے سامنے بدنام نہیں کیا، بلکہ خود ہی ناقابل برداشت تکلیفیں اٹھا رہا ہوں۔ یہ اس کا ظاہر ہے اور ظاہر بینوں کے لئے اس میں بڑا لطف ہے، لیکن حقیقت کے اعتبار سے اس کا مقصد یوں ہونا چاہیئے کہ

اے ہمدم (کوئی رفیق) اگر تجھے بھی عشقِ خداوندی کا چسکا ہے تو تو بھی اس حقیقت کو جان لے کہ جس کے راز کا یعنی دل میں اللہ تعٰ کی چھپی ہوئی محبت کا کوئی ہمراز، یعنی شیخ طریقت اور مرشد نہیں ہے، اس کے غموں کی رات یعنی غفلت اور معاصی میں رہنے کی عمر ختم ہونے میں نہیں آتی، کیونکہ ؎

بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق | عمر بگذشت و نہ شد آگاہِ عشق

اور بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق | گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

تو اسمیں ضرورتِ شیخ پر زور دیا گیا ہے کہ اگر غفلت اور معاصی کے شبِ تار سے نکلنا چاہتے ہو تو کسی اللہ والے کا دامن پکڑ لو۔ اس صورت میں حیا کی قسم کھانے میں اشارہ ہے کہ حیا کا تقاضا یہی ہے کہ اللہ تعٰ کی نافرمانی چھوڑ دی جائے۔ ہمدم سے مراد مطلق ساتھی، راز سے مراد محبتِ خداوندی اور ہمراز سے مراد شیخ ہوگا۔ شبِ غم سے مراد گناہوں اور غفلت کی زندگی ہوگی۔ واستغفر اللہ من قول بلا عمل۔ لقد نسبت بہ نسلا لذی عقم ٭٭٭

مفسّرِ قرآن

حضرت علّامہ شمس الحق افغانیؒ

حضرت مولانا سید عبدالشکور صاحب ترمذی سرگودھا

جناب محترم صاحبزادہ مولانا سید محمد داؤد جان افغانی زادمجدہم نے "حضرت علّامہ افغانی نمبر" کے لئے احقر کو بھی ازراہِ حُسنِ ظن یاد فرمایا، اپنی نااہلیّت اور عدم قابلیّت کے پیشِ نظر احقر نے عذر پیش کیا مگر مسموع نہ ہوا اور مکرّر ارشاد فرمایا کہ مضمون لکھوں، بلکہ احقر کے مضمون کے انتظار میں "علّامہ افغانی نمبر" کی اشاعت کو روک دیا گیا، اس سے طبیعت پر بہت بوجھ محسوس ہوا کہ یہ احقر اس قابل ہرگز نہیں کہ اسکی کسی تحریر کو اس قدر اہمیّت دی جائے مگر ہمارے بڑے ہمیشہ سے اپنے چھوٹوں کی حوصلہ افزائی کر کے کام کرنے کی ہمّت بڑھاتے رہے ہیں، اس لئے احقر نے گوناگوں اعذار و موانعات کے باوجود اس کارِ خیر میں شرکت پر طبیعت کو آمادہ کیا اور آں موصوف کی دلجوئی اور تطییبِ قلب کی خاطر "حضرت علّامہ شمس الحق افغانیؒ" پر لکھنا شروع کر دیا۔ اسطرح شاید یہ نااہل اور ناکارہ بھی حضرت ممدوحؒ کے تذکرہ نگاروں اور محبّوں اور مداحوں میں شمار کئے جانے کے قابل سمجھا جائے اور الحقنا بهم ذريتهم اور المرء مع من احب کا کسی قدر حقدار قرار پائے۔

حضرت علّامہ افغانیؒ کی شخصیّت پر لکھنے کے لئے دراصل بڑے وسیع اور عمیق علم کی ضرورت ہے۔ حضرت علّامہؒ کی شخصیّت بڑی جامع تھی، وہ ایک طرف تو نہایت درجہ بلند پایہ مفسّرِ قرآن تھے کہ قرآن کریم کی تفسیر اور اس کے اسرار و حکم اور حقائق و معارف کے بیان میں اپنی نظیر آپ ہی تھے، دوسری طرف عظیم محدّث تھے، حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح و تبیین میں کمال مہارت حاصل تھی۔ علوم قرآن و سنّت میں جامعیت کے ساتھ علوم عقلیہ میں بھی متکلمانہ حیثیت کے حامل تھے۔ پھر طرزِ استدلال کی معقولیت اور اسلوب بیان کی جامعیت اور سلاست میں تو علماءِ عصر میں آپ کو منفرد مقام حاصل تھا، اس کی واقعاتی

دو مثالیں اس وقت ذہن میں آئیں، وہ پیش کرتا ہوں۔

ایک واقعہ ایک مجلس میں بندہ کے مختار یا مجبور ہونے کا تذکرہ آیا۔ ایسے موقع پر حضرت علامہؒ کی عادت مبارکہ تھی، اپنا دست مبارک اپنے چہرہ پر پھیر کر گفتگو شروع فرمایا کرتے تھے، گویا چہرہ پر ہاتھ پھیرنے سے مسئلہ کے تمام ما لہ وما علیہ اور اس کے تمام گوشے سامنے آجاتے اور دلائل مستحضر ہو جاتے تھے۔ فرمانے لگے، حضرت علیؓ نے اس سوال کے جواب میں سائل کو ارشاد فرمایا تھا، کہ کھڑا ہو کر اپنا پاؤں اٹھاؤ، تو اس نے ایک پاؤں تو اٹھا لیا اور ایک پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر کے لئے اس پر تو وہ قادر تھا، پھر فرمایا کہ اسی حالت میں دوسرا پاؤں بھی اٹھاؤ تو اس سے وہ عاجز تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، نے فرمایا کہ بس، مسئلہ کا فیصلہ ہو گیا کہ ایک پاؤں کے اٹھانے کا تو بندہ کو اختیار دیا گیا ہے، مگر دوسرے پاؤں کو اٹھانے کا اختیار نہیں دیا گیا، بس بندہ ایک پاؤں کے اٹھانے میں مختار ہے اور دوسرے پاؤں کے اٹھانے میں معذور ہے۔ جبر و اختیار کا یہ مشکل ترین کلامی مسئلہ کتنی خوبصورتی کے ساتھ حل فرما دیا گیا، اس کے بعد حضرت علامہ نے فرمایا کہ انسان کے فی الجملہ اختیار پر تو جانوروں کو بھی یقین ہے، چنانچہ اگر ایک شخص کتّے کو لاٹھی مارتا ہے تو وہ لاٹھی کی بجائے مارنے والے آدمی پر جوابی حملہ کرتا ہے، سمجھتا ہے کہ لاٹھی مجبور ہے اور آدمی مختار ہے، پھر مسکرا کر فرمایا کہ شرط یہ ہے کہ کتّے کا دماغ خراب نہ ہو، ورنہ تو وہ لاٹھی پر حملہ کرلیگا۔

حضرت علامہ نے لطیف پیرائے میں اشارہ کر دیا کہ آدمی اور لاٹھی میں فرق نہ کرنا اور دونوں کو ایک ہی طرح کا غیر مختار سمجھنا دماغ کے خراب ہونیکی علامت ہے، صحیح دماغ آدمی کو تو کیا اگر کتّا بھی صحیح دماغ ہو تو وہ بھی آدمی اور لاٹھی میں فرق محسوس کرلیگا پھر غالباً حضرت علامہؒ نے عارف رومیؒ کا یہ شعر بھی پڑھا تھا۔

زاری ما شد دلیلِ اضطرار ۔۔۔ خجلتِ ما شد دلیلِ اختیار

عارف رومیؒ نے اپنے اس شعر میں ذوقی اور نفسیاتی انداز میں مسئلہ جبر و اختیار کا حل پیش فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ انسان کبھی کسی کام کو کرتا ہے اور اس کو کر کے شرمندہ ہوتا ہے اور کبھی زاری کرتا ہے، ہماری یہ شرمندگی تو ہمارے اختیار کی علامت ہے اور زاری ہماری مجبوری کا نشان ہے، آدمی شرمندہ اسی کام پر ہوتا ہے جس کو کرنے میں اپنے اختیار

کا دخل سمجھتا ہے اور جس کام کے کرنے میں دخل نہیں ہوتا، وہاں خود کو بے بس سمجھتا ہے اور اس کی زاری اسکی بے بسی کا اظہار ہوتا ہے۔

دوسرا واقعہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا جلسہ جامعہ خیر المدارس ملتان کے احاطہ میں ایک کپڑے کے شامیانہ کے نیچے ہو رہا تھا۔ غالباً اس جلسہ میں حضرت علامہ کو وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا صدر منتخب کیا گیا تھا۔ حضرت علامہ اتحاد و اتفاق کی ضرورت اور اس کے منافع پر تقریر فرما رہے تھے۔ اتفاق کی قوت اور انتشار کے ضعف کو حضرت علامہ نے ایک محسوس و مشاہد شامیانہ کے دھاگے سے مشابہت دیکر سمجھایا کہ جب اس کے دھاگے علیحدہ علیحدہ اور منتشر تھے، تو ہر دھاگہ نہایت درجہ ضعیف تھا، لیکن سب دھاگوں کو جمع کر دیا گیا اور انہوں نے جمع ہو کر وحدت و اتفاق کی صورت اختیار کر لی تو شامیانہ بن گیا اور ان کو قوت حاصل ہو گئی، تمام مجمع علماء پر اس تقریر کا بہت اثر محسوس ہو رہا تھا۔

حضرت علامہ کو اللہ تعالیٰ نے تفہیم کا ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا کہ مشکل سے مشکل مسئلہ کو مخاطب کے ذہن نشین کر دیتے تھے اور مخاطب کو کسی طرح کا بار محسوس نہیں ہوتا تھا۔

علامہ افغانیؒ اور علوم قرآنی علوم قرآن سے علامہ افغانیؒ کا خصوصی تعلق رہا ہے۔ یہ موضوع علامہ افغانیؒ کا بہت دل پسند تھا۔ تقریباً ۵۰ سال تک اس موضوع پر آپ نے درس و تدریس کے ذریعہ کام کیا ہے۔ عرصہ دراز تک دارالعلوم دیوبند اور جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں بھی آپ شیخ التفسیر کے عہدہ پر فائز رہے۔ آپ کی یہ کتاب علوم قرآن پر نہایت جامع کتاب ہے۔ اس میں علوم قرآن کریم کے مختلف عنوانات قائم کر کے خدمت کی گئی ہے، چند عنوانات کا احقر بطور نمونہ ذکر کرتا ہے، اس سے ناظرین کرام کو کتاب کی جامعیت علوم قرآن کا اندازہ ہوگا۔" عا

"علوم القرآن" ایک علمی اور تحقیقی شاہکار اور علوم و معارف قرآنیہ کا خزانہ ہے، اس میں مسلک سلف صالحین کی رعایت کے ساتھ مقاصد شرعیہ نقلیہ کو عقل اور فلسفہ کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے، تاکہ دور حاضر کے عقلیت و تعقّسف اور مغرب زدہ طبقہ کے لئے ہی سامان ہدایت ہو۔ اس گنجینۂ علوم قرآنی کا کما حقہ تعارف کرانا بڑے گہرے اور وسیع علم کا محتاج

ہے اور اس کے لئے نقل و عقل کی جامعیت درکار ہے۔ یہ علم و عقل سے عاری اس کے تعارف کا حق ادا کرنے سے قطعاً عاجز ہے۔ اس کے پانچ ابواب ا۔ ضرورۃ القرآن۔ ۲۔ عظمۃ القرآن۔ ۳۔ تنزیل القرآن وتدوینہ ۴۔ محفوظیۃ القرآن۔ ۵۔ مہلات القرآن، میں سے صرف محفوظیۃ القرآن، ایک باب کا اپنی استعداد کے موافق تعارف پیش خدمت ہے۔ اس عنوان کے اختیار کرنیکی وجہ اس ناقص العلم والفہم کے خیال میں یہ بھی ہے کہ یہ عنوان دوسرے عنوانات کی نسبت اس اعتبار سے زیادہ لائق اعتناء ہے کہ دوسرے عنوانات کے ثمرات و فوائد بغیر " محفوظیۃ القرآن " کے حاصل نہیں ہو سکتے۔ اس حیثیت سے یہ عنوان سب سے اہم ہوا۔

علامہ افغانی رح اور ترتیب قرآنی

اہل استشراق کے اس اعتراض کے جواب میں کہ قرآن کے مضامین غیر مرتب ہیں۔ علامہ افغانی نے پانچ جوابات ارقام فرمائے ہیں، ہر جواب اپنی جگہ بے حد مفید ہے، مگر احقر کے فہم ناقص میں تیسرا جواب اپنی معنویت کے لحاظ سے نہایت درجہ عمیق ہے۔ امام رازی رح سے نقل کرتے ہوئے علامہ افغانی رقمطراز ہیں کہ قرآن خود معجزہ ہے، اس کی ترتیب عمیق بھی ایک مستقل معجزہ ہے، چنانچہ انہوں نے قرآن کی ترتیبی اعجاز کو کل قرآن میں بالالتزام بیان کیا ہے وہ ترتیب اہل استشراق کو نظر نہیں آئی۔ (علوم قرآن)

واقعی نہایت عمیق اور مبنی بر حقیقت جواب ہے۔ اہل استشراق کو بھی اس معجزانہ اور عمیق ترتیب کا ادراک ہو جاتا، تو پھر وہ اعجاز ہی کیا ہوتا۔ اعجاز کا تو مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ اس کے ادراک سے مخلوق عاجز ہو جائے اور جسقدر کا ادراک حیطہ امکان میں ہے اور ممکن للبشر ہے، اس کا ادراک اور بیان امام رازی جیسے ارباب خبرت و بصیرت نے اپنی تفسیر میں کر دیا، مگر اہل استشراق اس سے بھی تہی دامن ہیں، اس سے زیادہ کا ادراک تو ممکن ہی نہیں ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ نے بھی اپنی تفسیر بیان القرآن میں ربط آیات کا اہتمام فرمایا ہے اور سبق الغایات فی نسق الآیات میں ربط آیات کو بیان فرمادیا ہے۔ حکیم الامت تھانوی رح کی تفسیری خدمات میں احقر نے اس کا تعارف کرا دیا ہے۔

آخری منزل کی تفسیر!

علامہ افغانی ؒ نے قرآن کریم کی آخری منزل کی تفسیر بھی اسی انداز پر جمع کردی ہے۔ اسکی اطلاع علامہ افغانی ؒ نے ان لفظوں میں خود ہی دی ہے۔ احقر نے اسی انداز پر قرآن کی آخری منزل کی تفسیر جو سب سے زیادہ مشکل ہے، عربی زبان میں جمع کردی ہے، جو ابھی تک طبع نہیں ہوئی (علوم القرآن ص ۳۲)

پرزور گذارش

حضرت علامہ ؒ کے متعلقین و متوسلین کی خدمت میں پُرزور گذارش ہے کہ حضرت علامہ ؒ کے افادات کے اس تفسیری مجموعہ کی اشاعت کا اہتمام فرماکر اُمت کو اس سے نفع حاصل کرنیکا موقع مہیا فرمائیں اور نادر تحقیقات کو منظر عام پر لانے کا جلد سے جلد انتظام فرمایا جائے۔

اہل تشیع اور ترتیب قرآن کریم

اہل استشراق کو اگر قرآن کریم کی "یہ ترتیب عمیق" نظر نہیں آئی تو یہ اتنی تعجب کی بات نہیں تھی۔ بڑے افسوس اور دکھ کی بات تو یہ ہے کہ ایمان بالقرآن کا دعویٰ کرنیوالوں (اہل تشیع) پر بھی یہ معجزانہ ترتیب مخفی رہی اور وہ بھی اس ترتیب کو سمجھنے سے قاصر رہے اس لئے وہ بھی قرآن کریم کی موجودہ ترتیب کو صحیح تسلیم نہیں کرتے، حالانکہ قرآن کریم کی موجودہ ترتیب پر صحابہ کرام ؓ کا اجماع ہوچکا ہے۔ اس کو اسی موجودہ ترتیب سے تسلیم کرنا ایمان بالقرآن کے لئے لازم ہے۔ اس ترتیب کے انکار کے ہوتے ہوئے ایمان بالقرآن کا دعویٰ کسطرح قابل تسلیم ہوسکتا ہے؟

علامہ افغانیؒ اور اعجازِ قرآنی

قرآن کے اعجاز کو سمجھاتے ہوئے علامہ افغانی ؒ نے بہت ہی اچھوتا انداز اختیار فرمایا ~~ہے~~ اس مشکل اور گہرے مسئلہ کو عام فہم اور دلنشین پیرایہ بیان سے ناظرین کو سمجھا دیا ہے

فرماتے ہیں:۔ " قرآنی اعجاز اگرچہ بلاغی حیثیت سے ذوقی چیز ہے جیسے کھارے اور میٹھے پانی کی پہچان، اور بلاغت و فصاحت کے ذوق رکھنے والوں کے لئے یہ ایک بدیہی چیز ہے لیکن ہم چند چیزوں کی نشاندہی کرتے ہیں جن سے اعجاز قرآنی معمولی فہم والے انسان کے لئے بھی واضح ہوجاتا ہے، کچھ مضامین مشاہدات سے تعلق رکھتے ہیں، جو کھلی چیزیں ہیں جیسے آسمان زمین وغیرہ اور کچھ معنویات جو مشاہدہ سے خارج ہیں، مثلاً اخلاق، اعمال قلبیہ، عقائد احکام و قوانین غیبیات عرب و عجم کے شعراء کی فصاحت و بلاغت

کا میدان، مشاہدات تھے نہ معنویات۔ ان کا زور کلام مشاہدات میں جولانیاں رکھتا تھا، معنویت میں ان کا زور ختم ہو جاتا تھا، لیکن قرآن نے مشاہدات کو بھی بیان کیا اور غیبیات اور معنویات کو بھی، لیکن اس کے زور بیان میں کوئی فرق نہیں آیا (صہ)۔

نیز فرماتے ہیں: "قرآنی بلاغت کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں تھوڑے الفاظ میں ایسا مضمون بیان کیا گیا جس سے ایک کتاب بن سکتی ہے، لیکن پھر بھی نہ قرآن کی شیرینی میں کوئی فرق آیا، نہ مضمون پر دلالت کرنے میں پیچیدگی پیدا ہوئی جیسے "وفی انفسکم افلا تبصرون" (سورۃ الذاریات: ۳۰)۔ اس انداز کا کلام بلاغت کے اس مقام پر پہنچا ہوا تھا، جو انسانی قوت کی رسائی سے بالاتر ہے۔

کعبہ پر لٹکے ہوئے سات مشہور قصیدے اور آیتِ قرآنی

یہی وجہ ہے کہ نزول قرآن کے وقت کعبہ میں سات مشہور قصیدے جو عرب میں بے مثال تھے، لٹکے ہوئے تھے، لیکن جب قرآن نازل ہوا، تو کسی کے کہنے کے بغیر ارباب قصائد کے خویش و اقارب نے ان کو کعبہ سے اُتارا۔ صرف امراؤ القیس کا قصیدہ باقی رہا، جسکے اتارنے سے اس کی بہن نے انکار کیا، لیکن جب اس نے قرآن کی یہ آیت طوفانِ نوح کے متعلق سنی "قیل یا ارض ابلعی ماءك ویسماء اقلعی وغیض الماء (سورۃ ہود، آیت ۴۴)" (اے زمین نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان تھم جا برسنے سے اور کم ہو گیا پانی) تو امراؤ القیس کی بہن نے فوراً اپنے بھائی کے قصیدہ کو بھی اُتار دیا، (اعجاز القرآن للرافعی)۔

قرآن کریم کے اعجاز اور تاثیر پر علامہؒ نے غیر اقوام کے اقوال بھی پیش کئے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:-

"جارج سیل لکھتا ہے کہ کسی انسان کا قلم ایسی معجزانہ کتاب نہیں لکھ سکتا اور یہ مردوں کے زندہ کرنے سے بڑا معجزہ ہے، ارمیکسونل کنگ لکھتا ہے، اگر وحی کوئی چیز ہے تو بے شک قرآن ایک الہامی کتاب ہے (تاریخ اسلام صہ۳۲۷)

اس میں کیا شک ہے کہ وحی کوئی چیز ہے، وحی کا ثبوت علامہ مرحوم نے اپنی اسی کتاب میں واضح الفاظ اور مضبوط دلائل سے مہیا کر دیا ہے۔ اور اس میں بھی کیا شک ہے کہ "یہ مردوں کے زندہ کرنے سے بڑا معجزہ ہے" کہ وہ اگر جسمانی حیات کو دوبارہ جسم مادی میں لوٹاتا تھا۔ تو قرآن کا اعجاز یہ ہے کہ روحانی حیات کو روح . . . .
. . . .

یں لوٹا دیا اور مردہ روحوں کو زندگی بخش کر ابدی حیات کا مستحق قرار دیدیا۔ یہ روحانی زندگی کا معجزہ جسمانی حیات کے اعجاز سے یقیناً بڑا معجزہ کہلانے کا مستحق ہے۔ جسمانی حیات فانی حیات ہے مگر روحانی حیات ابدی اور باقی ہوتی ہے۔

علامہ افغانی اور تفسیر قرآنی

قرآن کریم سے متعلق ایک بہت ضروری علم تفسیر و تاویل اور تفسیر بالرای میں فرق کرنے کا ہے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ "قدما کی اصطلاح میں تفسیر و تاویل دونوں ہم معنی ہیں۔ صاحب قاموس نے اس کی تصریح کی ہے مگر متاخرین کی اصطلاح میں ان دونوں میں فرق ہے، پھر اس کے بارہ میں ۵ اقوال نقل فرماتے ہیں؛

علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں علم تفسیر کی تعریف یہ فرمائی ہے کہ علم تفسیر وہ علم ہے کہ جس میں الفاظ قرآن کے طرز تلفظ، مفردات قرآن کے مدلولات اور معانی مراد اور ان کے افرادی و ترکیبی احوال و دیگر متعلقات سے بحث ہو اور بقول صاحب مناھل العرفان (جلدا، ص۴۷۱) مختصر تعریف یہ ہے کہ علم تفسیر قرآن سے متعلق اس تحقیق کا نام ہے جس سے مراد الٰہی متعین ہوسکے۔ قرآن نے قدماء کی اصطلاح کے مطابق تفسیر اور تاویل کو ایک ہی معنی میں استعمال کیا ہے، سورہ فرقان میں ہے " ولا یاتونك بمثل الا جئنا ك بالحق واحسن تفسیرا (آیت ۲۲) ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے "وما یعلم تاویله الا اللّٰه"

اس کے بعد علامہ نے روح المعانی، الاتقان، مناھل العرفان اور دیگر کتب سے اہلیت و استعداد تفسیر اور قابلیت فہم قرآن کے لئے چند شرائط کا اور ساتھ ہی ان شرائط کے دلائل کا ذکر بھی فرمایا ہے، ہم ان شرائط کا اجمالی تذکرہ ذیل میں کرتے ہیں۔

اگر قرآن کریم کی تفسیر میں ان شرائط کا لحاظ رکھا جائے، تو تفسیر بالرائے کے فتنہ کا استیصال ہوسکتا ہے اور صحیح اور غلط تفسیر کا فرق واضح ہوسکتا ہے۔

علم اللغۃ یا علم اللسان

مفسر قرآن کے لئے قرآن کی زبان جو عربی ہے، اس کی پوری مہارت ضروری ہے، یہ مہارت حسب ذیل علوم کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے۔

مفردات قرآن کے مدلولات اور موقع استعمال کی تحقیق جو علم اللغۃ کے ذریعے حاصل ہوگی، مفردات قرآن کے لسانی تغیرات التصرفات، جو علم الصرف والاشتقاق کے ذریعہ حاصل ہوگی، مرکبات اور قرآن کے جملوں کے تغیرات و تصرفات حرکات اور اعرابات

کا تبدل جو علم النّحو سے معلوم ہونگے۔ قرآنی الفاظ کے انتخاب اور محل استعمال کے نکات، اسرار جو علم البلاغۃ سے معلوم ہونگے۔

۱۔ علم السنّۃ فہم قرآن کے لئے علم السنّہ بھی ضروری ہے اور صاحب قرآن علیہ السّلام کے بغیر فہم قرآن ممکن نہیں، جس کے لئے علم السنۃ و علم الحدیث ضروری ہے تاکہ اسباب نزول تشریح مجملات قرآن، تعین مبھمات وغیرہ کا علم ہو سکے۔ قرآن میں صلوٰۃ و زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے لیکن یہ وضاحت موجود نہیں کہ نماز کی کل تعداد کتنی ہے، ہر نماز کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے اور کب ختم ہوتا ہے، ہر نماز کی تعداد کتنی ہے، نماز کے اجزائے ترکیبی کتنے ہیں اور ان اجزاء کی ترکیب کیسی ہے، نماز کے شرائط کتنے اور کون کون سے ہیں؟۔ اسی طرح زکوٰۃ کا حال ہے۔ زکوٰۃ کن اموال میں ہے اور کن میں نہیں، ماہوار ہے یا سالانہ ہے، مال کی ہر جنس مر اس کی مقدار کس قدر ہے، زکوٰۃ کے شرائط کیا ہیں۔ ان سب کی تشریح درحقیقت تشریح قرآنی ہے، سنۃ کے بغیر ناممکن ہے، اسیطرح حج و روزہ و دیگر احکام کا حال ہے۔

جسطرح ہم الفاظ قرآن کے مطالب سمجھنے میں لغت عرب کے محتاج ہیں اسی طرح احکام قرآن کی عملی شکل متعین کرنے میں حدیث و سنّت کے محتاج ہیں اور یہ محتاجی ہماری ہے، قرآن کی محتاجی نہیں کہ ہم کو استفادہ از قرآن کے لئے قدرتی طور پر ان اُمور کی ضرورت ہے۔

۲۔ علم الآثار فہم معانی قرآن کے لئے آثار الصحابہؓ و تابعینؒ کا علم ہونا ضروری ہے کیونکہ ان کا فہم قرآنی مابعد والوں سے صحیح تر ہے، حضرت امام شافعیؒ اپنے "الرسالہ" میں فرماتے ہیں۔ اجتہادھم فوق اجتہادنا کہ صحابہؓ کا اجتہاد ہمارے اجتہاد سے بڑھ کر ہے، پھر صحابہ کرامؓ کے متعلق قرآن کا ارشاد ہے۔

رضی اللّٰہ عنھم و رضوا عنہ (پ۳۰) اللہ تعٰ ان سے راضی ہیں اور وہ ان سے راضی ہیں

رضائے الٰہی کی آسمانی سند اتنی بڑی سند ہے کہ اس کے ساتھ یہ احتمال باقی نہیں رہتا، کہ بحیثیت مجموعی ان کی تفسیر غلط ہو سکے اور اُمّت کے لئے گمراہی کا سبب بن جائے۔ رضائے الٰہی کے بعد اس قسم کے احتمالات کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اس کے علاوہ علم الآثار سے اقوام صحابہؓ و تابعینؒ کا علم ہو جاتا ہے اور مفسر

قرآن ایسی تفسیر کرنے سے محفوظ ہو جاتا ہے جو ان سب کے خلاف ہو اور تحریف قرآن کے جرم کا سبب بنے جس پر قرآن کریم میں دوزخ کی وعید وارد ہے۔

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نوله ما تولیٰ ونصله جهنّم (پ ۵)	اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جبکہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ اور چلے سب مسلمانوں کے راستہ کے خلاف تو ہم حوالہ کریں گے اس کو اسی طرف جو اس نے اختیار کی اور ڈالیں گے ہم اسکو دوزخ میں اور وہ بہت بری جگہ پہونچا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جسطرح مخالفت رسول جرم ہے، مخالفتِ صحابہؓ بھی جرم ہے کیونکہ نزولِ قرآن کے مومنین وہی ہیں، اس لئے ایسی تفسیر جو صحابہ کرامؓ کی مجموعی رائے کے خلاف ہو، تحریف اور جرم ہے جسکی سزا دوزخ ہے (صـ ۸۲)

ناظرین کرام نے تفسیر کے لئے علامہ افغانیؒ کے نظریات کا علم حاصل کر لیا ہوگا اور جان لیا ہوگا کہ علامہ افغانیؒ کی تفسیر قرآن کے لئے نہ صرف سنّت رسول کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں بلکہ وہ صحابہ کرامؓ اور تابعین کے آثار کا علم بھی ضروری قرار دیتے ہیں اور تفسیر قرآنی کے لئے صحابہ کرامؓ کی مجموعی رائے کی مخالفت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی طرح آیت قرآنی ومن یشاقق الرسول الآیہ کی وعید میں داخل سمجھتے ہیں۔

علامہ کی اس تحریر سے آپ نے صحابہ کرامؓ کے مقام کو بھی سمجھ لیا ہوگا کہ رضائے الٰہی کی قرآنی سند کے بعد ان کا مقام اتنا بلند ہو گیا کہ وہ تمام اُمّت کے لئے معیارِ حق قرار پائے اور جو شخص ان کے راستہ کے خلاف چال چلے وہ جہنم میں داخلہ کا مستحق ہو جاتا ہے۔

۲۔ علم القواعد و اصول الاستنباط

عربی زبان کے ان قوانین کا علم بھی مفسّر کے لئے ضروری ہے جس سے وہ مجمل، مفصل، عام، خاص، مطلق، مقید، امر و نہی وغیرہ کے حقائق اور مقتضیات کو معلوم کر سکے تاکہ تفسیر کے وقت احکام اور نتائج کے استخراج میں غلطی نہ کرے، ایسے قواعد علم اصول فقہ سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ یہ زبان عربی کا ایک عمیق علم ہے جسکو خاص اہل علم جان سکتے ہیں جنکو اہل استنباط کہا جاتا ہے۔

اسی استنباط کے لئے زبان عربی جاننے کے علاوہ مخصوص قواعد زبان عربی

کی معرفت بھی ضروری ہے، جس پر قرآن کی صحیح قانونی انداز فکر کا مدار ہے اور علم اصول فقہ سے ان قانونی قواعد کی معرفت حاصل ہوتی ہے (۸۳)۔

آپ نے غور فرمایا کہ مفسّر کے لیے صرف عربی زبان پر عبور ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کو ایسے قواعد عربیہ کے علم کی بھی ضرورت ہے جن سے نصوص کے اجمال و تفصیل اور عموم خصوص نیز اطلاق و تقیید کے حقائق اور ان کے تقاضوں کا علم ہو سکے، تاکہ احکام کے استخراج میں غلطی نہ ہو۔

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ ایسے قواعد عربیہ سے واقفیّت کے بغیر احکام کے استخراج میں غلطی ہو جاتی ہے اس لئے جو لوگ ان قواعد عربیّہ سے واقفیت کے بغیر محض عربی دانی کے زعم میں قرآن کریم کی تفسیر یا احکام کا استخراج کرتے ہیں، وہ ضرور غلطی کرتے ہیں اور ان کا استخراج صحیح نہیں ہوتا۔

عصر حاضر کا بہت بڑا فتنہ

عصر حاضر کا یہ بھی ایک بہت بڑا فتنہ ہے کہ ہر معمولی عربی دان اپنے آپ کو تفسیر قرآن کا اہل سمجھنے لگتا ہے اور شرائط مفسّر کا لحاظ نہیں رکھتا — بلکہ ہر کس و ناکس علم عربی کے بغیر ہی اردو یا انگریزی ترجمے دیکھ کر تفسیر کرنے لگتے ہیں، در اصل ایسے لوگوں کی غرض تفسیر قرآن نہیں ہوتی اور مراد الٰہی کا جاننا ان کا مقصد نہیں ہوتا، بلکہ اپنے افکار و نظریات کو تفسیر کے رنگ میں پھیلانا ہوتا ہے، پھر اپنے ان نظریات کے سامنے ائمہ متقدمین اور سلف صالحین کی تحقیقات پر نہ صرف یہ کہ جرح و قدح کرنے لگتے ہیں بلکہ نہایت جسارت اور بے باکی کے ساتھ ان کا رد کر دیتے ہیں، یقیناً یہ اس دور کا عظیم اور بد ترین فتنہ ہے۔

۵ علم قواعد الالٰہیات

مفسّر کا فرض ہے کہ اس کو ذات الٰہی کے متعلق جائزات اور غیر جائزات کا علم حاصل ہو اور وہ یہ جانتا ہو کہ اللہ ایک ایسی ہستی ہے کہ وہ جسمیّت، جہتہ، ومکان، وزمان سے منزہ اور پاک ہے، اور ان قیود سے بالاتر ہے، اسیطرح وہ ایسے کمالات ذاتیہ سے موصوف ہے جو لامحدود ہیں، تاکہ قرآن کی ان آیات کی تفسیر میں ٹھوکر نہ کھائے جو الٰہیات و ذات و صفات باری سے متعلق ہیں، ان امور کے لئے علم العقائد یا علم الکلام کی ضرورت ہے تاکہ مسائل الٰہیات میں گمراہی سے محفوظ رہ سکے" (۸۴)

علامہ افغانیؒ کی مذکورہ تحریر سے حسب ذیل شرائط کی اجمالی فہرست معلوم ہوئی جن کا جاننا مفسّر کے لئے لازم ہے۔

(۱) علم لغت عرب (۲) علم صرف (۳) علم نحو (۴) علم البلاغۃ (۵) علم السّنۃ (۶) صحابہؓ اور تابعین کے آثار کا علم (۷) علم اصول فقہ (۸) علم عقائد یا علم کلام

اہل علم جانتے ہیں کہ یہ علوم کلیہ ہیں، ان علوم کے اندر اور کئی علم داخل ہیں، مثلاً علم السّنۃ بہت وسیع علم ہے، اس کے اندر علم اصول حدیث، علم اسماء الرجال، علم جرح و تعدیل وغیرہ کئی علوم داخل و شامل ہیں اور علم البلاغۃ میں علم الفصاحۃ، علم البدیع، علم القوافی وغیرہ کئی علم داخل ہیں۔ غرضیکہ ایک مفسّر قرآن کیلئے علوم عربیہ اور علوم سنت و عقائد میں کمال اور مہارت ضروری ہے، صرف عربی زبان دانی اور علم لغات کے بل بوتے پر تفسیر قرآن پر جرأت کرنا جائز نہیں ہے خصوصاً آلٰہیات کے بارہ میں آیات آلٰہیہ کے معانی اور مطالب کے بیان میں بغیر علم کلام کے قدم رکھنا نہایت خطرناک ہے، ان آیات کی تفسیر میں گمراہی سے بچنا علم کلام میں عبور کے بغیر از بس دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

خصوصی توجہ کی ضرورت

جو حضرات علم کلام وغیرہ کی کتابوں کے پڑھنے پڑھانے کو غیر ضروری بلکہ لایعنی سمجھنے لگے ہیں۔ وہ حضرات علامہ افغانیؒ کی اس شرط کے مضمرات پر خصوصیت سے توجہ اور غور فرمائیں، اور علم العقائد کی تعلیم کا خاص اہتمام فرمائیں۔ مذکورہ تمام علوم میں عبور اور سب شرائط کی جامعیت کے باوجود فہم قرآن کے لئے ایک اور بھی ضروری علم، علم الموہبت بھی ضروری ہے جس کے بغیر صحیح طور پر فہم قرآن کی دولت حاصل نہیں ہوتی۔ علامہ افغانیؒ اس کو بھی بیان فرماتے ہیں، لکھتے ہیں:۔

۹۔ علم الموہبت

مہارت تفسیر اور فہم قرآن کے لئے علم وہبی یا بقول شاہ ولی اللہؒ علم لدنی کا ہونا بھی ضروری ہے جو نور ایمانی اور تقویٰ سے پیدا ہوتا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے، لا یمسہ الا المطہرون (الواقعہ: ۷۹) قرآن کے ظاہری الفاظ و نقوش کو صرف پاک ہی چھو سکتے ہیں، یعنی جس شخص کو طہارت

اور وضو نہ ہو، وہ قرآنی کاغذ پر ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ اسیطرح جسکو طہارت باطنی وقلبی نہ ہو، وہ باطن قرآن اور معانی قرآن کو نہیں پا سکتا، یہ طہارت باطنی اور قلبی نور طاعت الٰہی اور تقویٰ سے پیدا ہوتا ہے، ظاہر قرآن کے مساس اور رسائی کے لئے ظاہری طہارت اور معانی ومطالب قرآن جو باطن قرآن ہیں، اس کے مساس اور رسائی کے لئے قلبی اور باطنی طہارت ضروری ہے (ص ۸)

علامہ افغانیؒ کا وہبی استدلال

علامہ افغانیؒ نے آیت قرآنی سے فہم قرآن کے لئے طہارت باطنی کی ضرورت پر عجیب طریقہ سے استدلال کیا ہے، یہ بھی حضرت موصوفؒ کے نور ایمانی اور تقویٰ کی دلیل اور اس کا اثر اس علم موہبت کے حصول کی وجہ سے ہی حضرت افغانی کا ذہن طہارت ظاہری سے طہارت باطنی کی طرف منتقل ہوا، ورنہ اہل ظاہر تو صرف قرآن کے ظاہر تک ہی پہنچکر رہ جاتے ہیں، ان کی باطن تک رسائی نہیں ہوتی، کیونکہ باطن تک رسائی کے لئے تو قلبی طہارت اور نورِ تقویٰ کی ضرورت ہوتی ہے اور اس سے اکثر اہل ظاہر تہی دامن اور محروم ہوتے ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

بعض حضرات کو شبہ ہوا کرتا ہے کہ تفسیر قرآن کے لئے جن علوم کی مہارت کو شرط قرار دیا گیا، وہ علوم قرآن کے نزول کے زمانہ میں موجود نہیں تھے، مثلاً علم نحو وصرف وغیرہ، سب ہی علوم نزول قرآن کے بعد مدون ہوئے ہیں، تو ان علوم کی ضرورت قرآن فہمی کے لئے کیسے ثابت ہو سکتی ہے۔ علامہ افغانیؒ نے اس کا ازالہ اسیطرح فرمایا ہے کہ :۔

"وجود علوم اور تدوین علوم میں فرق ہے" یہ سب علوم جو زبان عربی سے متعلق ہیں نزول قرآن کے وقت سے ہی نہیں، بلکہ اس سے بھی پہلے سے موجود تھے اور عربی زبان سے وابستہ تھے اور بول چال میں ان کو استعمال کیا جاتا تھا، اگرچہ ان علوم نے تصنیف وتدوین کی شکل اختیار نہیں کی تھی، مثلاً فاعل کو مرفوع اور مفعول کو منصوب پڑھنا اور عام وخاص مطلق ومقید کا فرق، اسیطرح صرف ونحو کے تغیرات، بلاغتی مواقع استعمال، یہ سب امور عربی زبان کے وقت سے موجود تھے اور عرب ان کو استعمال کرتے تھے، اگرچہ تصنیف کے قالب میں مابعد زمانہ میں ڈھالے گئے ہیں، علم الحدیث اور علم الآثار بحیثیت تشریح قرآن قرآن کے ساتھ ساتھ وجود میں آئے، اگرچہ تدوین وتصنیف کی نوبت بعد میں آئی، اس

لے ان قواعد کی تصنیفی صورت کے مابعد زمانے میں ہونے سے ان کی شرط قرآن دانی ہونے پر شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ (۸۴)

حضرت علامہ افغانیؒ نے یہ بہت بڑے شبہ کا نہیں، بلکہ مغالطہ کا نہایت محققانہ اور اصولی جواب دیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ان کی تدوین نزول قرآن کے بعد ہی ہوئی، مگر یہ بہت مغالطہ ہے کہ ان کی تدوین بعد میں ہونے کی وجہ سے ان کے ماقبل نزول قرآن یا زمانۂ قرآن میں وجود کا ہی انکار کردیا جائے اور تمام علوم کو ہی فہم قرآن کے لئے غیر ضروری کہہ دیا جائے۔

یہ ایک حقیقت اور مسلّمہ امر ہے کہ ہر زبان کے کچھ اصول و قواعد ضرور ہوتے ہیں اور جب سے اس زبان کا وجود ہوا ہے، اہل زبان اسی وقت سے ان اصول و قواعد سے کام لیتے اور ان کو استعمال کرتے رہتے ہیں۔ اہل زبان کو ان کی تدوین کی ضرورت نہیں ہوتی، ان کے لئے وہ اصول و قواعد طبعی ہوتے ہیں، البتہ جب اس زبان کی تعلیم دوسرے لوگوں تک پہنچائی جاتی ہے، تو یہ غیر اہل زبان، اس زبان سے استفادہ کیلئے ان اصول و قواعد کی تعلیم کے بھی محتاج ہوتے ہیں، کیونکہ ان کے لئے وہ زبان اجنبی ہوتی ہے، بغیر کسی اصول و قواعد کے اس پردہ عبور نہیں کرسکتے، اس لئے ضرورت ہوتی ہے ان اصول و قواعد کلیہ کو مرتب و مدون کیا جائے، جن کی رعایت اس زبان کے فصحاء و بلغاء اپنے کلام میں پہلے ہی سے کرتے آئے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جن اصول و قواعد کو مدون کیا جاتا ہے، وہ نئے اور اختراعی نہیں ہوتے بلکہ وہ وہی پرانے اصول و قواعد ہوتے ہیں جن کا استعمال ہمیشہ سے اہل زبان کے کلام میں ہوتا آیا ہے، مثلاً عربی زبان میں ہر جگہ فاعل کو مرفوع اور مفعول کو منصوب استعمال کیا گیا ہے، اہل زبان کے اس استعمال کو دیکھ کر ایک کلیہ کل فاعل مرفوع اور دوسرا کلیہ کل مفعول منصوب کا بنا لیا گیا، غرضیکہ تدوین کرنے والے نے مواقع استعمال کے تتبع اور تلاش سے یہ اصول کلیہ مدون کردیے، اپنی طرف سے کوئی اصول و قاعدہ نہیں بنایا بلکہ اہل زبان کے استعمال سے جو قواعد و اصول معلوم ہوئے، انہیں مدون کردیا، ان اصول کو ملحوظ رکھنے سے عربی زبان کا فہم اور استعمال کرنا قاعدہ کے موافق اور آسان ہو

جاتا ہے، حاصل یہ کہ قواعد اصول اہل زبان کے کلام پر مبنی اور ان سے مستخرج ہیں اور ان کو ملحوظ رکھے بغیر عربی کلام کو کما حقہٗ نہیں سمجھا جا سکتا، قرآن کریم کی زبان عربی فصیح ہے اس کے فہم کے لئے، ان تمام قواعد اور علوم کی ضرورت ہے جنکو عرب کے فصحاء اور بلغاء استعمال کرتے ہیں، جن لوگوں کو علوم عربیّت سے ناواقفیت یا کم واقفیت ہوتی ہے، وہ قرآن کریم کے ترجموں اور تفسیروں میں جا بجا غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں، اس کی مثالیں سمجھنے کے لئے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی کتابیں "اغلاط ترجمہ دہلویہ" اور "اصلاح ترجمہ حیرت" وغیرہ مطالعہ کی جائیں۔

حضرات اکابر علماء دیوبند کی تفسیری خدمات کا اجمالی تعارف اور تفسیر بالرائے کا فتنہ کبریٰ

اس فساد و الحاد کے زمانہ میں علوم عربیّت اور علوم اسلامیہ سے ناواقفیت کے باوجود صرف "زبان و بیان" کے زور پر تفسیر بالرای کا فتنہ کبریٰ برپا ہے، اور تفسیر کے نام پر قرآن کریم کے مسلمہ معانی و مطالب میں تحریف و تبدل کیا جارہا ہے، ایسے لوگوں نے قرآن کریم کے چودہ سو سالہ متفقہ معنیٰ اور مقصد کو تبدیل کرکے نئی تحقیق کے نام پر پیش کرنا اپنا مقصد اور مطمح نظر بنایا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کی سُنت قدیمہ ہے کہ دین میں جو بھی فتنہ پیدا ہوتا ہے، اس فتنہ کے مقابلہ کے لئے اس وقت کے اکابر علماء اور خدام دین کو خصوصی طور پر منتخب کر لیا جاتا ہے اور ان کے قلوب میں اس فتنہ کے استیصال کا داعیہ پیدا کر دیا جاتا ہے۔

اس عادت جاریہ کے مطابق اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے تحریف قرآن اور تفسیر بالرای کے اس فتنہ کبریٰ کے استیصال و اصلاح کے لئے جس جماعت کو مخصوص و موفق فرمایا وہ حضرات علماء دیوبند کی جماعت ہے، جماعت علماء دیوبند کی دینی اصلاحی خدمات سے واضح ہے کہ زمانہ حاضرہ میں اس جماعت سے جسطرح عمومی طور پر پورے دین کے تحفظ و احیاء اور اس کے ہر شعبہ میں تجدید و اصلاح کا نہایت ہی قابل قدر اور ناقابل فراموش کام لیا گیا ہے، اسیطرح خصوصیّت کے ساتھ تفسیر بالرای کے فتنہ کبریٰ کے استیصال اور تحریف قرآن کے مقابلہ میں بھی اس جماعت نے بہت ہی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب محدث دارالعلوم دیوبند قدس سرہ العزیز

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے تقاضائے وقت کے مطابق اس اہم قرآنی خدمت کی طرف خصوصیت سے توجہ فرمائی۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے ترجمہ پر شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے حواشی ایسی گرانقدر خدمتِ قرآن ہے کہ اردو زبان میں اپنی نظیر آپ ہے۔

حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے معاصرین کے ترجموں اور تفسیری اغلاط کی نشاندہی اور اصلاح کا فرض انجام دینے کے ساتھ ساتھ سلف صالحین کے عین مطابق ایک بلند پایہ علمی تفسیر بیان القرآن مع اردو ترجمہ لکھ کر قرآن کریم کے مقاصد و مطالب کی وضاحت و بیان کا حق ادا کر دیا۔ تفسیر بیان القرآن کی زبان اور اس کا اسلوب بیان خالص علمی اور اصطلاحی ہے جو اہلِ علم خصوصاً اساتذہ تفسیر کے لئے از حد مفید ہے، اس تفسیر کے بارہ میں اس ضرورت کا احساس عرصہ سے کیا جارہا تھا کہ اس کے مضامین کو عام فہم اور آسان زبان میں منتقل کر دیا جائے تاکہ اسکی افادیت کا دائرہ زیادہ سے زیادہ عام ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے غیب سے ایسے اسباب پیدا فرما دیئے کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان رحمہ اللہ نے اپنی تفسیری خدمات کے لئے "بیان القرآن" کو ہی منتخب فرمایا اور اس کے مضامین اور مشکل مقامات کا حل آسان زبان اور سہل انداز میں فرما کر اس کے نفع کو عام اور سہل الحصول بنا دیا۔ جزاهم الله خيرا۔ الحمد للہ یہ علمی ذخیرہ بنام معارف القرآن مفید عام و خاص ہو رہا ہے۔

علمائے دیوبند کے اسی تفسیری سلسلۃ الذہب کی ایک سنہری کڑی علامہ افغانی رحمہ اللہ کی یہ زیرِ تبصرہ کتاب علوم القرآن ہے جس کے مضامین کا کسی قدر تعارف آپ کے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔ درحقیقت حضرات اکابر علماء دیوبند کی تفسیری خدمات اور علامہ افغانی رحمہ اللہ کی علوم القرآن کے مضامین معیاری حقیقت کے حامل اور سلف صالحین کی تفاسیر اور تفسیر بالرائے میں حد فاصل ہے۔ علوم القرآن میں مذکورہ شرائط تفسیر کو معیار بنا کر تمام تفاسیر مروجہ زمانہ تفہیم القرآن، تدبر القرآن وغیرہ کو پڑھنے اور ان کے مضامین کو اس کسوٹی پر جانچنے کی ضرورت ہے۔

تفسیر بالرائے

اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ علامہ ہی کی قلم حقیقت رقم سے تفسیر بالرائے کی حقیقت کو واضح کر دیا جائے اور بتلا دیا جائے کہ تفسیر بالرائے کا

اصل مفہوم کیا ہے، جس کی حدیث میں مذمت آئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جو کوئی اپنے رائے کے تحت قرآن کی تفسیر کرے اور وہ ٹھیک بھی ہو تو بھی اس نے غلطی کی" (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)۔ ابوداؤد کی دوسری روایت میں ہے :۔
" فلیتبوأ مقعدہٗ من النار ۔ علامہ فرماتے ہیں، تفسیر بالرائی سے کیا مراد ہے، یہ معنی تو قطعاً مراد نہیں کہ تفسیر قرآن میں رائے و فکر کو استعمال ہی نہ کیا جائے، کیونکہ اس کے بغیر تفسیر کرنا ممکن نہیں اور خود قرآن نے لعلھم یتفکرون، کہ لوگ قرآن میں فکر کریں افلا یتدبرون القرآن، "یہ لوگ قرآن میں کیوں غور نہیں کرتے ؟" کے الفاظ میں فکر و تدبر فی القرآن کی طرف ترغیب دی ہے، اس لئے نفس رائے اور فکر مذموم نہیں، بلکہ مراد تفسیر بالرائی یہ ہے۔
(۱) اپنی پہلی ٹھہرائی ہوئی رائے کو اصل قرار دیکر اور قرآن کو اپنی اس رائے پر منطبق کرنے کی کوشش کرے، ایسی صورت میں رائے اصل ہوئی اور قرآن کو تابع کے درجہ میں رکھا گیا، جو قلب موضوع ہے اور مذموم اور سبب دوزخ ہے، تو تفسیر بالرای میں، اس صورت میں لفظ باء سببیت کے لئے ہے اور رائے کو استعمال کر کے سیاق و سباق اور قواعد عربیت کے تحت ایسی تفسیر کرنا، کہ اسلام کے بنیادی مقاصد کے خلاف نہ ہو، تو یہ تفسیر محمود ہے اور مذموم نہیں اور نہ تفسیر بالرائی میں داخل ہے، اس کو اگر تفسیر بالرائی کہا جائے، تو لفظ با کتبت بالقلم کی طرح رائے صرف ایک آلہ تفسیر ہے، تفسیری عمل کا ایک محور اور مرجع نہیں" (۸۶)

تفسیر کا صحیح اور اصل طریقہ تو یہی ہے کہ قرآن کریم کو اصل قرار دیا جائے اور اپنی رائے کو اس کے تابع رکھا جائے، جب اس اصل طریقہ کو چھوڑ کر اپنی پہلے سے ٹھہرائی ہوئی رائے کو اصل اور قرآن کریم کو اس کے تابع بنایا جائیگا، تو یقیناً یہ قلب موضوع ہوگا کیونکہ اس صورت میں اصل کا تابع اور تابع کا اصل ہونا لازم آتا ہے، اس کے مذموم اور ممنوع ہونے میں کس مسلمان کو کلام ہو سکتا ہے ؟ قرآن کریم سرچشمہ ہدایت اور راہنمائی کرنے والا ہے ھدی للناس ۔ اسکی شان ہے، اس سے ہدایت و راہنمائی حاصل کرنے اور اس کو اپنی آراء کے حق و صداقت کے لئے معیار قرار دینے کی بجائے خود اپنی خواہشات اور ہوائے نفسانی کو بھی پرکھنے کے لئے معیار بنا لینا قلب موضوع ہونے کے علاوہ افرأیت من

اتخذ الٰہ ھواہ کا مصداق بننا بھی ہے۔ البتہ قرآن کریم کے سیاق وسباق اور قواعد عربیت کا لحاظ رکھتے ہوئے اسلام کے بنیادی مقاصد کے موافق تفسیر کرنا، تفسیر محمود ہے۔

علامہ افغانی ؒ نے تفسیر بالرای کی معنویت کے لحاظ سے تشریح کرنے میں اسکی لفظی نحوی ترکیب سے بھی استعانت حاصل کی کہ با کو سببیت کے لئے قرار دیا جائے تو اس سے یقیناً تفسیر مذموم کا مفہوم نکلتا ہے اور حدیث من فسر القرآن برأیہ میں وارد وعید کا محمل بھی یہی ہے کہ جو شخص اپنی رائے کو اصل قرار دیکر اس پر قرآن کو منطبق کرے اور اپنی رائے کو محور اور مرجع بنائے، وہ مستحق وعید ہے، اس حدیث کے معنی اور مفہوم کے تعین اور مصداق کے بعد واضح ہو گیا کہ حضرت شارع علیہ السلام کے پیش نظر رائے کو قرآن کریم کا مرجع اور اصل قرار دینے کی مذمت مقصود ہے، جس سے قرآن کریم کے اصلی ہونے اور اسکی مرجعیت کی نفی لازم آتی ہے۔ تفسیر میں رائے کی دخل اندازی کی مذمت نہیں ہے۔

لیکن اگر رائے سے استعانت حاصل کر کے قواعد عربیت کے تحت قرآن کریم کی خدمت کی جائے اور اس کے معانی ومطالب کے بیان کرنے میں اس سے مدد لی جائے تو وہ حدیث مذکور کی وعید کے تحت میں داخل نہیں ہے، نہ اس کی ممانعت ہے۔

اسی لئے علماء متقدمین ومتاخرین کی تفاسیر میں عقلی دلائل اور کلامی مسائل کو بکثرت بیان کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تفاسیر اس حدیث کی وعید کے تحت داخل نہیں ہیں، معلوم ہوا کہ "رائے محض" کا اتباع ممنوع اور حدیث کی وعید میں داخل ہے، اگر رائے کو قواعد عربیہ اور اصول شرعیہ کا پابند بنا کر اس سے قرآن کریم کی تفسیر میں بطور خادم کے مدد لی جائے، تو ممنوع نہیں ہے بلکہ وہ تو بحکم مقدمہ الوجب واجب، واجب ہے، لیکن اس تفسیر کی یہ بھی شرط ہے کہ وہ تفسیر سلف صالحین صحابہ کرام ؓ اور تابعین عظام ؒ کی تفاسیر کے خلاف نہ ہو۔ قرآن کریم کے ایسے معانی اور مطالب بیان کرنے جو سلف صالحین کے خلاف ہوں، گویا ان سب کو قرآن کریم سے ناواقف اور بے علم قرار دینا ہے۔

حضرت علامہ اور تفسیر کا زرین اصول

حضرت علامہ ؒ نے بعد کی تفاسیر کے اعتبار کے لئے ایک بہترین اور زرین اصول بیان فرمایا ہے، فرماتے ہیں " ہر آیت کی تفسیر

میں مفسر کی نگاہ پوری کتاب وسنت پر ہو، تاکہ اس کی تفسیر مجموعی کتاب وسنت کے خلاف نہ ہو، اسیطرح صحابہ وتابعین و تبع تابعین، جو کہ خیرالقرون ہیں اور فہم قرآن کی نعمت سے ممتاز حصہ رکھتے ہیں، مابعد کی کوئی تفسیر جوان کی تفاسیر کی مجموعی روح کے خلاف ہو، تحریف ہے اور قابل پذیرائی نہیں۔

البتہ اگر کوئی ماہر مفسر شرائط تفسیر کے تحت ایسے مطالب بیان کرے، جو سلف نے بیان نہیں کئے، لیکن سلف نے اس کے خلاف بھی بیان نہیں کیا، تو ایسے تحت الضوابط معارف قرآنیہ کا دروازہ مابعد کے لوگوں کے لئے بھی بند نہیں اور تدبر فی القرآن کے ذریعہ استخراج معارف واسرار کا سلسلہ رہتی دنیا تک جاری رہیگا۔ حدیث میں آیا ہے لا ینقضی عجائبہ قرآن کے مضامین عجیبہ ختم نہ ہوں گے (۹۱، ۹۲)

زمانہ حاضرہ کی تمام تفاسیر کو علامہ افغانی ؒ کے بیان فرمودہ اسی ستھرے اصول ومعیار پر پرکھنے کی سخت ضرورت ہے۔

علامہ افغانی رح اور تفسیر باطنیہ اور تفسیر صوفیہ

الغرض دین کے کل اصول قرآن میں موجود ہیں اور اسرار دین بھی قرآن سے فیضان الٰہی کے تحت اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں پر فائز ہوتے رہتے ہیں، اس قسم کے فیوضات کو تفسیر ارشادی کہا جاتا ہے (روح المعانی ۱ - ۷)

باطنیہ کی تفسیر میں چونکہ ظاہری معنی کا انکار ہے، اس لئے وہ مردود ہے اور اہل سنت کے صوفیہ نے جو ارشادی تفسیریں کی ہیں، ان میں اہم چار ہیں تفسیر نیشاپوری، تفسیر آلوسی، تفسیر سہل التستری سہل بن عبداللہ التستری المتوفی ۲۸۳ھ تفسیر محی الدین ابن العربی۔ یہ سب حضرات ظاہر معنی قرآن کو تسلیم کرنے کے ارشادی تفسیر کرتے ہیں، جن کے متعلق زرکشی برہان میں لکھتے ہیں۔

كلام الصوفية فى تفسير القرآن قيل ليس بتفسير وانما هو معان ومواجيد يجدون عند التلاوة

صوفیہ کا کلام تفسیر نہیں بلکہ واردات اور وجدانیات ہیں، جو تلاوت قرآن کے وقت محسوس کرتے ہیں۔

صوفیہ کی تفسیر کا فرق معلوم ہوگیا، اول ظاہر قرآن کا انکار کرتے ہیں، لیکن صوفیہ ظاہر قرآن

کو تسلیم کرتے ہیں، یہاں سے صوفیہ اور اہل باطن ملحدین کا فرق معلوم ہوا، مناہل العرفان ج ۱، ص ۵۴۹ میں ہے۔

ومن ھھنا یعلم الفرق بین تفسیر الصوفیہ المسمی بالتفسیر الارشادی وبین تفسیر الباطنیہ الملاحدہ فالصوفیہ لا یلغون ارادۃ الظاھر بل یحثون علیہ ویقولون لا بد منہ اولا اذ من ادعی فھم اسرار القرآن ولم یحکم الظاھر کمن ادعی بلوغ سطح البیت قبل ان یجاوز الباب

صوفیہ ظاہر معنی کا انکار نہیں کرتے بلکہ ترغیب دیتے ہیں اور ضروری سمجھتے ہیں جو ظاہری پختگی کے بغیر اسرار قرآن کا دعویٰ کرے، تو یہ ایسا ہے، جیسا کوئی کہے کہ میں دروازے سے گزرے بغیر اندر گیا۔

تفسیر باطنیہ کی مثال

علامہ افغانی فرماتے ہیں، سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل کے سلسلہ میں آیا ہے، ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرۃ (سورۃ بقرہ، آیت ۶۷)۔ بنی اسرائیل کے مقتول شخص کے قاتل معلوم کرنے کیلئے ان کو حکم ہوا کہ بقرہ ذبح کرو اور پھر اس کے جزء کو مقتول سے لگا دو، مقتول زندہ ہو کر اپنا قاتل بتا دیگا۔ اس آیت کی یہ تفسیر کرنا کہ بقرہ سے گائے یا بیل مراد نہیں بلکہ نفس بہیمہ مراد ہے، یعنی خود ان لوگوں کا نفس حیوانی اور اس کے ذبح کرنے سے مراد یہ ہے کہ ریاضت اور عبادت سے نفس کشی اختیار کرو، تا کہ نفس بہیمی کی سرکشی ختم ہو جائے اور جب اسکی سرکشی ختم ہوگی تو وہ زندہ ہو جائیگا اور اس کو روحانیت نصیب ہو کر اصل قاتل یعنی خواہشات نفس کو بتلا دیگی کہ یہی ملکیت اور روحانیت کی قاتل ہے اور فی الحقیقت کسی ظاہر گائے کو ذبح کرنے کی نوبت نہیں آئی، یہی الحادی اور باطنی تفسیر ہے، لیکن اگر اصل واقعہ کو صحیح تفسیر قرار دیتے ہوئے بوجہ مناسبت ان امور کیطرف انتقال ہو تو کوئی حرج نہیں، جیسے قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں مذکورہ اشارات کو نکات معرفت کے درجہ میں نقل کیا ہے (۸۹)

حضرت حکیم الامت العبرۃ بذبح البقرہ میں فرماتے ہیں:۔ مراد علم اعتبار سے

یہ نہیں ہے کہ نصوص کو ظاہر سے محرف کریں بلکہ ظاہر کو ظاہر پر رکھ کر پھر بطور قیاس کے امثال قرآنی کو وہ اپنے مقصود پر جاری کرتے ہیں اور یہ بھی ایک قسم کا قیاس ہے جسکی نصوص سے اجازت ہے جیسے فقہی قیاس کی اجازت ہے، چنانچہ حق تعالیٰ سورہ حشر میں قصہ بنی نضیر کے بیان کے بعد فرماتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ اے بصیرت والو! عبرت حاصل کرو اس قصہ سے۔ تو اب اس واقعہ سے عبرت حاصل کرنے کا مطلب یہی تو ہے کہ پھر اپنے حال کو ان کے حال پر موازنہ کر کے دیکھو اور ارشاد ہے لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب۔ ان کے قصوں میں عقلمندوں کے لئے عبرت ہے، یہی صوفیہ نے کیا ہے کہ قصص قرآنیہ کو وہ اپنے نفس پر جاری کرتے ہیں اور ہر چیز کی نظیر اپنے اندر قائم کر کے مشبہ کے احکام مشبہ بہ پر جاری کرتے ہیں، اسکی حقیقت قیاس فقہی کے قریب ہے، اتنا فرق ہے کہ قیاس کا نتیجہ بواسطہ قیاس مدلول نص ہے اور اعتبار کا نتیجہ مدلول نص نہیں بلکہ مدلول نص کے مشابہ ہے اس لئے کہ حکم قیاسی بھی مستقل نص نہ ہو تب بھی مقیس علیہ کے مقیس میں حکم کو متعدی کر سکتے ہیں اور حکم اعتباری میں اگر مستقل نص نہ ہو تو مشبہ بہ سے مشبہ میں حکم کو متعدی نہیں کر سکتے۔

امام ابن تیمیہؒ نے قرآن کی ہر اس تفسیر کو غلط قرار دیا ہے، جو صحابہ اور تابعین کی تفسیر کے خلاف ہو۔

و فی الجملہ من عدل عن مذاهب الصحابه والتابعین وتفسیرهم الی ما یخالف ذلك کان مخطئا فی ذلك بل مبتدعا لانهم اعلم بتفسیره ومعانیه کما انهم اعلم بالحق الذی بعث الله به رسوله انتہی (مناهل العرفان ج ۱ ص ۵۴۹)

ہر وہ تفسیر جو صحابہ و تابعین کی تفسیر کے خلاف ہو، اس کا مفسر غلطی کا مرتکب ہے اور بدعتی ہے کیونکہ قرآن کی تفسیر اور معانی کے وہ سب سے بڑا علم رکھنے والے ہیں، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے حق کے وہ بڑے عالم ہیں۔

امام سیوطیؒ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

وھو نفیس جدا

یعنی بہت عمدہ بات ہے۔ (اتقان ج ۲ ص ۱۸۴)

حضرت ابن عباسؓ نے آیت ان الذین یلحدون فی آیتنا لا یخفون علینا (جو لوگ ہماری آیتوں کی ملحدانہ تفسیر کرتے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں) کی یہ تفسیر کی ہے۔

هو ان يوضع الكلام غير موضعه یعنی اس الٰہی وعید کے مصداق وہ لوگ ہیں جو قرآن کے معنی کو بدلاتے ہیں۔

اس میں تمام باطنی فرقے اور مغرب زدہ ملحد داخل ہیں، باطنیہ میں، قرامطہ ہوں یا اسمٰعیلیہ یا امامیہ

الحادی تفسیر کی مثالیں

وورث سلیمان داودٗ کا یہ معنی کیا ہے کہ اس سے حضرت علیؓ کی وراثت مراد ہے یا جنابت سے راز کا افشاء اور غسل سے عہد و پیمان کی تجدید مراد ہے اور طہارت سے مراد ہر اعتقاد سے بجز متابعت امام کے بری ہونا ہے، صوم سے مراد افشاء راز سے بچنا ہے، صفا سے مراد پیغمبر اسلام اور مروہ سے حضرت علیؓ ہے، اسی طرح کعبہ سے مراد حضور اور باب کعبہ سے مراد علیؓ ہے، نار ابراہیم علیہ السلام سے مراد نمرود کا غصہ اور عصا موسیٰؑ سے حجت و دلیل موسیٰ علیہ السلام مراد ہے۔

اسیطرح وہ تفاسیر بھی جو مغرب زدہ طبقہ نے ہمارے زمانہ میں لکھی ہیں، وہ الحاد کی وعید میں داخل ہیں۔ (٩٦)

حافظ عبدالعظیم زرقانی لکھتے ہیں:۔ قرآن کی ان تحریفات سے بڑھ کر اسلام اور مسلمانوں کے لئے کوئی مصیبت نہیں، اس سے اسلام کی پوری بنیاد کو مسمار کرنا چاہتے ہیں (مناہل العرفان ج ٢، ص٥٢٣) (٩٦)

واقعی قرآن کریم پر پورے اسلام کی بنیاد رکھی ہوئی ہے، اگر اس بنیاد کو ہی گرا دیا جائے، تو اسلام کی تعمیر کیسے قائم رہ سکتی ہے؟ اس لئے قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ خود حق تعالیٰ جل شانہ نے لیا ہے اور جسطرح اس کے لفظوں کی حفاظت کے وہ خود ذمہ دار ہیں اسیطرح اس کے معانی اور مطالب کے بھی وہ خود ہی ذمہ دار ہیں۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون، میں لفظ اور معنی دونوں ہی کی ذمہ داری لیگئی ہے اور معنی کے تحفظ کے بغیر الفاظ کا تحفظ زیادہ مفید نہیں، علامہ فرماتے ہیں " اگر بالفرض مطالب قرآنیہ متواترہ محفوظ نہ رہے اور ہر کس و ناکس جب چاہے، اسکو تبدیل کر سکتا ہے تو پھر الفاظ قرآن کی محفوظیت بھی بے فائدہ ہو کر رہ جائیگی، کیونکہ حفاظت الفاظ کی غرض حفاظت مطالب و معانی ہے، اگر معانی محفوظ نہیں تو صرف لفظ کی حفاظت سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہو سکتا"

(سرمایہ دارانہ اشتراکی نظام ص۹۶)۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ حفاظت قرآن کے مسئلہ کے بارہ میں بھی علامہ افغانیؒ کی تحقیقات کو مختصر طریقہ پر پیش کر دیا جائے تاکہ ناظرین کو حضرت علامہؒ کی جامعیت علوم قرآن کا کسی قدر تعارف ہو جائے۔

حضرت علامہ افغانیؒ اور حفاظتِ قرآنی

حضرت علامہؒ فرماتے ہیں:۔ احقر کا خیال ہے کہ آخری کتاب ہونیکی وجہ سے اس کتاب کو لوحِ محفوظ میں محفوظ کیا گیا، جو حکومت الٰہیہ کا مرکزی محافظ خانہ ہے، دوسری مرتبہ بیت العزت میں سماوی حفاظت کا انتظام کیا گیا، تیسری مرتبہ حضور کے قلب اطہر پر نازل فرما کر قلب مبارک میں ارضی حفاظت قرآن کا انتظام کیا گیا، پھر اُمتِ محمدیہ کے قلوب کو قرآن کیطرف مائل کر کے چہارم مرتبہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون کے وعدہ کے مطابق اُمت کے سینوں (میں) حفاظت قرآن کا انتظام ہوا، بعد میں ابوبکر صدیق رضؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کو آمادہ کر کے تحریری صورت میں پانچویں بار حفاظتی انتظام عمل میں لایا گیا (۱۰۲)

قرآن کریم کی طرف امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیہ کے قلوب کے میلان کا ہی اثر تھا کہ صحابہ کرامؓ نے حفظ قرآن کی طرف پوری توجہ مبذول کی، قبائل عرب دور دراز سے مسافت طے کر کے حفظ قرآن کے لئے مدینہ منورہ پہنچتے تھے اور قرآن حفظ کرتے تھے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم حفاظ و قراء کی جماعتیں قبائل میں بھیجا کرتے تھے کہ ان کو قرآن حفظ کرادیں۔

صفر سنہ ۴ھ میں ابوبراء کی درخواست پر اہل نجد کی تعلیم قرآن اور تبلیغ کیلئے آپ نے منذر بن عمر ساعدی کی امارت میں ۷۰ قاریوں کی جماعت کو روانہ کیا جو عامر بن طفیل کی غداری سے بجز دو حضرات منذر بن محمدؓ اور عمرو بن امیہؓ کے سب کے سب شہید کر دیئے گئے، حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ نے بوقت قتل جب نیزہ ان کے پار ہوا، یہ کہا اللہ اکبر فزت ورب الکعبہ، رب کعبہ کی قسم کامیابی ہو گئی۔ اسی جماعت کا نام سریۃ القراء تھا۔ اس سے حفاظ و قراء قرآن کی کثرت کا اندازہ ہو سکتا ہے (فتح الباری ج ۷، ص۲۹۶)

علامہ ذہبیؒ نے طبقات القراء میں مشہور سات قراء و حفاظ کا نام لیا ہے، جن تک

قراء کی سند قرأت پہنچتی ہے، وہ یہ ہیں :- ۱۔ عثمان بن عفان رضؓ ۲۔ علی بن ابی طالب رضؓ
۳۔ ابی بن کعب رضؓ ۴۔ عبداللہ بن مسعود رضؓ ۵۔ سالم مولیٰ رضؓ ۶۔ ابی حذیفہ رضؓ ۷۔ معاذ بن جبل رضؓ، جن میں ابی بن کعب رضؓ سید القراء ہیں۔ مفتاح السعادات جلد اول میں ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضؓ نے پورا قرآن حفظ کیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا۔

صحابہ کرام میں دس ہزار حافظ صحابہ زیادہ مشہور تھے جن میں ۲۷ کو اعلیٰ مقام حاصل تھا (تہذیب التہذیب وغیرہ)۔ یہ تو پورے قرآن کے حفاظ کا مختصر بیان تھا اور جن کو جزوی طور پر قرآن حفظ تھا، ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا اور یہ حفاظ قرآن کا دور اوّل تھا، جوں جوں اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، تعداد حفاظ قرآن بھی بڑھتی گئی۔

دشمن اسلام کی شہادت

سر ولیم میور جیسے دشمن اسلام کو بھی "لائف آف محمد" میں اعتراف کرنا پڑا کہ صحابہ کرام بے مثل حافظہ رکھتے تھے، چنانچہ لکھتا ہے "قوت حافظہ ان کی انتہائی درجہ پر تھی، اور اس کو وہ لوگ قرآن کی نسبت سرگرمی سے کام میں لاتے تھے، ان کا حافظہ ایسا مضبوط تھا اور ان کی محبت ایسی قوی تھی کہ اکثر صحابہ پیغمبر کی حیات میں بڑی صحت کے ساتھ وحی حفظ پڑھ سکتے تھے۔" چھٹی صدی عیسوی میں عرب کیا، ساری دُنیا میں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد ایک فی ہزار سے بھی کم تھی، پریس اور مطابع کا انتظام نہ تھا، اس لئے زیادہ تر انحصار حفاظت یاد کرنے پر ہوتا تھا، ورنہ چند تحریرات میں رد و بدل کا احتمال ممکن تھا، یہی وجہ ہوئی کہ مذاہب عالم کی تحریری کتابوں میں تحریف ہوئی، قرآن کریم عہد رسالت میں ہزاروں سینوں میں محفوظ تھا، اور لاکھوں سینوں میں متفرق طور پر محفوظ تھا، اسی کو سورہ عنکبوت میں بیان فرمایا :-

بل ھو آیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم (عنکبوت آیت ۴۹)
یعنی قرآن کھلی ہوئی آیتوں کا مجموعہ ہے جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں (۱۱۱)

آپ نے معلوم کر لیا کہ قرآن کریم کی حفاظت کا حق تعالیٰ جل شانہ نے کس کس طریقے سے انتظام فرمایا کہ عقل انسانی حیران رہ جاتی ہے، قرآن کریم کے تیس پارے کو حفظ کرنا، اللہ تعالیٰ نے اُمت مسلمہ کے لئے اسقدر آسان فرما دیا کہ اسکی زیر، زبر تک یاد ہو جاتے ہیں اور بہت ہی کم عمر بچہ اس کے حافظوں اور محافظوں میں شامل ہو جاتا

ہے اور ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدّکر۔ اور ہم نے قرآن کو یاد کیلئے آسان کر دیا، کیا ہے کوئی یاد کرنے والا؟" کا مظہر بن جاتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں للذکر کی قید اور آخر میں فھل من مدّکر، ارشاد فرمانے سے معلوم ہو رہا ہے کہ قرآن کریم کی تیسیر، اس کے حفظ و یاد کرنے کی غرض سے کیگئی ہے، اس تفسیر کے بعد اس نعمت حفظ و یاد کی تحصیل میں یہ عذر مسموع نہیں ہوگا، کہ قرآن کریم بہت مشکل ہے، حفظ کی حد تک اس کو آسان کر دیا گیا ہے، البتہ اس کے معانی اور مطالب کے تفہیم کے لئے تفکر و تدبر کی ضرورت ہے، اس کی طرف لعلھم یتفکرون اور افلا یتدبرون القرآن وغیرہ آیات میں ہدایت فرمائی گئی۔

عہد صحابہ کرام میں اور اس کے بعد بھی تواتر و تسلسل کیساتھ حفظ کا یہ سلسلہ مسلمانوں میں جاری رہا اور اب تک بحمداللہ قائم ہے، قرآن کریم کی حفاظت کا سب سے بڑا اور آسان ذریعہ حفظ کرنا ہے۔ اسکی طرف مسلمانوں کو خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔

مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات

قرآن حکیم کی حفاظت ایسی حقیقت ہے جس کا اقرار خود مخالفین اسلام نے کیا ہے لیکن اس کے باوجود بعض مستشرقین مثلاً گولڈ لیسر وغیرہ نے مسلمانوں کے یقین کو متزلزل کرنے کے لئے کچھ بے سروپا شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے (۱۳) قرآن حکیم کی محفوظیت کے سلسلہ میں ان کے شبہات اصولاً حسب ذیل ہیں:۔

(۱) بعض آیات و روایات سے قرآن کے غیر محفوظ ہونے پر استدلال کرنا۔

(۲) اختلاف قرأت اور سبعہ احرف سے استدلال کرنا

(۳) شیعہ روایات سے استدلال کرنا۔

ہم ان کو اختصار کے ساتھ نقل کر کے جواب دیں گے۔

سورۃ اعلیٰ آیت سنقرئک فلا تنسیٰ الا ما شاء اللہ۔ "البتہ ہم پڑھائیں گے تجھ کو، پھر تو نہ بھولیگا، مگر جو چاہے اللہ۔" اس آیت سے مستشرقین یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ قرآن کی کچھ آیات بھلا دی گئی ہیں، حالانکہ یہ غلط ہے، اس کے تین جواب حضرت علامہ نے رقم فرمائے ہیں:۔

ایک یہ کہ استثنا صوری ہے، حقیقی نہیں ہے۔ علمی اصطلاح میں یہ استثناء اظہار فضل یا اظہار قدرت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہ مقصد نہیں ہوتا کہ کسی چیز کا مستثنیٰ کرنا مقصود ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ہم قرآن تجھ کو ایسا پڑھا دیں گے کہ بھولیگا نہیں، مگر اللہ چاہے تو اور بات ہے، یعنی بھلا دینا اب بھی ہماری قدرت میں ہے، اس لئے نہ بھلا دینے کو ہمارا فضل و احسان سمجھنا چاہیئے۔ (۱۲۱)

دوسرے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کا بھولنا ہماری مشیّت پر معلق ہے مگر دوسری جگہ قرآن نے صاف بتا دیا کہ بھلانا نہیں چاہیں گے، "ان علینا جمعہ وقرآنہ" (سورۃ قیامۃ) ہمارے ذمہ ہے قرآن کو تیرے سینے میں جمع کرکے محفوظ رکھنا اور تمہاری زبان سے پڑھوا دینا۔

اس سورت میں استثنائی صورت کے واقع نہ ہونے کی تصریح کر دیگئی، لہٰذا بھلا دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تیسرے جواب کا خلاصہ، اگر کسی وقت کچھ آیات بھلا دی گئی ہوں، تو یہ بھی نسخ کی ایک صورت ہے، اس سے قرآن کی محفوظیت میں کوئی فرق نہیں آتا، کیونکہ نسخ کے بعد وہ قرآن ہی نہیں رہا۔

نسخ کی حقیقت

ہر حاکم کو اپنے فرمان میں یہ اختیار حاصل ہے کہ جس جملے کو چاہے، فرمان کا جزو بنائے اور جسکو چاہے، فرمان سے خارج کر دے، یہ صاحبِ فرمان کا اپنا تصرّف ہے، کسی دوسرے کا نہیں (۱۲۲)۔ اس حقیقت کو نہ جاننے یا فراموش کرنے سے تحریف کے ثابت کرنے کیلئے نسخ کو پیش کیا جاتا ہے، جو قطعاً غلط اور مغالطہ دہی ہے۔

حدیث عائشہؓ

عن عائشۃ انہ سمع علیہ السلام رجلا یقرأ من اللیل قال یرحمہ اللہ لقد ذکرنی کذا وکذا ایۃ کنت اسقطھا من سورۃ کذا وکذا (رواہ مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت ایک شخص کا قرآن سُنا، تو فرمایا اللہ اسپر رحم کرے، اس نے مجھے فلاں فلاں آیتیں یاد دلائیں، جو مجھ سے رہ گئی تھیں۔

اس روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قرآن کی وہ آیتیں سورۃ میں سے مطلقاً ضائع ہوگئی تھیں بلکہ یہ آیات اس پڑھنے والے شخص سے قبل حضور کو بھی یاد تھیں بعض اوقات حافظہ میں ایک چیز موجود ہوتی ہے، لیکن اسکی طرف توجہ نہیں ہوتی، دوسرے کے پڑھ دینے سے اسکی طرف توجہ ہو جاتی ہے" (۱۲۲)

تو اس میں عدم استحضار اور ذھول کی صورت کا ذکر ہے، اس لئے فلا تنسٰی کے بھی خلاف نہیں ہوا۔

ضابطہ عمومیہ علامہ نے اس جگہ ایسی روایات کے جواب میں ایک عمومی ضابطہ کا ذکر فرما کر اہلسنّت والجماعت کے ہاتھ میں اصولِ حدیث کا ایک قاعدہ دیدیا ہے جس سے اسطرح کی تمام بے سروپا روایات کا جواب ہو جاتا ہے۔ وہ ضابطہ یہ ہے کہ

مستشرقین جن روایات کو لیکر حفظ و تواتر قرآن پر اعتراضات کرتے ہیں، اس کا عام جواب جو ایسے تمام مواقع کے لئے کافی ہے، وہ یہ ہے کہ تواتر و حفظ قرآن، تواتر اور اجماع قطعی سے ثابت ہے اور جو روایات اس کے خلاف پیش کی جاتی ہیں وہ اکثر ضعیف ہوتی ہیں اور زیادہ سے زیادہ خبر واحد ہوتی ہے، جو ظنی ہے اور ظنی قطعی کے مقابلہ میں کالعدم ہے (۱۲۳)، محدثین کا یہ اصول طبع اور عقل کے بالکل موافق ہے کہ متواتر اور قطعی جو کہ یقین کو مفید ہے، اس کے مقابلہ میں خبر واحد جو کہ ظنی کا فائدہ دیتی ہے قابل اعتبار نہیں ہے، ظاہر ہے کہ یقین کے مقابلہ میں ظن معتبر نہیں ہوتا اور اگر اسکی سند میں ضعف پایا جائیگا، تو پھر معاملہ اور بھی اھون ہوگا، بہرحال قرآن کا ثبوت قطعیت اور تواتر سے ہو چکا ہے، اس کا معارضہ مفید ظن روایات سے کرنا عقلاً و نقلاً کسیطرح درست نہیں ہو سکتا اور نہ ہی مفید ظنی روایات سے قرآن کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔

اس اصول کو سامنے رکھ کر معترضین کی تمام روایات کا جواب دیا جا سکتا ہے۔

روایت ابن مسعودؓ مسند احمد طبرانی و ابن حبان میں عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے کہ وہ قرآن میں معوذتین یعنی قل اعوذ برب الفلق، و قل اعوذ برب الناس، نہیں لکھتے تھے۔ اسیطرح ابوعبیدہ نے بروایت ابن سیرین ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ وہ فاتحہ قرآن میں نہیں لکھتے تھے اور حافظ ابن حجرؒ نے شرح بخاری میں ان روایات کی تصحیح کی ہے، اس کے چند جوابات ہیں، مگر ہمارے نزدیک

جواب اصول کے مطابق یہ ہے کہ فاتحہ اور معوذتین کی قرأت تواتر قطعی سے ثابت ہے، لہٰذا اگر ابن مسعودؓ سے یہ انکار ثابت بھی ہو، تو اجماع اور تواتر کسی ایک فرد کی مخالفت سے نہیں ٹوٹتا، ورنہ تمام متواترات کا انہدام لازم آئیگا۔

یہ اصولی جواب اسی مذکورہ ضابطہ عمومی کے مطابق ہے جسکا ذکر اوپر ہوچکا ہے، جو عقل اور نقل کے مطابق ہے اور اس جواب کی اس وقت ضرورت ہے جبکہ اس روایت کا ثبوت عبداللہ بن مسعودؓ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو اور اس سے رجوع کرنا بھی ثابت نہ ہو، مگر واقعہ یہ ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ سے انکار کی روایت سند صحیح کے ساتھ ثابت نہیں ہے اور پھر ان کا اس سے رجوع کرنا بھی ثابت ہے۔

علامہ افغانیؒ اتقان جلد ۱، ص ۶۵-۷۰ سے نقل کرتے ہیں:۔

قال النووی فی شرح المھذب	نوویؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا اجماع
اجمع المسلمون علی ان المعوذتین	ہے، اس پر کہ معوذتین اور فاتحہ قرآن ہیں
والفاتحۃ من القرآن وان من جحد	اور جو قرآن کے کسی حصہ کا انکار کرے، وہ کافر
شیئاً منھا کفر وما نقل عن ابن	ہے اور ابن مسعودؓ سے جو نقل کیا گیا ہے، باطل
مسعود باطل لیس بصحیح وقال	ہے، ابن حزم نے اس کو جھوٹ کہا ہے۔ ابن
ابن حزم فی قدح المعلی ھذا	مسعودؓ سے عاصم کی قرأۃ زر بن جیش کے
کذب علی ابن مسعود وانما صح	ذریعہ صحیح طریقہ سے ثابت ہے، اس
عند قرآۃ عاصم عن زر عنہ خیر	میں معوذتین اور فاتحہ شامل ہیں۔
وفیھا المعوذتین والفاتحۃ۔	

اسی طرح امام رازیؒ نے کبیر میں بھی لکھا ہے، ابن مسعودؓ کے انکار کو نووی نے باطل کہا ہے ابن حزم نے جھوٹ اور موضوع قرار دیا ہے۔ (۱۲۵)

مطلب واضح ہے کہ امام عاصم کی قرأت زر بن جیش کی روایت سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے صحیح طریقہ سے ثابت ہے اور یہی قرأت امام عاصم کے شاگرد امام حفص کی روایت سے تمام دنیائے اسلام میں پڑھی جاتی ہے، دوسری عشرہ قرأت بھی اگرچہ مشہور و متواتر ہیں اور وہ بھی قرآن ہی ہیں اور نفس تواتر میں برابر ہیں، مگر عملاً جس قدر اس روایت کو شیوع و قبول عام میسر آیا، وہ کسی اور قرأت کے حصہ میں نہیں آیا، اس

قرأت امام عاصم میں بھی دوسری قرأت کی طرح تینوں سورتیں پڑھی جاتی ہیں، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تینوں سورتیں عبداللہ بن مسعود رضؓ کے نزدیک بھی قرآن ہیں کیونکہ امام عاصم اس قرأت کی اپنی سند کے ساتھ عبداللہ بن مسعود رضؓ سے روایت کرتے ہیں، پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضؓ ان سورتوں کے قرآن ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ یہ بات متواتر روایات کے خلاف یقیناً اور موضوع ہے۔

روایاتِ ابنِ عباس رضؓ

مستشرقین نے حضرت ابنِ عباس رضؓ کی بعض روایات مثلاً وقضیٰ ربک کی جگہ وصّیٰ۔ مثل نورہٖ کی جگہ نور المومن وغیرہ نقل کی ہیں "صاحب مناھل العرفان لکھتے ہیں، یہ روایات ضعیف ہیں، ابن عباس رضؓ سے ثابت نہیں اور پھر یہ روایات قرآن کی قرأت متواترہ کے خلاف ہیں، لہذا ساقط ہیں۔ ابنِ عباس رضؓ قرآن اور قرأت قرآن میں زید بن ثابت اور ابی بن کعب کے شاگرد ہیں اور یہ دونوں حضرات اس مجلس کے رکن تھے، جو جمع قرآن کیلئے حضرت عثمان رضؓ نے مقرر کی تھی، لہذا ابن عباس رضؓ کے دونوں استادوں نے جن الفاظ کے ساتھ اتفاق کیا اور سب صحابہ نے بھی کیا، ابن عباس رضؓ قطعاً اس کے خلاف نہیں ہو سکتے لہذا ایسی تمام روایات ضعیف اور نا قابل اعتبار ہیں اور اگر بالفرض ان کو ثابت تسلیم بھی کر لیا جائے، تو بھی قرآن مجید کے تمام الفاظ جو وقت نزول سے اب تک متواتر ثابت ہیں، ان کے مقابلہ میں کسی ایک فرد کا بیان قابلِ اعتبار نہیں (لہ ۱۲۴)

علامہ افغانی رحؒ اور اختلاف قرأت

علامہ لکھتے ہیں " مستشرقین نے قرآن کی قرأت مختلفہ کو تحریف قرآن ثابت کرنے کے لئے بطورِ دلیل پیش کیا ہے حالانکہ یہ استدلال بالکل غلط ہے، تحریف اس کا نام ہے کہ کسی شاہی دستاویز میں اصلی متکلم اور دستاویز مرتب کرنے والے کے علاوہ دوسرا شخص الفاظ میں رد و بدل کر دے، لیکن اگر بادشاہ اپنے دستاویز کے الفاظ میں رد و بدل کر دے (یا اپنے فرمان کو مختلف الفاظ اور پیرایہ میں بیان کرے) اس کو کوئی عقل مند تحریف نہیں کہہ سکتا۔

قرآن پاک کی قرأت کی دو قسمیں ہیں، متواترہ اور غیر متواترہ۔ غیر متواترہ قرآن نہیں، کیونکہ ائمہ اصول متفق ہیں کہ قرأت کے لئے تواتر شرط ہے اور قرأت متواترہ قرآن

ہے، اس سے تحریف ثابت نہیں ہو سکتی، تحریف اس کا نام ہے کہ یا غیر قرآن کو قرآن میں داخل کیا جائے یا قرآن کے کسی جزء کو قرآن سے خارج کیا جائے اور اختلاف قرأت میں دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت بھی نہیں (۱۲۵)۔ علامہ افغانی، علامہ سیوطی کی الاتقان سے نقل فرماتے ہیں :-

وقد نص علی تواتر ذلک کلہ ائمۃ الاصول کقاضی ابی بکر وغیرہ وھو الصواب لانہ اذا ثبت تواتر اللفظ ثبت علی تواتر ھیئۃ اداء لان اللفظ لا یقوم الابہ ولا یصح الا بوجودہ (۱۲۶) (اتقان ج ۱ ص ۳)	اور ائمہ اصول نے ان تمام کے تواتر کی تصریح کی ہے جیسا کہ قاضی ابوبکر وغیرہ اور یہی صحیح ہے، کیونکہ جب لفظوں پر تواتر ثابت ہو گیا تو ادائیگی کی ہیئت پر بھی تواتر ثابت ہو گیا اس لئے کہ لفظ بغیر ہیئت کے قائم نہیں ہوتا اور اس کے بغیر صحیح نہیں ہوتا۔

تحریف اور اختلاف قرأت کی حقیقت ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہے ان دونوں کی حقیقت سمجھ لینے کے بعد ان میں کسی طرح کی مشابہت کا بھی شائبہ نہیں رہتا، تحریف دوسرے کے کلام میں تغیر و تبدل کا نام ہے جبکہ اختلاف قرأت، خود متکلم کے ہی اسلوب بیان کے اختلاف کو کہتے ہیں اور نسخ خود متکلم کی طرف سے اپنے کلام میں تغیر و تبدل ہے، بڑا مغالطہ ہے کہ ایک کو دوسرے کے ساتھ خلط ملط کر کے اور ملا کر اعتراض کر دیا جائے اور قرآن کریم میں نسخ یا اختلاف قرأت کے ثبوت کی وجہ سے تحریف قرآن ثابت کرنے کی کوشش کی جائے۔

قرأۃ متواترہ قرآن ہے اور حفاظت جس طرح ایک کی کی جاتی ہے، متعدد کی بھی ہو سکتی ہے، چنانچہ ائمہ قرأت نے تمام قرأت متواترہ کی حفاظت کی ہے، اور امت کے پاس یہ تمام قرأتیں درجہ تواتر کے ساتھ موجود ہیں، ان کو نقل کرنے اور پڑھنے والوں کی اتنی تعداد ہر وقت رہتی ہے کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا، یہ تمام قرأتیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں، آپ سے یہ قرأتیں صحابہ کرام رض نے حاصل کیں اور ان سے قراء، امام عاصم وغیرہ تک پہنچیں، اس لئے ان سب کا ثبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا، اگرچہ فن کی شکل میں دوسرے تمام علوم و فنون کی طرح

اِس فن قرأت کی تدوین بھی بعد میں ہوئی۔

تسلسل و تواتر قرونِ اولیٰ میں قرآن کی حفاظت کا مدار اعتماد حفظ پر تھا، کتابی شکل حافظہ کی مدد کے لئے تھی، صحابہ کرامؓ، تابعین عظام قوی الحافظہ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جسطرح حاصل کیا تھا، اسیطرح حافظہ سے پڑھاتے تھے، پڑھتے پڑھاتے اور تلاوت کی کثرت سے بھولنے کی صورت پیدا نہ ہوتی تھی، مصحف عثمانی کی نقلیں سب جگہ پہنچ گئی تھیں، مگر اس پر حاشیہ یا بین السطور کچھ لکھنا مکروہ سمجھا جاتا تھا، دوسری صدی کے آخر تک وجوہ قرأت لکھنے کا دستور نہیں تھا، مگر جب غیر ضابطہ اور کمزور حافظے والے طلبار نے داخل ہوکر غلطیاں کرنی شروع کیں تو ائمہ فن نے وجوہ قرأۃ کی تدوین ضروری سمجھی اور تصانیف کا سلسلہ شروع ہوگیا، مگر ان تصانیف کا منشار بھی سماعی علم کو مدد پہنچانا تھا، لیکن ان کتابوں کے باوجود مستند استاد سے جس نے اسناد متواترہ بسلسلہ مشہورہ متصلہ سے قرأت حاصل کی ہو، قرأت سیکھنے کی ضرورت بہرحال باقی رہتی ہے کہ قرآن آنکھوں سے نہیں بلکہ کانوں سے سیکھا جاتا ہے (تذکرۂ قاریانِ ہند ۴۶)

اختلاف قرأت کی وضاحت اور مثالیں۔ اس اختلاف کی نوعیت تضاد و تناقض کی نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق لہجہ اور طرز ادا، بلاغت و حسن بیان کے ان اختلافات سے ہے، جو نزول قرآن کے زمانہ میں مستند مانے جاتے تھے، مثلاً مددود کی لمبائیوں میں فرق، مد منفصل کو ایک الف کی لمبائی دینا، یا دو یا تین کی، چنانچہ مد منفصل ان تینوں طریقوں سے پڑھا جاتا ہے، اسطرح بعض حروف کی ادائی اس لئے مشکل ہو جاتی ہے کہ دوسرے قریب المخرج حرف بعد میں واضح ہو جاتے ہیں، اسکو رفع کرنے کے لئے ادغام جیسے قد جاء کُـ کی دال کا جیم میں ادغام یا افعال ناقصہ حرادی ما یائی جیسے مسنوی، رمی، انی، اشتری، میں واؤ یا الف سے بدل دیتے ہیں، ادائی میں فصحاء عام طور سے الف کی آواز نکالتے ہیں، لیکن بعض فصحاء کے نزدیک فصاحت یہ ہے کہ ان کا ناقص ہونا تلفظ سے واضح ہو جائے تو وہ ان کی ادائی کے لئے یا کی آواز کی طرف جھکاتے ہیں، اسکو امالہ کہتے ہیں امالہ بھی یا صغریٰ

ہوگا یا کبری، غرض ادائی کی تین صورتیں ہیں، ان تین صورتوں میں لفظی تغیر تو کچھ نہیں ہوتا صرف ادائی کا فرق ہوتا ہے، اختلاف کی ایک صورت تو یہ ہوئی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ لفظ میں تو تبدیلی ہو، مگر معنی نہ بدلیں جیسے الصراط کو صاد سے ادا کریں یا سین سے یا حسب یحسب، مضارع میں سین کو زیر یا زبر سے ادا کرنا، الغیوب، الغیوب، قرطاس، قرطاس، علیہم، علیہم، یہ سب ہی اہل فن کے نزدیک مسلمہ لغات ہیں جسکی صحت و فصاحت مانی ہوئی ہے۔

تیسری قسم کی تبدیلی وہ جو لفظ و معنی دونوں میں ہو، مگر دونوں کا مصداق و مراد ایک ہی ہو جیسے ملک یوم الدین یا مالک یوم الدین، دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں کہ وہ مالک یوم الدین بھی ہے اور ملک یوم الدین بھی ہے، مالک بھی ہیں اور بادشاہ بھی۔

(ب) کیف ننشزها. کیف ننشرها، پہلے کے معنی ہوئے کہ ہم کسطرح ہڈیاں ایک دوسرے پر چڑھاتے ہیں اور دوسرے کے یہ معنی ہوئے کہ ہم کسطرح ہڈیوں میں جان ڈال کر زندہ کرتے ہیں، غرض کہ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے کلام کے ایک سے زیادہ پہلو ایسے ہوتے ہیں کہ ہر ایک میں ایک خاص خوبی ہوتی ہے، ایک ہی مفہوم کو جملہ خبریہ میں ادا کیا جائے تو ایک خاص حسن کا اظہار ہوتا ہے اور استفہامیہ میں ادا کیا جائے، تو دوسری نزاکت ظاہر ہوتی ہے، ایسے موقعوں پر دونوں پہلوؤں کی اجازت دینا ہی قادر الکلام کی خوبی ہے۔

بعض جگہ دوزخیوں سے مخاطب ہو کر کہا ہے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو، قیامت میں تم کو معلوم ہو جائیگا عما تعملون، مگر بلاغت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ایسے موقع پر مخاطبت ان کی طرف نہ ہو، بلکہ دوستوں سے مخاطبت کرکے یہ مضمون ادا کیا جائے، کہ یہ جو کچھ یہ کر رہے ہیں، قیامت میں ان کو معلوم ہو جائیگا۔ چنانچہ عما تعملون کی قرأت خود اللہ تعالیٰ ہی نے فرمادی، اسطرح امت کے لئے وسعت و آسانی بھی پیدا ہو گئی اور فصحاء کے کمالات بھی جمع ہو گئے، تحقیق کے تمام مراتب بھی ختم ہو گئے اور تحفظ صوت النبی کا پورا پورا انتظام بھی ہو گیا (تذکرہ قاریان ہند ۲۸ ، ۲۹)۔

(تذکرۂ قاریان ہند ۲۸ ، ۲۹)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضؓ کو مختلف طریقے سے پڑھایا!

(۱) بخاری کی ایک مشہور حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہشام بن حکیم کو دیکھا کہ سورہ فرقان نماز میں ایسے طریقہ سے پڑھ رہے ہیں جسطریقہ سے رسول اللہ نے مجھے نہیں پڑھایا تھا۔ مجھے غصہ آیا اور میں نے چاہا کہ نماز میں لڑ پڑوں، مگر میں نے تحمّل کیا۔ جب نماز سے فراغت ہوئی، تو میں نے ان کے گلے میں چادر ڈال دی اور پوچھا کہ پڑھنے کا یہ طریقہ تم نے کس سے سیکھا۔ انہوں نے جواب دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، میں نے کہا۔ تم جھوٹ بولتے ہو۔ مجھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا اور عرض کیا، کہ یا رسول اللہ! یہ سورہ فرقان اور ہی طریقہ سے پڑھتے ہیں، جو آپ نے ہمیں نہیں بتلایا۔ آپ نے فرمایا، ہشام کو چھوڑ دو، اور ہشام سے فرمایا، اچھا پڑھو تو سہی۔ پس انہوں نے اسیطرح پڑھا جیسے میں نے ان سے (نماز میں) سنا تھا۔ اس پر حضور اکرمؐ نے یہ فرمایا، کہ یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے، پھر مجھے فرمایا۔ اے عمر! تم پڑھو، تو میں نے اسیطریقہ سے پڑھا، جو آپ نے مجھے تعلیم فرمائی تھی، سنکر آپ نے فرمایا، یہ سورت اسیطرح نازل ہوئی ہے بے شک قرآن شریف سات طریقوں پر نازل ہوا ہے، جسطریقہ سے کسی کو آسان معلوم ہو، وہ طریقہ اختیار کرلے۔ (بخاری شریف صـ۷۴۷، ج ۲)

(۲)۔ دوسرا واقعہ حضرت ابی بن کعبؓ کا ایسا ہی ہے۔ ابی فرماتے ہیں:۔

"ایک شخص نے مسجد میں آکر سورۂ نحل اس کے خلاف پڑھی جسطرح میں پڑھتا تھا، میں نے اس سے پوچھا، یہ سورۃ تجھے کس نے پڑھائی ہے، جواب دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اس کے بعد ایک اور شخص آیا، اس نے بھی سورہ نحل پڑھی اور ہم دونوں کے خلاف تیسری طرح پڑھی۔ میں نے اس سے بھی پوچھا تو اس نے وہی جواب دیا، جس سے میرے دل میں شک پیدا ہوا، اور میں ان دونوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا۔ آپ نے ایک سے سنکر فرمایا، احسنت، تو نے اچھی طرح پڑھا۔ دوسرے سے سنکر فرمایا۔ ھکذا انزلت (یہ سورۃ اسی طرح نازل ہوئی ہے)۔ پھر میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ اعیذک باللہ یا ابی

اے ابی، میں تجھے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں، حضرت ابی فرماتے ہیں، میرا سینہ یقین سے بھر گیا"۔

حضرت شاہ عبدالحق صاحب دہلویؒ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ قراءت متواترہ کے انکار سے انکار قرآن لازم آتا ہے، اس سے بچنا چاہیئے" (اشعۃ ص ۱۵۷) (۵۰)۔

ان دونوں واقعات سے ثابت ہو رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صحابہ کرام رضؓ کو مختلف طریقوں سے قرأت قرآن کی تعلیم دی تھی۔

دوسرے یہ کہ قرآن کا نزول مختلف طریقوں سے ہوا تھا، اجتہاد سے ان کی تعلیم نہیں دی گئی تھی جیسا کہ ھکذا انزلت سے ثابت ہو رہا ہے۔

تیسرے یہ کہ صحابہ کرام رضؓ ان مختلف طریقوں کو نماز میں بھی پڑھتے تھے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تقریر فرمادی تھی اور اجازت دیدی تھی۔ اس اجازت سے ثابت ہوا کہ نماز میں مختلف قرأتوں کا بھی تو پڑھنا جائز ہے۔ فقہاء رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ قرأت متواترہ عشرہ کا نماز میں پڑھنا جائز ہے۔ شامی ج ۱ ص ۵۳۲ میں ہے۔ القرآن الذی تجوز به الصلوٰۃ بالاتفاق ھو المضبوط فی مصاحف الائمۃ التی بعث بھا عثمان رضی اللہ عنہ الی الامصار وھو الذی اجمع علیه الائمۃ العشرۃ وھذا ھو المتواتر جملۃ وتفصیلا فما فوق السبعۃ الی العشرۃ غیر شاذ وانما الشاذ ما وراء العشرۃ وھو الصحیح وتمام تحقیق ذالک فی فتاوی العلامۃ قاسم۔

چوتھے یہ کہ اگر سات حرف سے سات لغات قبائل عرب مراد ہوں، تو عمر رضؓ اور ہشام رضؓ میں جھگڑا ہونے کی کیا وجہ ہے، جبکہ یہ دونوں قریشی تھے اور دونوں کی لغت ایک ہی تھی۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سات حرف لغت قریش میں تھے جیسے کہ ابن قتیبہ اور ابو علی الاہوازی کا قول ہے، مگر علامہ افغانیؒ نے جھگڑے کی توجیہہ میں فرمایا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے حضورؐ سے ایک قبیلہ کی لغت کے مطابق سن لیا ہو

اور ہشام نے آپ سے دوسرے قبیلہ کے لغت کے مطابق، اس لئے نزاع کی نوبت

آتی، (۱۲۹) یا ہوسکتا ہے کہ ایک ہی لغت میں دونوں نے مختلف طریقوں سے سُنا ہو۔
اس زمانہ میں حضرت شیخ عبدالحق کا ارشاد بڑا قابل توجہ ہے کہ قرأت متواترہ
کے انکار سے انکار قرآن لازم آتا ہے، واقعی جب نفس تواتر کے اعتبار سے تمام متواتر
قرأتیں ایک ہی درجہ کی ہیں اور سب قرآن ہیں تو جس متواتر قرأت کا بھی انکار کیا
جائیگا، وہ قرآن ہی کا انکار ہوگا، اکثر اہل علم سے بھی غلط فہمی کی وجہ سے اس میں کوتاہی
ہوجاتی ہے کہ انہیں علم قرأت کے سیکھنے کی طرف توجہ کرنے کی بجائے اختلاف قرأت
پر اعتراض ہے، حالانکہ اس علم کا سیکھنا اور سکھانا بھی ضروری ہے اور اس کی حفاظت
اور بقاء کا انتظام تعلیم و تعلم کے ذریعہ قائم رکھنا تمام اُمّت پر فرض علی الکفایہ ہے،
اہل علم اور اہل مدارس کو خصوصیت سے اسکی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

اختلاف قرأت کی حقیقت

یہ اختلاف تنوع اور تغایر کی قسم سے ہوتا ہے، تضاد اور تناقض کے قبیل سے نہیں ہوتا، کہ ایک قرأت کو دوسری کے ساتھ جمع نہ کیا جاسکتا ہو، یا ایک کے صحیح ہونے سے دوسری
قرأت کی تغلیط لازم آتی ہو، بلکہ اختلاف قرأت سے طرح طرح کے عجیب و غریب
معنی پیدا ہوتے ہیں، جو ایک دوسری سے بالکل علیحدہ ہوتے ہیں، مگر ان معنی میں
ضدیت اور مخالفت نہیں ہوتی، کیونکہ کتاب اللہ میں یہ محال ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے،
افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا
کثیرا ○ (نساء، ۱۱ رکوع) کیا غور نہیں کرتے قرآن میں اور اگر یہ ہوتا کسی اور کا سوائے
اللہ کے تو ضرور پاتے، اس میں بہت تفاوت " اس لئے یہ ناممکن ہے کہ ایک قرأت
میں امر اور دوسری میں نہی ہو یا اور کسی طرح تعارض ہوسکے، (ص ۴۳، شرح شاطبی
اُردو از حضرت الاستاد شیخ القراء مولانا قاری فتح محمد پانی پتی مہاجر مدنی رح)
حضرت محقق ابن جزری رح فرماتے ہیں کہ ہم نے تمام قرأتوں کے اختلاف میں
غور کیا، تو نتیجہ یہ نکلا کہ مصداق کے اعتبار سے اختلاف کی تین قسمیں ہیں۔ اوّل یہ کہ
لفظ میں تبدیلی ہوجائے، لیکن معنی دونوں قرأتوں پر ایک ہی رہیں جیسے الصراط، السراط
، علیہم، القدس، یحسب، یؤدہ۔
اور اسی طرح قرأت کی وہ تمام تبدیلیاں جن کی بابت فن کے علماء:

کہتے ہیں کہ یہ سب اس لفظ کے لغات ہیں۔ یعنی لغت کی تبدیلی سے معنی نہیں بدلتے۔
دوم لفظ اور معنی دونوں میں تبدیلی ہو جائے، لیکن دونوں کا مصداق ایک ہی ہو، یعنی دونوں ایک ہی ذات پر صادق آتے ہوں، جیسے ۱ سورہ فاتحہ میں مٰلِک، اور مَلِک، دونوں حق تعالیٰ ہی کی صفتیں ہیں، اس لئے کہ وہ قیامت کے دن کے مالک بھی ہیں اور اس روز کے بادشاہ بھی ہیں۔ چنانچہ اس دن مجازی سلطنیں اور ملکیتیں بھی سب ختم ہو جائیں گی (ایک قرأت سے مالک ہونا اور دوسری سے بادشاہ ہونا ثابت ہو رہا ہے اور دونوں کا مصداق ایک ہی ذات اللہ تعالیٰ ہیں اور ظاہر ہے کہ صفت مالکیت سے بادشاہ ہونا اور بادشاہ ہونے سے مالک ہونا لازم نہیں آتا مگر ان دونوں میں تضاد بھی نہیں ہے، بلکہ دونوں ایک ہی ذات والاصفات میں جمع ہیں کہ وہ مالک بھی ہیں، اور بادشاہ بھی ہیں، اسی طرح دو قرأتوں سے دو صفات کا ثبوت ہو جاتا ہے)۔

۲ بما کانوا یَکذِبُوْن اور یُکَذِّبُوْن۔ بقرہ (رکوع ۲)، اس میں دونوں قرأتوں پر فعل کی ضمیر منافقین کے لئے ہے۔ پہلی قرأت پر معنی یہ ہیں کہ یہ منافقین اپنے آپ کو مومن بتانے میں جھوٹ بولتے ہیں اور دوسری قرأت کے معنی یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا بتاتے ہیں۔

۳۔ کیف ننشزھا اور ننشرھا، بقرہ رکوع ۲۵، اس میں بھی دونوں قرأتوں پر مفعول کی ضمیر مؤنث عظام (ہڈیوں) کے لئے ہے اور پہلی قرأت کے معنی یہ ہیں کہ ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم ان کو کس طرح ایک کو دوسرے پر چڑھاتے ہیں، حتیٰ کہ وہ سب جڑ کر ایک ہو جاتی ہیں، اور 'را' والی قرأت پر معنی یہ ہونگے کہ دیکھو، ہم ہڈیوں میں جان ڈال کر ان کو کس طرح زندہ کر دیتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے دونوں معنی کو دو قرأتوں کے ذریعہ بیان کر دیا۔

ان تینوں مثالوں میں ہر قرأت کے معنی دوسری قرأت کے معنی سے متغائر اور جدا ہے اور ان میں اختلاف ہے، مگر یہ اختلاف تنوع ہے کہ ایک قرأت میں ایک نوع کا بیان ہے، دوسری قرأت میں دوسری کا اختلاف، تضاد و تناقض نہیں، یہ بات اہل علم کے سمجھنے اور پیش نظر رکھنے کی ہے، عام لوگ تو اختلاف کا لفظ سن کر ہی گھبرا جاتے اور انکار کے درپے ہو جاتے ہیں۔

سوم لفظ و معنی دونوں میں تبدیلی ہو جائے اور دونوں کا مصداق بھی جدا جدا ہو، لیکن کوئی ایسی وجہ نکل سکے، جو دونوں کو متحد کر دے اور منديت پیدا نہ ہونے دے، مثلاً وظنوا انهم قد كذبوا اور قد كُذِبُوا (یوسف، رکوع ۱۲)۔ زال کی تخفیف والی قراءت پر ظن وہم کے معنی میں ہے اور جمع کی تینوں ضمیریں مرسل الیہم، یعنی کفار کے لئے ہیں اور معنی یہ ہیں کہ کفار کو یہ وہم ہو گیا، کہ رسولوں نے جو خبریں ہمیں دی ہیں، ان میں ہم سے جھوٹ بولا گیا ہے اور تشدید کی صورت میں ظن یقین کے معنی میں ہے اور تینوں ضمیریں رسولوں کے لئے ہیں، یعنی رسولوں کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ اب ان کی قوم نے انہیں پوری طرح جھٹلا دیا اور ضد و مخالفت کے سبب اب ان کے ایمان لانے کی کوئی امید نہیں رہی (عنایاتِ رحمانی ص ۳۵)۔

علوم دینیّہ کے طلباء سے گذارش

یہ احقر ناچیز علم و عمل سے عاری اپنی تمام تر نا اہلیتوں کے باوجود اپنے عزیز طلباء علوم دینیّہ سے نہایت دل سوزی اور دردمندی سے گذارش کرتا ہے، کیونکہ علماء کرام کی خدمت میں تو ایسی معروضات کا پیش کرنا شائد بے ادبی کے زمرہ میں شمار کیا جائے۔ یہ احقر اپنے عزیز طلباء پر ہی ان کی کم عمری کی وجہ سے اس گذارش کا حق سمجھ رہا ہے، خدا نہ کرے ان کو بھی گراں محسوس ہو، کیونکہ علم و عمل کے لحاظ سے تو یہ حضرات طلباء کرام بھی احقر سے بہت اونچے ہیں، مگر کچھ چیزوں کا تعلق عمر سے بھی ہوتا ہے، اس لئے عرض کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ علوم القرآن، علامہ افغانی رح کی آپ کے سامنے ہے، اس کا یہ مختصر اور نا تمام تعارف ہے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس میں کس قدر جامعیّت ہے، دوسرے علوم و فنون کے لحاظ سے تو حضرت علامہ رح کی جامعیّت کا آپ حضرات کو یقین بلکہ ان کے ہم زمانہ حضرات کو مشاہدہ بھی ہے، وہ اپنے ہم عصروں میں نابغہ روزگار کی حیثیت کے حامل تھے اور ہم جلیسوں کے تعارف کرانے کے محتاج نہیں تھے، خود ہی سے آفتاب آمد دلیل آفتاب، کے مصداق تھے، حضرت ممدوح رح کا اسم گرامی بھی شمس الحق تھا اور واقعی وہ شمس الحق اور اسم با مسمّٰی تھے۔

حضرت علامہ رح کے اس تذکرہ کی مناسبت سے اسوقت خصوصیت سے جس علم کی تحصیل کی طرف یہ ہیچمدان آپ حضرات کی خصوصی توجہ مبذول کرانیکی گذارش

کرنا چاہتا ہے، وہ علم تجوید و قرأت ہے، اس سلسلہ میں ترغیب کے لئے بعض باتیں عرض کرتا ہوں اور سمع خراشی کی معافی چاہتا ہوں۔

اب سے تقریباً پچاس سال پہلے جب احقر نے بسلسلہ قرأۃ چند ایام پانی پت ضلع کرنال انڈیا میں گذارے تھے، اس وقت ہمارے شیخ قرأت حضرت مولانا قاری محی الاسلام رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ علم مردہ ہورہا تھا۔

کتب قرأت کا اجمالی تعارف

محقق علامہ شمس الدین ابن جزری ؒ نے النشر الکبیر عشرہ قرأت کی جامع نہایت بلند پایہ اور محققانہ بے نظیر کتاب لکھ کر اپنے زمانہ میں فرمایا تھا۔ اس کتاب نے علم قرأت کو زندہ کردیا ہے، علامہ دانی ؒ کی تیسیر اور علامہ شاطبی ؒ کا قصیدہ لامیہ ان کے بغیر تو اس علم میں اس کا کوئی طالب قدم رکھ ہی نہیں سکتا، مگر ان دونوں اساطین کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دستگیری فرمائی اور اس علم قرأت کو تقویت اور پشت پناہی کا کام محقق فن علامہ جزری ؒ کی نشر کبیر سے لیا، یہ کتاب عشرہ قرأت کے مسائل کی تحقیق میں بے نظیر ہے اور تحقیق مسائل میں ہائی کورٹ کا درجہ رکھتی ہے، علامہ ہی نے طیبہ (عربی) کے ذریعہ دس قرأتوں کو زیور نظم سے بھی آراستہ فرمادیا، ایک ہزار اشعار میں دس قرأتوں کا بیان فرمادیا ایجاز و اختصار کا بے مثال کارنامہ ہے، اب قرأت عشرہ کا مدار اسی طیبہ پر ہوگیا، جیسا کہ سبعہ کا انحصار علامہ شاطبی ؒ کے قصیدہ لامیہ پر ہوگیا۔ ۱۱۷۳ اشعار کا یہ مبارک قصیدہ جس کا ہر شعر لام پر ختم ہوتا ہے، بلند پایہ عربیت کا حامل ہے، اس کے الفاظ نہایت فصیح و بلیغ ہیں، تشبیہات و مجازات کا استعمال بھی کیا ہے جس سے کلام کا حسن دوبالا ہوجاتا ہے، قرأتیں بیان کرکے بہت مواقع میں صرفی و نحوی اعتبار سے اسکی وجہ بھی بتلا دی ہے، جو عربی کے طلباء کے لئے خصوصی طور پر مفید ہے، اس میں قرأت سبعہ کو اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے، اس لئے تھوڑے سے الفاظ سے بہت مطالب نکالنے پڑتے ہیں، اس لئے یہ قصیدہ علمی واقفیت کے ساتھ طلباء کی عقل و فہم اور ذہانت میں بھی نمایاں ترقی کا باعث ہے، اس سے صرفی نحوی استعداد میں بھی

روز افزوں اضافہ ہوتا رہتا ہے، جس پر آجکل کے ذہین اور شوقین طلباء علوم عربیہ مرتے اور جان دیتے ہیں۔ اس قصیدہ کے یاد کرنے اور سمجھ کر پڑھنے کے بعد انشاء اللہ علمی استعداد میں بھی نمایاں ترقی محسوس ہوگی، تجربہ کرکے دیکھ لیا جائے مقامات حریری اور دوسری عربی ادب کی کتابوں کے بعد یا ان کے ساتھ اس قصیدہ کو اگر ادبی حیثیت سے بھی پڑھا پڑھایا جائے تو بھی نہایت مفید ہے اس میں جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، وہ بے معنی نہیں بلکہ ان میں قرأت اور قاری کے متعلق نہایت مؤثر اور مفید مضامین بیان کئے گئے ہیں۔

وجوہ المثانی حضرت حکیم الامت تھانوی ؒ کی محنت کا نتیجہ ہے، حضرت تھانوی ؒ نے اس میں بزبان عربی نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ ساتوں قرأتیں اور ان کی توجیہات درج کردی ہیں اور خاتمہ میں قواعد بھی بیان فرما دیئے ہیں آپ کی تفسیر بیان القرآن کی ہر جلد کے آخر میں متعلقہ حد ملحق اور مطبوع ہے، اور تنشیط الطبع فی اجراء السبع اردو میں حضرت حکیم الامت تھانوی ؒ نے ہر ہر قرأت کے قواعد بتلا کر پاؤ پارہ میں قرأت سبعہ کو بطور جمع پڑھنے کی ترکیب بتلائی ہے اور اس کا اجراء کر دیا ہے

شرح سبعہ ہمارے شیخ و استاذ شیخ القراء حضرت مولانا الحافظ القاری المقری ابو محمد محی الاسلام پانی پتی رحمۃ اللہ کی سبعہ میں تصنیف ہے۔ اس میں فن کی عجیب وغریب معلومات اور قراۃ اور رواۃ اور مصنفین قرأت کے مختصر حالات بھی دلچسپ پیرائے میں درج ہیں اور قرأت کے مسائل بھی پوری تحقیق و جانفشانی کے ساتھ لکھے گئے ہیں، اس کتاب میں تاریخ و علم قرأت دونوں چیزیں جمع کردی گئی ہیں (از عنایات رحمانی)

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان اور ہندوستان میں اس علم اور اسکی کتابوں کے جاننے والے اسقدر کم ہیں کہ ان کا شمار انگلیوں پر ہوسکتا ہے اور قوی اندیشہ ہے کہ کہیں ان حضرات کے دنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد خوانخواستہ یہ مبارک فن بھی ہمارے ملک سے ختم نہ ہوجائے، اس لئے تمام مسلمانوں سے عموماً اور اپنے عزیز طلباء علوم دینیہ سے خصوصاً مکرر گذارش ہے کہ اپنی دیگر علمی مصروفیات

کے ساتھ وقت کا کچھ حصہ اس علم قرأت کی حفاظت اور اس کے بقاء کے لئے بھی ضرور صرف فرمائیں واجرکم علی اللہ الکریم وما توفیقنا الا باللہ العلی العظیم۔

ناظرین کرام کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ علم قرأت اور اختلاف قرأت کو سمجھے بغیر تفسیر قرآن کا علم بھی پوری طرح نہیں آتا، علم تفسیر کے لئے اختلاف قرأت کا جاننا بہت ضروری ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے جن چودہ علوم کی ضرورت علم تفسیر کے لئے بتلائی ہے، ان میں علم قرأت بھی ہے اس لئے کہ ہر قرأت ایک آیت کے حکم میں ہے، اگر دوسری قرأت کا علم نہ ہوگا، تو ممکن ہے کہ دوسری قرأت کے خلاف اس آیت کی تفسیر کردی جائے جیسا کہ علم حدیث و آثار کے علم کے بغیر یہی امکان ہوتا ہے مگر کیا عرض کیا جائے کہ بڑے بڑے دار العلوموں میں کہنہ مشق اور پرانے اساتذہ کو بھی دیکھا گیا ہے کہ اسکی طرف بہت کم دلچسپی ہے، یہاں تک کہ درس میں داخل اور متداول تفسیر جلالین کے پہلے ہی رکوع میں سواء علیہم أأنذرتہم کی تفسیر میں علامہ سیوطی کی بتلائی ہوئی پانچ قراءتیں بتلانے میں بھی دقت محسوس فرماتے ہیں اور بعض اساتذہ کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ عبارت کا لفظی حل سمجھ لیا جائے، مگر تلفظ اور ادائیگی کسی قاری سے سمجھ لی جائے، واقعی ادائیگی تو مشق کے بغیر نہیں آسکتی، یہ طریقہ کار، ظاہر ہے، طلباء کے لئے بھی کسقدر مایوس کن ہوگا، پھر طلباء کو اس دردسری کی کونسی ضرورت ہے کہ وہ اس طرح کی محنت برداشت کریں کہ وہ کسی دوسرے استاد سے کتاب کا کوئی مقام حل کرائیں۔ یہ تو ان طلبہ کا کام ہے، جو واقعی کتاب کو سمجھ کر پڑھنے کے طالب ہیں، عام طور پر اب تو طلباء کا استاذ سے ہی واجبی سا تعلق ہوتا ہے، [1] اتنا غیر اہم ہے کہ استاذ تفسیر بھی اسکو حاصل نہیں کرپائے، تو طلباء سمجھیں گے کہ ہماری کونسی غرض اس کے حصول پر موقوف ہو رہی ہے، کہ ہم اس کے لئے اس قدر تردّد میں پڑیں۔

استاذنا المکرم شیخ العرب والعجم حضرت مولانا وسیدنا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ

---

[1] جب یہ ادائیگی و تلفظ

درس بخاری شریف میں دونوں قرأتوں کُنَّ بُوْا اور کُذِبُوْا کی تقریر نہایت بسط و تفصیل سے فرمایا کرتے تھے، حضرت مدنیؒ علوم و فنون عربیہ کی مہارت و کمال میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، مگر سمجھنے والوں کا حال معلوم ہی ہے اور بخاری شریف کی کتاب التفسیر کے جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ کسقدر مشکل ہے، پھر اس میں اختلاف قرأۃ کا آجانا اور بھی مشکل بنا دینے والا ہوتا ہے۔

اس علم کی ضرورت کے خیال سے ہی علامہ افغانیؒ نے اپنی کتاب علوم القرآن میں دس قاریوں اور ان کے دو دو راویوں کا ذکر فرمایا ہے۔ مناسب تو تھا کہ ان تمام قراء حضرات کی سوانح حیات کا تذکرہ اور ان کے کارناموں کا تعارف کرایا جاتا، مگر مضمون کی تطویل اور عدم فرصتی اور ہجوم امراض کے علاوہ عجلت بھی مانع ہے، اس لئے ان کے تذکرہ کو ترک کر کے افادہ طلباء کے لئے صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ اس علم میں قراءۃ، روایت اور طریق کا ذکر آیا ہے، ان کی حقیقت معلوم کرنے کی ضرورت ہے، چنانچہ مختصر طریقہ پر عرض ہے:-

قرأت، روایت طریق کا فرق اختلاف کی نسبت اگر امام کی طرف ہو، یعنی اس کے دونوں راوی اس پر متفق ہوں، تو قرأۃ ہے اور اگر راوی کی طرف ہو، تو روایت ہے، اور راوی کے شاگرد کی طرف ہو تو طریق ہے، وہ راوی کا شاگرد براہ راست ہو یا اس کے شاگرد کا شاگرد ہو۔

مثال جیسے دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ پڑھنا امام ابن کثیر کی قرأۃ ہے کہ ان کے دونوں راوی بزی اور قنبل اسکی روایت عن ابن کثیر میں متفق ہیں اور قالون کی روایت ہے امام نافع، امام نافع کے دوسرے راوی ورش اس کو نہیں نقل کرتے۔ اس لئے امام نافع کی قرأۃ نہ کہلائی، صرف قالون کی روایت کہلائی، نیز ابو عدی کا طریق ہے ابن سیف سے، جسکو انہوں نے ازرق سے اور ازرق نے ورش سے نقل کیا ہے

فقہاء اور قراء کے اختلاف میں فرق اہل علم کے لئے اس بات کو جان لینا اور ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ فقہاء اور قراء کے اختلاف میں بہت بڑا فرق ہے، قرأۃ کے اختلاف کو فقہاء کے اختلاف کی طرح سمجھنا غلط ہوگا، فقہاء

کا اختلاف اجتہادی ہوتا ہے اور قراءُ کا اختلاف روایتی، اس وجہ سے فقہاء کی اختلافی وجوہ میں سے واقع میں ایک صحیح درست ہوتا ہے اور ہر مذہب دوسرے کی نسبت سے درست ہے، لیکن خطاء کا احتمال رکھتا ہے اور قراءت کی اختلافی وجوہ میں سے واقع میں ہر ایک صحیح حق اور منزل من اللہ اور کلام الٰہی ہے جس پر ہم ایمان رکھتے ہیں" اور ہمارا اعتقاد ہے کہ جس صحابی یا تابعی کی طرف اس وجہ کی نسبت ہوتی ہے، اس نے اسکو اسی طرح پڑھا تھا اور اپنے لئے لازم کر رکھا تھا۔ علامہ شاطبی رح فرماتے ہیں [1]

اماموں اور راویوں کی طرف قراءت و روایت کی نسبت

اور قراءت کے اماموں اور راویوں کی طرف جو قراءت اور روایت کی نسبت ہوتی ہے، اس کے یہی معنی ہیں کہ قاری اور راوی نے معتبر حضرات سے پڑھ کر ان وجوہ کو ماسواء پر اختیار کر لیا تھا اور اپنے لئے ہمیشہ کے واسطے لازم کر رکھا تھا، پس یہ نسبت اختیار و لزوم اور ہمیشگی کی وجہ سے ہے، اس لئے نہیں کہ اس نے ان وجوہ قراءت کو اپنے اجتہاد و رائے سے خود بنا لیا تھا۔

اختلاف قراءت کے چند فوائد

اب ہم اختلاف قراءت کے چند فوائد عنایت رحمانی شرح طیبہ اردو مصنفہ حضرت الاستاذ مولانا قاری فتح محمد پانی پتی مہاجر مدنی رح کے مقدمہ سے مختصر طریقہ پر نقل کرکے اختلاف قراۃ کے اس موضوع کو سرِدست ختم کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت الاستاذ رح فرماتے ہیں:

(۱) اُمّت کے لئے وسعت اور آسانی پیدا کرنے کے علاوہ قراءت کے اختلاف کے اور بھی بہت فائدے ہیں۔

(۲) انتہائی درجہ کی بلاغت اور کامل درجہ کا اعجاز اور مکمل ترین اختصار، اس لئے کہ جب ہر قراءت ایک آیت کے مرتبہ میں ہے تو ایک کلمہ کی متعدد قراءتیں کئی آیتوں کے قائمقام ہونگی۔ اگر ہر قراءت کے بجائے ایک مستقل آیت نازل ہوتی تو ظاہر ہے کہ عبارت بہت ہی طویل ہو جاتی

---

[1] وما لقیاس فی القراءۃ مدخل فدونک ما فیہ الرضا متکفلا۔ قراءت میں قیاس کو کوئی دخل نہیں، اس لئے ان کی حفاظت کا ذمہ دار بن کر اس کو مضبوط پکڑ لے جس میں ناقلین کی پسندیدگی ہے۔ (عنایاتِ رحمانی صـ۱۴۲)

(۳) یہ اختلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن مجید کی صداقت پر عظیم الشان اور واضح ترین دلیل ہے، اس لئے کہ جدا جدا قرأتوں میں طرح طرح کا اختلاف ہوتے ہوئے بھی ضدیت اور اختلاف نہیں ہے بلکہ ہر ایک قرأت سے دوسری کی تصدیق، تشریح وتائید اور تفسیر ہوتی ہے اور ہر عاقل جانتا ہے کہ یہ صفت اللہ تعالیٰ ہی کے کلام میں ہوسکتی ہے، جب قرآن کلام الٰہی ہے تو جس نبی پر نازل ہوا ہے وہ بھی بلاشک صادق ہے۔

(۴) اس انتہائی بلاغت واختصار کے سبب اُمت پر قرآن کا یاد کرنا اور اس کا نقل کرنا آسان ہوگیا۔

(۵) اسی اختلاف کے سبب امت کے علماء کے اجر وثواب میں روزافزوں اضافہ ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ ہر قرأت کے معنی تلاش کرنے اور ہر لفظ کی دلالت سے احکام نکالنے اور پوشیدہ بھیدوں اور اشارات کے ظاہر کرنے میں پوری طرح کوشش کرتے ہیں، اور گہری نظر سے توجہ کرکے اپنے علم وفہم کے اندازے کے مطابق ہر قرأت کی توجیہہ، تعلیل اور اس کی ترجیح کے اسباب اور اس کے مضمون کی تفصیل بیان کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کا دستور ہے کہ وہ محنت ومشقت کے اندازے کے موافق اجر عطا فرمایا کرتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے: فاستجاب لهم ربهم انى لا اضيع عمل عامل منكم الآية (عنایات رحمانی ۳۶)

حفاظت قرآن کریم پر مستشرقین کے جن شبہات کو نقل کرکے ان کے جوابات علامہ افغانیؒ نے دیئے ہیں، اصولی طور پر وہ تین شبہات تھے، ان میں سے (۱) بعض آیات وروایات (۲) اختلاف قرأت سے استدلال اور جواب کی تشریح وتفصیل ناظرین کرام کی نظر سے گذر چکی، خلاصہ اس تفصیل وتشریح کا صرف دو امر ہیں:۔

ایک یہ کہ جن آیات سے مستشرقین استدلال کرتے ہیں، ان کے وہ معنی ہی نہیں کہ ان سے مستشرقین کا مدعا ثابت ہوتا ہو اور پیش کردہ روایات بھی ضعیف اور ناقابل استدلال ہیں، خصوصاً جبکہ وہ تواتر کے مقابلہ میں ہوں، تو پھر تو کسی طرح بھی ان کا پیش کرنا درست نہیں اور ظاہر ہے کہ قرآن کریم کا ثبوت تواتر کے بغیر نہیں ہوسکتا، اس لئے قرآن کریم میں تحریف کا ثبوت ان آیات وروایات سے کسی طرح نہیں ہوسکتا۔

دوسرے، مستشرقین نے اختلاف قرأت سے تحریف قرآن پر استدلال کیا ہے، اس کا جواب بھی بحمداللہ تفصیل سے ہوچکا کہ یہ قرأت بھی قرآن ہیں اور سب متواتر اور

منزل من اللہ ہیں جسطرح کہ ایک قرأت کا تواتر سے ثبوت اور اسکی حفاظت ہوسکتی ہے، اسی طرح متعدد قرأتوں کا بھی تواتر سے ثبوت اور ان کی حفاظت بھی ہوسکتی ہے، تعدد قرآت سے تحریف پر استدلال کرنا اختلاف قرأت اور تحریف کی حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے ہوا ہے، ورنہ حقیقت کو جانتے ہوئے دونوں کو ایک سمجھنا کسی عاقل کا کام نہیں ہوسکتا۔

احرف سبعہ سے مراد سات لغات ہیں

علامہ افغانی رح نے تحریر فرمایا ہے کہ " حدیث انزل القرآن علی سبعہ احرف اکیس صحابہ رض سے مروی ہے۔ ابو عبید نے اس کے متواتر ہونے کی تصریح کی ہے (اتقان ج ا صـ۴۵ـ) صحیحین میں ابن عباس رض کی روایت کے الفاظ میں ہے کہ حضور ص نے فرمایا کہ جبرئیل نے مجھے ایک حرف پڑھوایا، میں زیادت طلب کرتا رہا، وہ پڑھاتا رہا یہاں تک کہ سات حروف تک نوبت پہنچی۔ اس حدیث کی شرح میں امام سیوطی رح نے اتقان صـ۴۵ـ میں چالیس اقوال اور علامہ آلوسی رح نے روح المعانی میں سات راجح اقوال نقل کئے ہیں، راجح یہ ہے کہ سات حروف سے مراد سات لغات قبائل عرب ہیں جو عرب کے فصیح ترسات قبائل کے تھے، جو یہ ہیں (۱) قریش (۲) ہذیل (۳) تمیم (۴) ازد (۵) ربیعہ (۶) ہوازن (۷) سعد بن ابی بکر، یہ قول مختار ہے ابو عبید و ثعلب وزہری و دیگر علماء کا ابن عطیہ نے بھی اس کو مختار کہا ہے اور بیہقی نے شعب الایمان میں اس کو صحیح قرار دیا ہے (اتقان ج ا صـ۴۷ـ، روح المعانی صـ۲۱ـ)۔ اس قول پر امام سیوطی رح نے جو اعتراض حضرت عمر رض و ہشام رض کے واقعہ سے کیا ہے، اس کی توجیہہ ہم علامہ افغانی رح کی طرف سے پہلے کر آئے ہیں۔

حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رح فرماتے ہیں، محققین امت کا قول یہ ہے کہ قرآن اولاً، قریش کے لغت میں نازل ہوا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کی زبان تھی چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه ليبين لهم (کہ ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا، مگر اس کی قوم کی زبان میں، تاکہ ان کو سمجھا سکے) اور حضور ص کی قوم قریش تھی، پس ضرور ہے کہ قرآن قریش کی زبان میں نازل ہو اور حدیث میں بھی حضرت عمر رض و حضرت عثمان رض کا قول موجود ہے کہ قرآن لغت قریش میں نازل ہوا ہے، اخرج البخاری عن عثمان انه قال للرهط القرشيين الثلاثة اذا اختلفتم وانتم وزيد بن ثابت فی شئ من القرآن فاكتبوه بلسان قريش فانما نزل بلسانهم ففعلوا الخ (بخاری صـ۷۴۶ـ، ج ۲)

واخرج ابوداؤد بن طريق كعب الانصاری ان عمر كتب الی ابن مسعود ان القرآن نزل بلسان القريش فاقری الناس بلغة قريش، لا بلغة هزيل وعن عمرا يضا انه قال اذا اختلفتم فی اللغة فاكتبوها بلسان مضرهم اخرجه الحافظ فی الفتح۔

قرآن کریم کی آیت مذکورہ اور ان احادیث کریمہ سے معلوم ہوا کہ اولاً قرآن کا نزول لغت قریش میں ہوا، اور ہجرت سے پہلے چونکہ اسلام لانے والے زیادہ تر اہل مکہ تھے، جو سب قریش تھے یا قریش کی زبان میں تکلم کرنے والے تھے، اس لئے عرب کے دوسرے لغات میں پڑھنے کی مسلمانوں کو ضرورت نہ تھی، پھر ہجرت کے بعد چونکہ دوسرے قبائل عرب بھی اسلام میں داخل ہونے لگے اور گو تمام قبائل عرب کی مشترک زبان عربی ہی تھی، مگر تلفظ واعراب وغیرہ میں بہت کچھ اختلاف تھا اور مادری زبان کا دفعۃً بدل جانا دشوار ہے، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی درخواست کی کہ چونکہ اہل عرب زیادہ تر امّی ہیں اور ان کے تلفظ واعراب مختلف ہیں تو دفعۃً سب کو لغت قریش کا مکلف کرنے میں اندیشہ ہے کہ ان سے اس میں کوتاہی ہوگی، اس لئے اس میں توسیع فرمائی جائے، چنانچہ درخواست منظور ہوئی اور سات طریقوں سے قرآن پڑھنے کی اجازت دیگئی۔ ان سات طریقوں سے مراد قبائل عرب کے سات لغات ہیں، جن کے نام بھی روایات میں مذکور ہوئے ہیں۔

قال الحافظ وذهب ابو عبيدة وآخرون الی ان المراد بالاحرف السبعة اختلاف اللغات وهو اختيار ابن عطية الخ۔ ونقل ابوشامة عن بعض الشيوخ انه قال انزل القرآن اولاً بلسان قريش ومن جاورهم من العرب الفصحا ثم ابيح للعرب ان يقرؤه بلغاتهم اللتی جرت عادتهم باستعمالها علی اختلافهم فی الالفاظ والاعراب ولم يكلف احد منهم الانتقال من لغته الی لغة اخری للمشقة ولما كان فيهم من الحمية ولطلب تسهيل تفهيم المراد اھ قال الحافظ وتتمة ذالک ان يقال ان الاباحة المذكورة لم تقع بالتشهی ای ان كل احد يغير الكلمة بمرادفها فی لغته بل المراعی فی ذالک السماع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم اھ (فتح الباری ج ۲ ص۲۹ء، ص۴۳۰ء)

یعنی اس کی اجازت دیدی گئی کہ جو شخص لغت قریش میں قرآن کا تلفظ نہ کرسکے، وہ ان

قبائل میں سے کسی قبیلہ کے تلفّظ میں قرآن کے الفاظ کو ادا کر لیا کرے۔

اور غالباً سات لغات میں انحصار اس لئے کیا گیا کہ ان کے سوا دوسرے قبائل کا تلفظ فصیح نہ تھا، یا یہ کہ ان قبائل کے تلفّظ دوسرے قبائل کے تابع تھے، اس لئے زیادہ توسیع کی ضرورت نہ تھی۔

اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ لغت قریش کے علاوہ جو چھ لغات تھے، ان میں حقیقۃً قرآن کا نزول نہیں ہوا، بلکہ حقیقی نزول لغت قریش میں تھا، مگر چونکہ سہولت کے لئے دوسرے چھ قبائل کے تلفظ میں بھی قرآن پڑھنے کی اجازت دیدی گئی تھی، اس لئے حکماً وہ بھی منزل من اللہ ہو گئے۔

اس لئے انزل القرآن علی سبعة احرف اور هكذا انزلت میں کلام توسع اور تجوز پر محمول ہوگا اور معنی یہ ہوں گے کہ یہ سب حکم میں منزل کے ہیں نیز یہ بھی روایات سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان سات لغات میں پڑھنا ہر شخص کی رائے پر نہیں تھا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے سن کر پڑھنے کی اجازت تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دوسرے لغات پڑھ کر بتلایا تھا، کہ لغتِ قریش کے سوا ان لغات میں اسطرح بھی پڑھنا جائز ہے، جیسا کہ اوپر فتح الباری کی عبارت میں بل المراعی فی ذلك السماع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے واضح ہو رہا ہے۔ اور علامہ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں " ويشير الى ذلك قول كل من عمر وهشام فی حدیث الباب اقرانی النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ص۲۳، جزء ۲)

حضرات صحابہ کرام رضؓ کو معلوم تھا کہ قرآن کریم کا نزول اولاً لغت قریش ہی میں ہوا ہے (جیسا کہ علامہ ابو شامہ سے اوپر منقول ہوا) اور ہجرت سے پہلے زمانہ قیام مکہ میں تیرہ سال تک ایک ہی قرأت اور ایک ہی لغت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم* نے بھی ایک ہی لغت میں مسلمانوں کو قرآن سکھلایا، پھر مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد اس میں توسیع کی درخواست کی، جو منظور ہوئی، ان سب امور سے صحابہؓ جانتے تھے

* کو قرآن پڑھایا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

کہ قرآن کی اصلی لغت قریش کی لغت ہے اور دوسرے لغات کی اجازت عارضی بغرض تیسیر ہے اور جو حکم عارضی کسی خاص غرض کے لئے ہوتا ہے، وہ حصول غرض تک محدود ہوتا ہے پس جب غرض حاصل ہو گئی اور اہل عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج ہو گیا، ادھر دوسرے قبائل کا اختلاط بھی قریش سے زیادہ ہو گیا اور ان سب کو لغت قریش میں قرآن کا پڑھنا آسان ہو گیا، تو صحابہ نے اجماع کے ساتھ اس پر اتفاق کر لیا کہ اب قرآن کو صرف لغت قریش پر جمع کرنا چاہیئے۔

چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تمام اجلہ صحابہ کے اتفاق سے صرف ایک ہی لغت قریش پر قرآن کریم جمع کیا گیا کہ یہی قرآن کی اصلی زبان تھی اور بقیہ زبان میں قرآن کریم کا پڑھنا بند کر دیا گیا کہ وہ عارضی زبان تھی جو خاص غرض کے لئے جائز کی گئی تھی اور اب وہ غرض حاصل ہو گئی۔

احرف سبعہ سے قرأتِ سبعہ مراد نہیں

اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ احرف سبعہ سے مراد قرأت سبعہ نہیں ہیں، جو اس وقت تک قراءُ میں رائج اور شاطبیہ وغیرہ میں مدون ہیں، کیونکہ یہ قرأت سبعہ سب کی سب لغت قریش کے موافق ہیں، دوسرے لغات عرب ان میں موجود نہیں ہیں (الا نادراً)

اب اس شبہ کا بھی ازالہ ہو گیا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے برابر مخلوق کا کلام نہیں ہو سکتا، پھر کلام الٰہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں دخل دیا، اس لئے کہ یہ دخل خدا تعالیٰ کی اجازت سے تھا، جیسا کہ اوپر گزرا، اور اس دخل کا حاصل یہ نہیں تھا، کہ کلام الٰہی میں زیادت یا کمی کی گئی، بلکہ کلام الٰہی کے الفاظ میں دوسرے قبائل کو اجازت دی گئی کہ وہ ان کو اپنے تلفظ کے موافق ادا کر لیں جیسا کہ ہندوستانی مسلمانوں کو اجازت ہے کہ جب تک ان کا تلفظ صحیح ہو، اس وقت تک الحمد کو الھمد اور انعمت کو انامت پڑھ لیں اور ظاہر ہے کہ ہندوستانی مسلمان اپنے اس غلط تلفظ میں بھی کلام الٰہی کو ہی پڑھتے ہیں، کوئی دوسری کتاب نہیں پڑھتے، بوجہ معذوری کے ان کو اس طرح تلفظ کی اجازت دیگئی ہے، یہی حال اس تلفظ کا تھا، جسکی اجازت حضورؐ کی دعاء سے ہوئی تھی کہ سات لغات میں قرآن پڑھ لو۔

سات لغات میں قرآن مجید پڑھنے سے قرآن کے محفوظ ہونے میں کچھ فرق نہیں

آتا، اگر اہل عرب الحمد کو حا سے اور ہندوستانی الحمد کو ھا سے پڑھے تو اس سے قرآن کی حفاظت میں کیا فرق آ گیا البتہ یہ کہا جائیگا کہ ہندوستانی صحیح تلفظ پر قادر نہیں ہیں، اس لئے دو شخصوں کی قرأت میں فرق ہو گیا، ورنہ لفظ ایک ہی ہے، اسی کی نظیر ان سات لغات کے تلفّظ کو سمجھنا چاہیئے، جنکی حضور ؐ نے اجازت حاصل کی تھی، محض اس لئے کہ قبائل عرب قرآن کے اصل تلفّظ کو صحیح طور پر ادا کرنے پر پوری طرح دفعتہً قادر نہ تھے، (امداد الاحکام)۔ امید ہے کہ ان تفصیلات کی روشنی میں حضرت علاّمہ افغانی ؒ کے اس ارشاد کو سمجھنے میں آسانی ہو گئی ہو گی، جو انہوں نے سبعہ احرف کے بارہ میں فرمایا ہے۔

علاّمہ افغانی فرماتے ہیں "قرآن میں تصریح ہے کہ بلسان عربی مبین یعنی قرآن عربی زبان میں اترا ہے، بعض مخصوص الفاظ میں قبائل عرب میں اختلاف تھا، جیسا کہ دہلی اور لکھنؤ کی زبان اردو میں یا پشاور اور قندہار کی پشتو میں، وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه (القرآن)۔ ہم نے ہر رسول اس کی قوم کی زبان میں مبعوث فرمایا" اور ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم قریش تھی اور عام قوم عرب تھی، دوسری طرف عرب کا مزاج قبائلی خصوصیات کا تحفّظ تھا، لہٰذا حکمت الٰہی کا تقاضا یہ ہوا کہ قرآن کے محدود الفاظ میں جہاں عرب قبائل کی لغات میں فرق تھا، ہر قبیلہ کو اپنی لغت کے مطابق تلفّظ کی اجازت دی جائے تاکہ ایک طرف عرب کی زبان کی تمام شاخیں کلام الٰہی کی برکت سے بہرہ یاب ہوں اور عرب قبائل کی زبانیں مجموعی شکل میں بلسان عربی کے تحت نزول کلام الٰہی کی برکت سے فیضیاب ہوں (۱۲۹) لیکن جمع عثمانی کے وقت صرف لغت قریش پر اکتفا کیا گیا تھا۔

علامہ افغانی ؒ اور جمع عثمانی

جمع عثمانی کے وقت جب دائرہ اسلام وسیع ہو گیا اور قبائلی خصوصیات ختم ہو کر وحدت عرب بلکہ وحدت اسلامی کے رنگ میں تمام قبائل پوری طرح رنگے گئے، تو سبعہ لغات یا قبائلی خصوصیات کی ضرورت باقی نہیں رہی، لہٰذا صرف لغت قریش پر مصحف عثمانی میں اکتفا کیا گیا۔

یہ اجماع صحابہ ؓ لغت قریش پر بامر نبوی تھا یا انتہائے حکم بانتہائے علت کی شکل تھی (۱۳۰) یعنی علت وضرورت باقی نہ رہنے کی وجہ سے دوسرے لغات میں پڑھنے کی جو عارضی طور پر اجازت دی گئی، وہ باقی نہیں رہی اور قرآن کی اصلی زبان

لغت قریش میں ہی پڑھنا ضروری ہوگیا، یہی فرق ہے جمع صدیقیؓ اور جمع عثمانیؓ میں کہ حضرت صدیقؓ کا مقصد ان تمام لغات کے ساتھ جمع کرنا تھا، جن کے پڑھنے کی اجازت دیدی گئی تھی اور حضرت عثمانؓ نے صرف لغتِ قریش جو قرآن کی اصلی زبان تھی، اس پر جمع کرنے کا حکم دیا، جیسا کہ بخاری کے حوالہ سے اوپر گذر چکا۔ علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں "ہ وانما فعل عثمان هذا ولم لغیله الصدیق لان غرض ابی بکرؓ کان جمع القرآن بجمیع حروفه ووجوهه التی نزل بها، وهی لغة قریش وغیرها وکان غرض عثمان تحریر لغة قریش من تلك القرآن، وقد جاء مصوحا فی قول عثمان لهولاء الکتاب فجمع ابی بکر غیر جمع عثمان (از منازل العرفان ص۱۲۱، از مولانا محمد مالک مرحوم)۔ قال الطحاوی، انما کان السعة للناس فی الحروف لعجزهم عن اخذ القرآن علی غیر لغاتهم لانهم کانوا امیین لا یکتب الا تعلیل منهم، فلما کان یشق علی کل ذی لغت ان یتحول الی غیرها من اللغات، ولو لامر ذلك لم یتصا له الا بمشقة عظیمة، فوسع لهم فی اختلاف الالفاظ اذ کان المعنی مستفقاء فکانوا کذلك حتی کثر منهم من یکتب وعادت لغاتهم الی لسان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم، فقدروا بذلك علی تحفظ الفاظة فلم یسعهم حینئذ ان یقرؤا بخلافها، قال ابن عبد البر، فبان بهذا ان تلك السبعة الاحرف انما کان فی وقت خاص لضرورة دعت الی ذلك، ثم ارتفعت تلك الضرورة فارتفع حکم هذه السبعة الاحرف، ومما وما یقرأ به القرآن علی حرف واحد (تفسیر القرطبی ص۲۱، ۴۳)

امام طحاویؒ فرماتے ہیں "ان مختلف لغات پر پڑھنے کی اجازت اس وجہ سے دی گئی تھی کہ ان کو اپنے لغات کے علاوہ دوسرے لغات پر تلفظ ممکن نہیں تھا، یہ وسعت اسی حد تک تھی کہ معنی متحد رہیں (اور یہ بھی ضروری تھا کہ وہ دوسرا تلفظ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسموع ہو) یہ رخصت کا سلسلہ یہاں تک رہا کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے لغات پر قادر ہوگیا، تو دوسرے لغات کی کبھی ضرورت نہیں رہی اور اس کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ وہ دوسرے لغات پر تلاوت کرے" امام ابن عبدالبر نے فرمایا "یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ سات حرفوں کی اجازت ایک مخصوص وقت اور خاص ضرورت کے باعث تھی، جب وہ ضرورت ختم

ہو گئی تو اس کا حکم بھی مرتفع ہو گیا۔

سبعہ احرف سے مستشرقین کے استدلال کا جواب علامہؒ لکھتے ہیں کہ مستشرقین نے تحریف قرآن ثابت کرنے کے لئے سبعہ احرف یا سات لغات سے قرآن پڑھنے کی اجازت کو بطور دلیل پیش کیا ہے جو صحیح نہیں، تحریف کا معنیٰ یہ ہے کہ متکلم کے کلام میں دوسرا شخص کچھ بڑھائے یا گھٹائے اور یہ تحریف نہیں کہ اپنے کلام میں متکلم کسی مصلحت کے تحت کوئی تبدیلی کر دے لہٰذا دورِ اوّل میں قرآن حکیم کے محدود اور چند الفاظ میں ہر قبیلہ کو اپنے قبیلہ کی خاص لغت کے پڑھنے کی اجازت دینا اور بعد ازاں اس اجازت کو موقوف کر دینا یہ تحریف نہیں بلکہ الٰہی تصرّف ہے جو قرآن کا متکلم ہے اور متکلّم کو بالاتفاق یہ حق حاصل ہے (۱۳۰) اور حقیقت تو یہ ہے کہ سات لغات میں پڑھنے کی اجازت سے تو متکلّم کی طرف سے بھی کلام میں تبدیلی نہیں آئی تھی، کیونکہ اصل کلام جو قریش کے لغت میں منزل تھا، وہ منزل کلام اسیطرح محفوظ اور پڑھا جاتا رہا۔ اس میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوئی، البتہ اس کے ساتھ دوسرے چھ لغات میں بھی پڑھنے کی اجازت دیدی گئی، اس اجازت سے کسیطرح بھی اصل کلام میں تبدیلی لازم نہیں آئی، مستشرقین نے یہ اعتراض ہی حقیقت کے نہ سمجھنے یا اسلام سے عناد رکھنے کی وجہ سے کیا ہے۔

قرأت سبعہ قرأت متواترہ سے حفاظت قرآن پر اعتراض کرنا ہی حقیقت سے بے خبری کی وجہ سے ہی ہے، علامہؒ فرماتے ہیں "سات حرفوں والی حدیث کی دوسری تشریح سات قرأت متواترہ سے کی گئی ہے، اس تشریح پر بھی تحریف قرآن کا سوال پیدا نہیں ہوتا، جیسا کہ ہم قرأت کی بحث میں لکھ چکے ہیں کہ یہ سب قرأت متواترہ قرآن ہیں، لہٰذا ان قرأت متواترہ سے نہ قرآن میں کمی آتی ہے نہ بیشی (۱۳۰)۔ اس کے بعد علامہ افغانیؒ نے اس تشریح پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات بھی ارقام فرمائے ہیں، جو علمی افادات اور ابحاث کے قبیل سے ہیں اور طلباءِ علوم کے لئے بہت ہی مفید ہیں، ورنہ یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ علامہؒ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ سات حروف سے سات لغات قبائل عرب مراد ہیں۔

منسوخ التلاوة نسخ کی حقیقت پہلے گذر چکی کہ وہ صاحب فرمان کا اپنا تصرف ہوتا ہے اور تحریف دوسرے کا تصرّف ہوتا ہے، اس لئے کسی آیت کا جزو قرآن ہونا اور پھر اس کو منسوخ کر کے تلاوت سے خارج کر دینا، اسکو تحریف نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ یہ خود قرآن

کے متکلم اور نازل کرنے والے صاحب فرمان کا تصرف تھا۔ کسی دوسرے کا تصرف نہیں تھا، علامہ افغانیؒ ارشاد فرماتے ہیں:۔

" اسیطرح منسوخ التلاوۃ یعنی آیت رجم کو بھی سمجھو کہ اس آیت کا جزو قرآن ہونا اور بعد ازاں قرآن سے اس کو خارج کر دینا خود منزل قرآن کا تصرف تھا نہ کسی اور کا، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلوایا۔

قل مایکون لی ان ابدلہ من تلقاء نفسی ان اتبع الا ما یوحی الی (یونس ۱۵) آپ کہہ دیں میرا کام نہیں کہ اس کو بدل ڈالوں اپنی طرف سے میں تو صرف اس کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جائے۔

اس کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ منسوخ التلاوۃ کے الفاظ قرآن حکیم کے الفاظ کے ساتھ اعجاز میں ہمسر نہیں بلکہ کم ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع سے ارادۂ الٰہی ان کے باقی رکھنے کا نہ تھا۔ (۱۴۰)

غرضیکہ قرآن حکیم کی حفاظت پر مستشرقین نے جسقدر اعتراضات اور اشکالات کئے علامہ افغانیؒ نے بحمداللہ ان سب کے محققانہ جوابات تحریر فرما کر حفاظتِ قرآن کے مسئلہ کو واضح سے واضح تر کر دیا۔ مختصر طریقہ اسباب پر حفاظت کا خلاصہ علامہؒ ہی کے الفاظ میں ذیل میں پیش ہے۔

اسباب حفاظتِ قرآنی

علامہ افغانیؒ فرماتے ہیں " احقر کا خیال ہے کہ آخری کتاب ہونیکی وجہ سے اس کتاب کی حفاظت کا مکمل انتظام مقصود تھا، ایک بار انتظام عمومی کی صورت میں قرآن کو لوح محفوظ میں محفوظ کیا گیا، جو حکومتِ الٰہیہ کا مرکزی محافظ خانہ ہے۔ دوسری مرتبہ بیت العزۃ میں سماوی حفاظت کا انتظام کیا گیا، تیسری مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر نازل فرما کر آپ کے قلب مبارک میں ارضی حفاظت قرآن کا انتظام کیا گیا، پھر امت محمدیہ کے قلوب کو قرآن کی طرف مائل کر کے چہارم مرتبہ " انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون " کے وعدہ کے مطابق امت کے سینوں میں حفاظت کا انتظام ہوا، بعدہ ابوبکر صدیقؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کو آمادہ کر کے تحریری صورت میں پانچویں بار حفاظتی انتظام عمل میں لایا گیا (۱۰۲)

حاکم نے سعید بن جبیر کی سند سے عبداللہ ابن عباس رضؓ کی حدیث روایت کی۔ فرمایا
. نصل القرآن من الذکر فوقع فی بیت العزّۃ من السماء الدنیا فجعل جبریل
علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، یعنی قرآن کریم لوح محفوظ سے جدا ہو کر آسمانِ دنیا
یعنی بیت العزۃ میں محفوظ کر دیا گیا، وہاں سے جبرئیل علیہ السلام اس کو لیکر نبی صلی اللہ علیہ
وسلّم پر اترتے رہے (مناہل العرفان)۔ حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ،
نے ازالۃ الخفاء میں خلفائے راشدین کی خلافت راشدہ کے وجوہ و دلائل کے ذیل میں فرمایا:
" قرآن کریم کی جمع وترتیب اور حفاظت کا حق تعالیٰ نے ذمہ خود لیا تھا اور وعدہ
فرمایا تھا کہ ان علینا جمعہ و قرآنہ اور انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون
کہ ہم نے اس قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، لیکن اس وعدہ
الہیٰہ کا ظہور اور حفاظت الہیہ کا طریق اسطرح منظور نہ تھا کہ جسطرح انسان (مادی حفاظتوں
کے اسباب و وسائل سے) اپنے سامان اور متاع کی حفاظت کرتا ہے اور نہ یہ وعدہ اسطرح
ظہور پذیر ہوا کہ قرآن کسی پتھر پر کندہ ہو جاتا، جو مٹانے سے نہ مٹ سکے، بلکہ مشاہدہ سے
معلوم ہوا کہ حفاظت خداوندی کا ظہور اسطرح ہوا کہ چند بندگان صالحین کے قلوب میں
ڈالا گیا کہ وہ اس کی جمع و تدوین کی خدمات انجام دیں اور تمام دنیا کے مسلمان ایک نسخۂ
قرآنی پر متفق ہو جائیں اور جماعت عظیم اس کی تلاوت و تعلیم میں مشغول رہیں، تاکہ سلسلہ
تواتر نہ ٹوٹ جائے اور تکمیل اس کی اسطرح ظہور میں آئی کہ عہد عثمانی میں بمشورہ و اجماع
صحابہ تمام مصاحف میں سے ایک مصحف پر اتفاق کیا گیا جس میں قرأت شاذہ نہیں لی گئی بلکہ
قرأت متواتر لی گئی اور قبائل عرب کے سات ابا لیو (یعنی سبع لغات) میں سے جن پر قرآن نازل
ہوا (اور اس کے پڑھنے کی اجازت دیگئی تھی، ان لوگوں کو جو لغت قریش سے عاجز ہوں) ایک
لغت قریش کا لے لیا اور باقی لغات کے مصاحف متروک کر دیئے گئے (ازالۃ الخفاء ج ۱)
الغرض کلام اللہ لوح محفوظ سے پوری حفاظت کے ساتھ اللہ نے اپنے پیغمبر محمّد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر اتارا، اور اُمّت محمّدیہ کے سینوں میں اس کو محفوظ کر کے اپنے اس
وعدہ کو پورا کر دکھایا۔ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون، اس میں آج تک نہ کسی
حرف اور زیر و زبر کا رد و بدل ہوا اور نہ ہی قیامت تک کوئی کر سکیگا (مناہل)۔ نقل مصاحف
کے بعد حضرت عثمان رضؓ نے قرآن کریم کے نسخے بلادِ مفتوحہ کے مختلف اور اہم علاقوں میں بھیجدیئے،

مشہور ہے کہ پانچ نسخے نقل کرائے گئے تھے۔ ابن ابی الدنیا، ابو حاتم سجستانی سے روایت کرتے ہیں کہ سات نسخے نقل کرائے گئے اور ان بلاد میں ان کو بھجوایا گیا، مکہ مکرمہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ، کوفہ اور ساتواں نسخہ مدینہ منورہ میں محفوظ رکھا (فتح الباری ص۱۸) حضرت عثمانؓ نے ہر جگہ قرآن کی تعلیم دینے کے لئے معلمین بھی مقرر فرمائے، مدینہ منورہ میں زید بن ثابت کو مکہ مکرمہ میں عبداللہ بن سائب کو شام میں مغیرہ بن شعبہ کو، کوفہ میں عبدالرحمٰن سلمی کو، بصرہ میں عامر بن عبدالقیس کو مقرر فرمایا۔ پھر یہی طریقہ تعلیم و تعلم تابعین وغیرہ میں قائم رہا۔

مصحف عثمانی

علامہ لکھتے ہیں کہ مصاحف عثمانیہ کا جو نسخہ مدینہ میں رکھا گیا، وہ تا حین حیات حضرت عثمانؓ کے پاس رہا، آپ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کے پاس رہا، پھر خلافت کے ساتھ حضرت امیر معاویہؓ کے سپرد ہوا، وہاں سے اندلس پہونچا، وہاں سے مراکش کے دارالسلطنت فاس میں پہنچا (تاریخ ادریسی تذکرۃ المصاحف) پھر کسی طرح مدینہ منورہ پہنچا، جنگ عظیم اوّل میں فخری پاشا گورنر مدینہ اس کو دیگر تبرکات کے ساتھ قسطنطنیہ لے گیا، وہاں اب تک موجود ہے (۱۱۸)۔

ایک تلخ حقیقت کا اظہار

علامہ افغانیؒ نے مستشرقین کا تیسرا استدلال شیعہ روایات سے کرنا فرمایا ہے۔ ہمیں بہت افسوس کے ساتھ اس تلخ حقیقت کا اظہار کرنا پڑ رہا ہے کہ اسلام کا دعویٰ کرنے والے بعض لوگوں نے بھی یہی روش اختیار کی ہوئی ہے کہ کچی پکی روایات اور ضعیف و کمزور حکایات سے وہ قرآن کریم کی محفوظیت کو مشکوک کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ ہر عقلمند آدمی جانتا ہے کہ قرآن کریم کے تواتر کے مقابلہ میں ایسی بے سروپا روایات و حکایات ہرگز قابل استناد نہیں ہوتیں، اور قرآن کریم کی محفوظیت میں ایسی روایات سے کچھ فرق نہیں آتا، مگر پھر بھی یہ لوگ اسی کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ کسی طرح قرآن کریم کی محفوظیت میں رخنہ پڑے اور ہمیں صحابہ کرامؓ پر اعتراض کا موقع ملے، ان لوگوں کو صحابہ کرامؓ پر اعتراض کرنے کا شوق اس قدر دامنگیر اور سر پر سوار ہے کہ قرآن کریم جیسی دولت لٹا کر بھی اگر ہاتھ آجائے تو وہ صرف اس کے لئے آمادہ ہی نہیں ہیں، بلکہ اس کے لئے کوشاں اور سرگرداں بھی ہیں، رات دن اسی ادھیڑ بن میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح قرآن کریم جیسی لازوال ابدی نعمت سے ہاتھ دھو کر صحابہ کرامؓ کی عظمت پر ہاتھ ڈال سکیں، ایسے لوگوں کی یہ کوششیں اغیار

ہی بھی پہنچیں اور انہوں نے بھی ان سے فائدہ اٹھا کر حفاظت قرآن کے خلاف بطور حربہ ان کو استعمال کیا، جو اسلام کا نام لینے والوں کے لئے باعث صد شرم و عار ہے، مگر خدا تعالیٰ اپنے دین اور اپنے کلام کا خود محافظ ہے کہ اغیار کو ایسے لوگوں کی رخنہ اندازی سے کچھ فائدہ پہنچنے نہیں دیا اور خود اسی جماعت میں سے بعض لوگوں نے قرآن کی حفاظت کا اقرار شروع کر دیا، یہاں تک کہ اسی جماعت کے اعتقادی رسائل میں شیخ صدوق ابوجعفر محمد بن علی بابویہ، اور سید مرتضیٰ بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ

(۱) جو کچھ قرآن ان دو جلدوں میں ہے، قرآن اس سے زائد نہیں اور جس نے ہماری طرف یہ منسوب کیا کہ وہ زیادہ ہے، وہ جھوٹا ہے۔

(۲) موجودہ قرآن کی صحت کا علم ایسا یقینی ہے، جیسے مشہور شہروں کی موجودگی کا علم اور بڑے بڑے واقعات تاریخیہ کا علم۔

(۳) اور تو اور فروع کافی جیسی مقبول ترین کتاب میں حضرت علیؓ سے یہ روایت نقل کر ڈالی کہ "قرآن معزز کتاب ہے، جسکو اللہ نے فضیلت اور بزرگی بخشی ہے اور اس کو باطل کی آمیزش سے محفوظ کیا" اب معلوم نہیں کہ حضرت علیؓ نے قرآن سے کونسا قرآن مراد لیا ہے؟ مگر شیخ صدوق نے اپنے رسالہ میں تصریح کر دی کہ "نازل شدہ قرآن اور جو قران لوگوں کے ہاتھ میں ہے، ایک ہے، جس میں کمی بیشی نہیں، بلکہ قاضی نور اللہ شوستری مصائب النوائب میں ملا صادق کی شرح کلینی کا حوالہ دیتے ہیں کہ

"قرآن کو اسی ترتیب سے بارھواں امام ظاہر فرمادیں گے"

اب غور کرنا چاہیئے کہ اس وقت مستشرقین اور منکرینِ قرآن کا کیا حال ہوگا؟ اگر بارہویں امام غائب قرآن کریم کو "اسی ترتیب سے ظاہر فرمادیں گے" تو کیا اس وقت منکرین کے لئے کوئی جگہ منہ چھپانے کی ہوگی؟ کیا اس وقت غیرت مند آدمی کے لئے کوئی ٹھکانا ہوگا؟

اور یہ تو مستقبل کی بات ہے جب بارہویں امام کا ظہور ہوگا، لیکن جن لوگوں کا اس بات پر یقین ہو، ان کو تو اس کا مراقبہ کرکے موجودہ قرآن پر اپنا یقین پختہ کر لینا چاہیئے، شیخ صدوق تو ایسے لوگوں کو بھی نقد ہاتھ در ہاتھ کاذب کہہ رہے ہیں، جو ان کی طرف قرآن میں زیادتی کو منسوب کرے اور سید مرتضیٰ، موجودہ قرآن کی صحت کو مشہور

شہروں کی موجودگی اور واقعاتِ تاریخیہ کی طرح یقینی تسلیم کرتے ہیں۔

ایک ثابت شدہ بدیہی حقیقت اور یقینی صداقت کو تسلیم نہ کر کے کسی کو خواہ مخواہ کاذب اور لعنۃ اللہ علی الکاذبین کا مصداق بننے کا شوق ہی ہو تو یہ اس کی اپنی پسند ہے ورنہ کوئی حقیقت پسند اور صداقت شعار انسان مسلمہ صداقت کا انکار کر کے اپنے لئے لعنت کا طوق پسند نہیں کر سکتا۔

علامہ افغانی رح نے علوم القرآن ص ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶ میں شیعہ کتب سے مذکورہ حوالجات اس پس منظر میں پیش فرمائے ہیں کہ مستشرقین کا اس جماعت سے من حیث الجماعت بحیثیت لا یشذ عنہ فرد، تحریف قرآن پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، غالباً ان حوالجات سے مستشرقین کو یہ دکھلانا مقصود ہے کہ تحریف قرآن پر جس جماعت کی پشت پناہی تم کو حاصل ہے اور جو جماعت تمہارے اس اعتراض کا ماخذ اور مستدل ہے، ان کے بھی اچھے خاصے بعض عائدین تمہیں کاذب اور ملعون قرار دے رہے ہیں۔ اب تم اگر ان کی بات پر یقین کرتے ہو تو اس کا انجام دیکھ لو، وہ تمہیں کس زمرہ میں داخل کر رہے ہیں۔

علامہ افغانی رح کی پوری عبارت یہ ہے کہ "مستشرقین جب ہر طرح قرآن کی تحریف ثابت کرنے سے عاجز آ گئے، تو بڑے زور سے لکھدیا کہ مسلمانوں کا بڑا فرقہ تحریف کا قائل ہے اور وہ شیعہ ہے اور اس انداز سے لکھدیا کہ گویا تحریف قرآن شیعوں کا مسلم عقیدہ ہے، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے" شیعوں کا مذہب بالکل وہی ہے، جو سُنیوں کا ہے کہ قرآن مکمل طور پر محفوظ ہے اور اس میں ایک حرف کی کمی بیشی نہیں ہوئی، ص ۱۳۴

علامہ افغانی رح کا مقصد مستشرقین کے جواب میں یہ ثابت کرنا ہے کہ انہوں نے جو کل شیعوں کی طرف تحریف کو منسوب کر دیا ہے وہ درست نہیں کیونکہ شیعوں کے بعض عائد بظاہر تحریف کے منکر ہیں اور یہ جو فرمایا "کہ شیعوں کا مذہب بالکل وہی ہے جو سُنیوں کا ہے" اس سے مراد وہی بعض شیعہ ہیں، جن کی عبارات علامہ افغانی رح نے نقل فرمائی ہیں، اس سیاق میں اس فقرہ سے قطعاً و یقیناً وہی شیعہ مراد ہوں گے، جن کا مذہب سُنیوں جیسا ہو گا، اس کو کل شیعوں کے بارہ میں سمجھنا سیاق کے منافی ہو گا"

** یہ بحث دوسری ہے کہ اصل مذہب شیعہ کیا ہے اور مذہب شیعہ میں تحریف قرآن کا ابطال مدنظر ہے کہ انہوں نے تمام شیعوں کو تحریف کا قائل بتلایا تھا، جو ایجاب کلی کا مفہوم جزو مذہب ہے، اس سے اس وقت زیادہ غرض متعلق نہیں، اس وقت تو مستشرقین کے اس قول کا **

ہے۔ علامہؒ نے بعض شیعوں کے اقوال سے انکار تحریف کا ثبوت پیش کر کے اس کلیہ کو توڑ دیا کیونکہ ایجاب کلی کی نقیض سلب جزئی ہی آتی ہے۔ اب یہ یا تو قرآن کریم کا قہر و جلال اور اس کی عظمت کا اثر ہے کہ مخالفین قرآن کو بھی اس کی صداقت و حقانیت کا اقرار زبانی کرنا پڑتا ہے یا پھر وہ دل سے ہی اس صداقت و حقانیت کو قبول کر رہے ہیں، یہ معاملہ الگ قابل تحقیق ہے، مگر مستشرقین کے استدلال کے جواب میں ان لوگوں کے ظاہری اقوال کا پیش کیا جانا تو یقیناً مفید ہوگا اور اسی نقطۂ نظر سے علامہ افغانیؒ نے ان لوگوں کے ایسے اقوال کو اسی جگہ پیش کیا ہوگا، اسیطرح اپنے زمانہ کے نامور محقق مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی نادر علمی تحریر "اعجاز عیسوی" صـ۵۸۵ "قرآن کی حقانیت پر شیعہ علماء کے اقوالؒ کے تحت جو شیعہ علماء کے اقوال نقل کئے گئے ہیں، ان کا مقصد بھی یہی معلوم ہوتا ہے،

اگر تحریف کا اعتقاد ان کے مذہب کا جزو ہے تو انتفاء جزو سے انتفاء کُل کا لازم ہونا مسلم ہے، اس لئے اعتقاد تحریف کے انتفاء سے ان کا مذہب کا انتفاء لازم آئیگا اور انکار تحریف سے شیعہ ہونے کی نفی لازم آئے گی، کیونکہ تحریف کا انکار کر کے کوئی شخص شیعہ نہیں رہ سکتا۔ مگر علامہؒ کا روئے سخن اس جگہ مستشرقین کی طرف ہے اور حفاظت قرآن کا دفاع مقصود ہے، کسی مذہب کی تحقیق مقصد نہیں ہے کیونکہ یہ تو مسلّمہ حقیقت ہے کہ کوئی مسلمان تحریف قرآن کا اعتقاد رکھ کر دائرہ اسلام میں نہیں رہ سکتا، اس لئے مستشرقین کے جواب میں یہ کہنا بالکل حقیقت کا اظہار اور واقعی امر کا اعلان ہوگا کہ جو شخص یا فرقہ تحریف قرآن کا اعتقاد رکھتا ہے، وہ مسلمان نہیں، اس کے قول سے استدلال نہیں کیا جا سکتا، اس لئے مستشرقین کا یہ کہنا بھی خلافِ واقعہ ہے کہ "مسلمانوں کا بڑا فرقہ تحریف قرآن کا قائل ہے" مسلمانوں کا کوئی فرقہ کیا، کوئی ایک متنفس بھی تحریف قرآن کا قائل نہیں ہو سکتا، جو تحریف کا قائل ہوگا، وہ مسلمان نہیں ہوگا اور جو مسلمان ہوگا وہ تحریف کا قائل نہیں ہو سکتا۔ ان دونوں قضیوں میں کسی شخص کے مسلمان ہونے اور تحریف قرآن کے قائل ہونے میں تناقض ہے، ان کا ایک محل میں اجتماع قاعدہ عقلیہ کے خلاف ہے، منکرین قرآن کو مسلمانوں کا فرقہ قرار دینا بھی مستشرقین کا بڑا دھوکہ اور مغالطہ ہے، جب وہ قرآن کا منکر ہے تو مسلمان ہی کہاں رہا؟ علامہ افغانیؒ کی طرف سے یہ تحقیقی اور واقعی جواب بھی دیا جا سکتا تھا مگر علامہؒ نے خصم کے ایجاب کلی کے دعوی پر جرح اور شیعوں کے ظاہرا اقوال پر اعتماد کر کے

جواب دینا مناسب تصوّر فرمایا۔ واللہ اعلم۔

عقیدہ تحریفِ قرآن اور اہلِ تشیع

اوپر گذر چکا ہے کہ یہ معاملہ الگ قابلِ تحقیق ہے کہ شیعوں کے بعض عمائد جو تحریف کے منکر ہیں، ان کا یہ انکار حقیقت پر مبنی ہے یا صرف ظاہری طور پر ہی ہے، اس بحث کی تکمیل کے طور پر اس جگہ مختصر طریقے سے اس کا عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصل مذہب شیعہ اس مسئلہ میں کیا ہے؟ پہلے یہ بات سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ عقیدہ حفاظت قرآن ضروریاتِ دین سے ہے، جو شخص قرآن کریم کا مل نہ سمجھے، وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے، یہ اہلِ سُنّت کا ایسا عقیدہ ہے کہ اس کا اقرار مولوی حامد حسین شیعی نے بھی استقصاء الافحام ج۱ ص۹ پر کیا ہے کہ:۔

" مصحف عثمانی کہ اہلسنت آں را قرآن کامل اعتقاد کنند و معتقد نقصان آں را ناقص الایمان بلکہ خارج از اسلام پندارند " مصحف عثمانی کو اہلسنت قرآن کامل اعتقاد کرتے ہیں اور اس میں کمی کے قائل کو ناقص الایمان بلکہ خارج از اسلام جانتے ہیں " اس کے برعکس روایات مذہب شیعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تحریف قرآن شیعہ مذہب کی ضروریات میں سے ہے، یعنی مذہب شیعہ میں رہنے کے لئے تحریف کا اعتقاد ضروری ہے اور جو شخص تحریف کا قائل نہ ہو اور قرآن کو صحیح اور کامل تسلیم کرتا ہے، وہ شیعہ مذہب سے خارج ہے، چنانچہ شیخ ابوالحسن الشریف نے اپنی تفسیر مراۃ الانوار میں تحریف قرآن کے مسئلہ کو ضروریات مذہب شیعہ کے طور پر بیان کیا ہے (فصل الخطاب ص۳۱) شیخ شریف لکھتے ہیں " و عندی فی وضوح هذا القول بعد تتبع الاخبار و تفحص الآثار بحيث يمكن الحكم بكونه من ضروريات مذهب التشيع و انه اكبر مفاسد غصب الخلافة فتدبر حتى تعلم توهم الصدوق حيث فی اعتقاداته الخ (از ایمان بالقرآن ص۳۲)

میرے نزدیک روایات کی پیروی کرنے اور آثار کی پڑتال کرنے کے بعد تحریف قرآن کا قول واضح ہے، اس پر حکم کرنا ممکن ہے کہ مسئلہ تحریف قرآن ضروریات مذہب شیعہ سے ہے اور سب سے بڑا فساد غصب خلافت کا ہے، اس پر غور کرو تاکہ تم پر شیخ صدوق کا وہم واضح ہو جائے، جو انہوں نے رسالہ اعتقادیہ میں لکھا ہے الخ

خلاصہ یہ ہے کہ تحریف قرآن کا مسئلہ ایسی حد فاصل ہے کہ اگر اس پر عقیدہ رکھا جائے، تو اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور اگر اس پر عقیدہ نہ رکھا جائے تو مذہب

شیعہ سے خارج ہو جاتا ہے ایسی صورت ممکن نہیں معلوم ہوتی کہ کوئی شخص تحریف کا انکار کرکے بھی مذہب شیعہ میں رہ سکے " شیعہ محدث سید نعمت اللہ جزائری، الوار نعمانیہ ۲، ۸۳ پر لکھتے ہیں

الوارد فی الکتاب والسنۃ المتواترۃ بحیث صار من الضروریات الدینیہ یکفر منکرھا اجماعا و وفاقا۔ | جو مسئلہ قرآن میں یا حدیث متواتر میں آجائے اور وہ ضروریات دین سے ہے، اس کا منکر اجماعا و اتفاقا کافر ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ قرآن یا حدیث متواتر میں جو مسئلہ آجاتا ہے اور وہ ضروریات دین میں سے ہو، اس کا انکار کفر ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ تحریف کا مسئلہ شیعوں کی متواتر احادیث میں آیا ہے، تو یہ مسئلہ مذہب شیعہ کی ضروریات میں سے ہوا، تو اس کا انکار کفر ہوگا، اسی لئے اس مذہب کے اکابر متقدمین اور متاخرین تحریف قرآن کے قائل ہیں اس جماعت میں سے چار شخصوں نے قرآن میں عدم تحریف کا عقیدہ پیش کیا، وہ یہ ہیں: شیخ صدوق، شریف مرتضیٰ، ابو جعفر طوسی، اور ابو علی طبرسی " مگر علامہ خلیل قزوینی نے اپنی شرح اصول کافی میں زیر روایت ان القرآن الذی جاء به جبرئیل الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سبعۃ عشرۃ الف آیہ، ان کی تردید کردی، وہ لکھتے ہیں

" دعوی اینکہ قرآن ہمیں ست کہ در مصاحف مشہورہ است خالی از اشکال نیست واستدلال بریں اہتمام اصحاب اہل اسلام بضبط قرآن نہایت رکیک است بعد اطلاع برعمل ابوبکر و عمر و عثمان (کتاب فضل القرآن ج۶) | یہ دعویٰ کرنا کہ یہی قرآن ہے جو مشہور مصاحف میں موجود ہے، اشکال سے خالی نہیں، اور اصحاب اور اہل اسلام کے اہتمام ضبط قرآن کے ساتھ استدلال کرنا نہایت رکیک اور کمزور ہے، ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے عمل پر اطلاع کے بعد۔

شیخ صدوق کی وفات ۳۸۱ھ میں ہوئی اور ابو علی طبرسی کی ۵۴۸ھ میں اس دور میں چار علماء شیعہ ایسے ملتے ہیں، جنہوں نے عدم تحریف قرآن کا ذکر کیا، یہی مشائخ اربعہ ہیں، یعنی شیخ صدوق، ابو جعفر طوسی، شریف مرتضیٰ اور شیخ ابو علی طبرسی جو تحریف کا انکار کرتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرماتے ہیں، کہ (اس عقیدہ تحریف سے انکار کرنے

والے) ان کتابوں کا کیا جواب دیتے ہیں؟ کیا وہ کتابیں مسلم نہیں؟ ظاہر ہے کہ وہ کتابیں تو ان کی معتمد علیہ اور مسلم ہیں البتہ ان کی دلالت علی التحریف میں کلام ہو سکتا تھا مگر وہ بھی ان لوگوں کو مسلم ہے کہ یہ احادیث تحریف پر دلالت کرتی ہیں، مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی" نے ان لوگوں کا یہ اقرار بھی نقل کیا ہے کہ " یہ احادیث تحریف پر دلالت کرتی ہیں اور وہ متواتر ہیں، حضرت حکیم الامت تھانوی رح کی خدمتِ اقدس میں قاضی نوراللہ شوستری کی کتاب "مصائب النواصب" سے حسب ذیل اقتباس پیش کیا گیا " مانسب الی الامامیہ بوقوع التغیر فی القرآن لیس مما قال به جمهور الامامیه انما قال به شرذمة قليلة ولا اعتداد بهم "شیعہ امامیہ کی جانب جو عقیدہ تغیر فی القرآن کا منسوب کیا گیا ہے، تو جمہور امامیہ اس کے قائل نہیں، یہ قول تو ایک حقیر سی جماعت کا ہے، جو قابل اعتناء نہیں ہے؟ تو حضرت تھانوی رح نے اس کے جواب میں فرمایا:

" میں اس وقت قاضی صاحب کی نسبت اتنا سوال کرتا ہوں کہ اس شرذمہ قلیلہ کو جمہور امامیہ مسلمان سمجھتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو تصریح دکھلائی جائے اور اگر مسلمان سمجھتے ہیں تو کافر کو مسلمان سمجھنا اور تحریف قرآن کے عقیدہ کو کفر نہ سمجھنا یہ بھی کفر ہے یا نہیں، اگر نہیں تو کیوں؟ اگر ہے تو جمہور امامیہ کیا ٹھہرے"؟ (نقوش، تاثرات ص ۲۶۴)

حضرت تھانوی رح کا یہ سوال مسئلہ تحریف کے بارہ میں بڑی ہی اہمیت کا حامل اور فیصلہ کن ہے اور یہ سوال صرف قاضی صاحب سے ہی نہیں بلکہ شیخ صدوق وغیرہ ان مشائخ سے بھی کیا جانا چاہیئے کہ شیخ ابراہیم قمی اور شیخ محمد یعقوب کلینی جیسے ائمہ المتشیعین کے بارہ میں وہ کیا کہتے ہیں، آیا وہ تحریف کا عقیدہ رکھنے کے باوجود بھی مسلمان ہی نہیں، بلکہ ان کے پیشوا بھی ہیں، کیا تحریف کے عقیدہ کو کفر نہ سمجھنا اور قائلین تحریف کو مسلمان بلکہ پیشوا سمجھنا کفر نہیں ہے؟ جب وہ تحریف کے قائلین کو کافر نہیں کہتے، تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پر ایمان رکھنا ان کے نزدیک بھی ضروری نہیں ہے، قرآن کو محرف کہہ دینے سے ایمان میں کچھ خلل نہیں آتا، حالانکہ عقیدہ حفاظت قرآن ضروریاتِ دین میں سے ہے، اس کے انکار سے ایمان باقی نہیں رہ سکتا۔

"خلاصہ تحقیق حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری" (ماخوذ از ہدایات الرشید)

حضرت سہارنپوری رح فرماتے ہیں:۔

' تحریف قرآن ائمہ سے بروایات صحیحہ متصلہ متواتر المعنی ثابت ہوا ہے اور علماء واکابر اہل تشیع نے ان روایات کو معتمد اور صحیح تسلیم کر لیا ہے اور جن بعض علماء نے وقوع تحریف کا انکار کیا ہے، ان کے پاس کوئی دلیل شرعی نہیں ہے، جسکو اپنے دعویٰ کے اثبات کے لئے اپنا مستدل قرار دیں۔ ان کے انکار کی بنا شکنجہ انظار اہل حق میں مبتلاء وگرفتار ہو کر محض توہمات وتخیلات پر ہے، ان کے پاس کوئی دلیل ایسی نہیں کہ جسکی وجہ سے ان روایات کو مصروف عن الظاہر تسلیم کیا جاوے، ان کو ہرگز گنجائش نہیں ہے کہ ان روایات کا خلاف ظاہر کوئی محل بیان کر سکیں (صـ۶۲۷ـ)

پس جب ان روایات کی نہ تغلیط و تضعیف کر سکتے ہیں اور نہ کسی دوسرے محمل خلاف ظاہر پر محمول کر سکتے ہیں، نہ کوئی حجت شرعیہ ان کے پاس موجود ہے تو ایسی حالت میں ان روایات سے کسی طرح عدول ممکن نہیں ہے اور یہ روایات عین مذہب ہوں گی نہ لازم مذہب (صـ۶۲۸)

محدث سہارنپوریؒ نے مقدمہ سادسہ تفسیر صافی سے جو عبارت نقل فرمائی، اس کا ترجمہ پیش خدمت ہے، جس سے بڑے بڑے مشائخ شیعہ کا اعتقاد در بارہ تحریف قرآن واضح ہوتا ہے۔

' لیکن اس بارہ میں ہمارے مشائخ کا اعتقاد۔ پس ظاہرا محمد بن یعقوب کلینی قرآن میں تحریف اور نقصان کا معتقد تھا، کیونکہ اس نے اس بارہ میں اپنی کتاب کافی میں بہت سی روایتیں روایت کی ہیں اور ان میں قدح سے تعرض نہیں کیا، باوجودیکہ اس نے شروع کتاب میں ذکر کیا ہے کہ وہ ان روایتوں پر جو اس نے روایت کی ہیں، اعتماد کرتا ہے اور اسی طرح اس کا استاذ علی بن ابراہیم قمیؒ، اس کی تفسیر اس سے بھری ہوئی ہے اور اس کو اس میں بہت غلو ہے، اور اسی طرح شیخ احمد بن ابی طالب طبرسی اپنی کتاب احتجاج میں انہی دونوں کے طریقہ پر چلا ہے، لیکن شیخ ابو علی طبرسی اس نے "مجمع البیان" میں کہا ہے کہ قرآن میں زیادتی کا باطل ہونا تو متفق علیہ ہے، لیکن کمی کا ہونا ہمارے اصحاب میں سے ایک جماعت نے اور حشویہ عامہ میں سے ایک قوم نے روایت کیا ہے کہ قرآن میں تغیر اور کمی ہے اور صحیح یہ ہے کہ ہمارے اصحاب کا مذہب اس کے خلاف ہے اور اسی کی مرتضیٰ نے بھی نصرت کی ہے اور جواب مسائل طرابلستان میں کلام کو نہایت درجہ استیفا پر پہنچایا ہے اور ذکر کیا ہے، کہ قرآن کی نقل کی صحت کا علم مثل علم شہروں اور بڑے بڑے حوادث اور وقائع اور مشہور کتابوں اور عرب کے لکھے ہوئے

شعروں کی ہے، پس تحقیق اس کی نقل و حفاظت پر توجہ شدید اور دواعی وافر ہیں اور اس حد کو پہنچ چکے ہیں کہ امور مذکور اس حد کو نہیں پہنچ سکے، کیونکہ قرآن نبوت کا معجزہ اور علوم شرعیہ اور احکام دینیہ کا ماخذ ہے اور علماء اسلام اس کی حفظ و حمایت میں غایت درجہ کو پہنچ چکے ہیں یہاں تک کہ اس کی ہر شئی مختلف فیہ کو اعراب و قرأت اور حروف و آیات کو پہچان لیا تو باوجود اس سچی توجہ اور نہایت ضبط کے کیونکر ممکن ہے کہ بدلا ہوا یا کم کیا ہوا ہو، .... اور نیز ذکر کیا ہے کہ زمانہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اسی کے موافق مولف مجموع تھا، جیسا اب ہے اور اس پر اسطرح استدلال کیا ہے کہ اس زمانہ میں تمام قرآن کی حفظ اور تدریس ہوتی تھی، یہاں تک کہ صحابہؓ میں سے ایک جماعت اس کے حفظ کے لئے مقرر ہوئی اور حضرتؐ پر پیش ہوتا تھا اور آپ پر پڑھا جاتا تھا اور صحابہ میں سے ایک جماعت نے مثل عبداللہ ابن مسعودؓ اور ابی بن کعبؓ کے بہت سے ختم آپ کو سنائے اور ادنیٰ تامل کے ساتھ اس پر دلالت کرتا ہے کہ قرآن مجموع مرتب تھا، پراگندہ نہ تھا، اور بیان کیا ہے کہ اسباب میں جو لوگ امامیہ اور حشویہ مخالف ہوئے ہیں، ان کا خلاف معتبر نہیں ہے کیونکہ اس بارہ میں خلاف محدثین میں سے ایک قوم کی طرف منسوب ہے، جنہوں نے صحیح سمجھ کر ضعیف حدیثیں نقل کی ہیں، ان جیسی روایات کے ساتھ ایسے امر میں رجوع نہیں کیا جاتا جسکی صحت یقینی ہے، (۶۰۹ تا ۶۱۱)

شریف مرتضی کی اس تاویل کا جو روایات صحیحہ کے معارضہ میں کیگئی تھی، لغو ہونا ظاہر تھا، اس کی تغلیط خود صاحب صافی نے اسطرح کردی ہے،،

" میں کہتا ہوں کہ معترض کو گنجائش ہے کہ کہے جیسے مومنین کی طرف سے قرآن کی نقل و حفاظت پر دواعی وارد تھی، اسی طرح منافقوں، وصیت کے بدلنے والوں، خلافت کے تغیر کرنے والوں کی طرف سے قرآن کی تحریف پر دواعی وافر تھی کیونکہ قرآن ان کی رائے اور خواہش کے خلاف پر مشتمل تھا۔

اور اگر اس میں تحریف واقع ہوئی ہے تو شہروں میں پھیلنے اور جس ترتیب پر اب ہے، اس پر مستقر ہونے سے پیشتر واضح ہوئی ہے اور ضبط شدید بھی صرف اس کے بعد ہی تھا، تو اس میں باہم کچھ منافات نہیں ہے، بلکہ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ نفس قرآن میں کچھ تغیر نہیں ہوا، تغیر صرف اس کے لکھنے میں اور پڑھنے میں ہوا، کیونکہ انہوں نے تحریف اصل سے نقل کرنے کے وقت اس میں کی ہے اور اصل جیسا تھا، ویسا ہی اس کے اہل کے پاس موجود

ہے اور وہ علماء ہیں، تو جو علماء کے پاس ہے وہ محرف نہیں ہے، محرف صرف وہ ہے جو انہوں نے اپنی اتباع کے لئے ظاہر کیا ہے اور اس کے موافق جیسا اب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مجموعہ ہونا ثابت نہیں ہوا اور اس وقت کیسے مجموعہ ہو سکتا تھا، ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نازل ہوتا تھا، اور حضرت کی عمر شریف کے تمام ہونے پر تمام ہوا، اور ختم صرف اسی قدر کا تھا جسقدر کہ پاس تھا (۶۱۲)

اس کے بعد صاحب صافی نے شیخ صدوق اور شیخ طوسی کا مذہب ذکر کرکے اس کا ابطال کیا ہے، لکھتا ہے،

" اور ہمارے شیخ صدوق رئیس المحدثین نے اپنے اعتقادات میں کہا ہے، ہمارا اعتقاد ہے کہ قرآن جو اللہ نے اپنے نبی پر نازل کیا ہے، وہی ہے دو پٹھوں میں اور لوگوں کے ہاتھوں میں ہے، اس سے زیادہ نہیں اور جو ہماری طرف نسبت کرے کہ ہم قائل ہیں کہ قرآن اس سے زیادہ ہے، وہ جھوٹا ہے اور شیخ طوسی محمد بن الحسن نے اپنے تبیان میں کہا ہے کہ قرآن کی زیادتی اور کمی میں کلام کرنا لائق نہیں، کیونکہ زیادتی کے باطل ہونے پر اتفاق ہے اور کمی ہونا بھی ظاہرا تمام مسلمانوں کے مذہب کے خلاف ہے اور یہی ہمارے صحیح مذہب کے لائق ہے اور اسی کی مرتضیٰ نے بھی تائید کی ہے اور روایات سے بھی یہی ظاہر ہے مگر یہ کہ قرآن میں سے بہت سی آیتیں کم ہونے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے میں شیعہ اور غیر شیعہ کے طریقہ سے بہت سی روایات مروی ہوئی ہیں، ان کا طریق احاد ہے، جو مفید علم یقین کو نہیں ہو سکتا اور ان میں مشغول ترک کرنا اولیٰ ہے کیونکہ ان کی تاویل ممکن ہے اور اگر یہ روایات صحیح ہوں تو یہ طعن اس پر نہیں جو ما بین الدفتین موجود ہے کیونکہ اس کی صحت یقینی ہے، امت میں سے اس پر نہ کوئی اعتراض کرتا ہے، نہ کوئی رد کرتا ہے (۶۱۳)

(اور حدیث ثقلین) اس پر دال ہے کہ قرآن ہر زمانہ میں موجود ہے، کیونکہ ممکن نہیں کہ ہم کو ایسی چیز کے تمسک کا حکم کریں جس کے تمسک پر ہم کو قدرت نہ ہو، چنانچہ اہل بیت اور جن کے قول کا اتباع واجب ہے، ہر وقت حاصل ہے "

یہاں تک نقل کرکے صاحب تفسیر صافی نے اس کی بھی تغلیط کردی، لکھتے ہیں:-

" میں کہتا ہوں کہ ہر زمانہ میں اس کے وجود کے لئے بتمامہ جیسا خدا نے نازل فرمایا، اس کے اہل کے پاس موجود ہونا اور ہماری حاجت کے موافق ہمارے پاس موجود ہونا کافی ہے، اگرچہ ہمکو باقی پر

قدرت نہ ہو، چنانچہ امام بھی اسی طرح ہے، کیونکہ ثقلین اس باب میں برابر ہیں اور شاید کلام شیخ سے یہ مراد ہے۔

اور قول، اس کا ومن یجب اتباع قولہ مراد اس سے ان کے کلام کا بعینہٖ ہے کیونکہ وہ ان کی غیبت کے زمانہ میں موافق ان کے قول کے ان کے قائمقام ہے، ہم میں سے جس نے ہماری حدیث روایت کی اور ہمارے حلال وحرام میں نظر کی، اور ہمارے احکام کو پہچانا، اس کو دیکھو اور اس کو اپنا حاکم بناؤ، کیونکہ میں نے اس کو تم پر حاکم بنا دیا " (۶۱۴)

حضرت سہارنپوری رح ارقام فرماتے ہیں :-

" شیخ صدوق، اور شیخ مرتضیٰ اور طوسی نے جو اپنا مذہب عدم تحریف قرآن قرار دیا ہے اور عدم تحریف کو راجح مذہب تشیع سے لکھا ہے، باعتبار قواعد شرعیہ مسلمہ اہل تشیع بالکل غلط ہے، قطع نظر ان دلائل سے جو کہ ان کے مذہب کے بطلان پر صاحب صافی نے ذکر کی ہیں اور بھی سب دلائل اس کے بطلان پر دلالت کرتے ہیں، سُنیے جسقدر روایات صحاح وحسان وقوع تحریف پر دلالت کرتی ہیں، اگرچہ ہر ایک ان میں سے خبر احاد اور ظنی ہے، لیکن جب اس کی قدر مشترک کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ مختلف کثیر التعداد رواۃ نے مختلف ائمہ سے روایت کیا ہے تو یہ متواتر المعنی ہو کر درجہ قطعیہ کو پہونچ چکا ہے اور مثل اور روایات کے جن کو علماء طائفہ نے متواتر المعنی تسلیم کر لیا ہے، ہو گیا ہے " جیسا کہ معالم الاصول سے مستفاد ہوتا ہے "

اب اگر وقوع تحریف کی روایات کثیرہ کو تیتبع کیا جاوے تو ہر ایک کا سلسلہ و سند احاد سہی لیکن مجموعہ مفید تواتر کو ہے۔

پس آپ کے شیخ صدوق اور مرتضیٰ، اور طوسی نے جو اس کا انکار کیا ہے وہ انکار متواتر اور قطعی کا ہے اور ہرگز قابل التفات اہل دین و دیانت من المتشیعین نہیں ہے بلکہ حق وہ ہے جو آپ کے ثقۃ الاسلام کلینی اور ان کے استاذ صاحب امام نے فرمایا ہے۔ سلمنا کہ یہ روایات احاد ہی سہی لیکن ہم کہتے ہیں کہ جب خبر واحد مویدہ بالقرائن ہو تو اس وقت علی الاصح مفید علم الیقین کو ہوتی ہے۔

پس اگر اس کو متواتر نہ مانیں تو بھی باوجود اخبار احاد ہونے کے بانضمام قرائن مفید قطع کو ہے، تو مثل متواتر کے ہوا، اور اس کے انکار کو مثل انکار متواتر کے سمجھا جائیگا اور ہرگز قابلِ اعتبار نہ ہوگا۔ (۶۱۶)

جو روایات وقوع تحریف پر دال ہیں، مثبت ہیں اور منکرین تحریف کا دعوی محض نفی، اول تو کوئی روایت اس مدعا کی مثبت پائی نہیں جاتی، اگر پائی جائے گی، تو وہ بھی نافی ہوگی اور ظاہر ہے کہ مثبت نافی پر مقدم ہے، تو اس سے دعوی منکرین تحریف کا باطل ہوگا اور مثبتین کا ثابت۔

جسقدر روایات مثبت تحریف مروی ہوتی ہیں ان میں احتمال تقیہ بالکل منتفی ہے کیونکہ اس وقت تحریف کسی کا مذہب نہیں تھا، جسکی رعایت کی وجہ سے تقیۃً ائمہ نے ایسا فرمایا ہو، اور وہ روایات کہ جن کا شیخ طوسی اپنے استدلال میں حوالہ دیتے ہیں اور ان روایات پر اعتماد کر کے تحریف کو ساقط الاعتبار سمجھتے ہیں۔ جو حث علی التلاوت پر دلالت کرتے ہیں تو یہ بھی غلط ہے کہ وہ اس موجود کی نسبت ہو بلکہ بشرط دستیابی اس اصلی قرآن کی نسبت ہوگا، جو خاص ائمہ ہی کے پاس ہے، مسلما کہ وہ یہی قرآن مجید ہے، جو اہل سنّت کا قرآن ہے لیکن جائز ہے، اسکی نسبت حث اور وعدہ حصول ثواب محض تقیہ کے طور پر ارشاد ہوا ہوگا، جب خلفاء کے ساتھ بیعت اور نشست و برخاست اور ان کے موافق خلاف واقع مسائل کا اظہار دیا جاتا ہے، جس کے لئے حضرات کو بجز تقیہ کے اور کوئی مساغ نہیں ہے تو اس کے تقیہ پر محمول ہونے کو کون مانع ہے، (۶۱۸)

حاصل بحث یہ ہے کہ اصل مذہب شیعہ تحریف قرآن ہے اور روایات تحریف کثیر و متواتر اور شیعہ کی ان معتبر کتابوں میں ہیں جن پر مذہب شیعہ کی بنیاد ہے اور یہ روایات مسئلہ امامت کی روایات سے کم نہیں ہیں، اگر ان روایات کو رد کر دیا جائے تو نہ صرف یہ کہ شیعوں کا فن حدیث بیکار و بے اعتبار ہو جائیگا، مسئلہ امامت کا ثبوت بھی ممکن نہ رہے گا۔ صاحب فصل الخطاب نے اپنی اس کتاب کے آخر میں ان تمام محدثین کے نام لکھے ہیں جنہوں نے روایات تحریف کو متواتر کہا ہے، ان میں علامہ مجلسی کا نام بھی ہے۔ ان کا حسب ذیل فقرہ قابل توجہ ہے، وہ کہتے ہیں:۔

وعندی ان الاخبار فی ھذا الباب	میرے نزدیک تحریف قرآن کی روایتیں معنی متواتر ہیں
متواترۃ معنی وطرح جمیعها یوجب	اور ان سب روایتوں کو ترک کر دینے سے ہمارے تمام فن
رفع الاعتماد عن الاخبار رأسا بل ظنی	حدیث کا اعتبار جاتا رہیگا، بلکہ میرا علم ہے کہ تحریف قرآن
ان الاخبار فی ھذا الباب لا یقتصر	کی روایتیں مسئلہ امامت کی روایتوں سے کم نہیں، لہذا

عن اخبار الامامة فکیف یثبتونها بالخبر — اگر تحریف قرآن کی روایتوں کا اعتبار نہ ہو تو مسئلہ امامت بھی روایتوں سے ثابت نہ ہو سکیگا۔

معلوم ہوا کہ مذہب شیعہ میں تحریف قرآن کا وہی درجہ ہے جو ان کے مذہب میں امامت کا درجہ ہے، یعنی جس درجہ کا عقیدہ امامت ضروری ہے، اسی درجہ کا تحریف قرآن کا عقیدہ بھی ضروری ہے، کیونکہ جسطرح کی روایتوں سے مسئلہ امامت کا ثبوت ہوا ہے، اسی طرح کی روایتوں سے تحریف کا ثبوت ہو رہا ہے۔

حضرت علیؓ اور دوسرے ائمہ کرام کی امامت کا ماننا جسطرح فرض ہے اسی طرح تحریف قرآن کا تسلیم کرنا بھی فرض ہے، جو شخص قرآن کی تحریف کا انکار کرے گا، وہ از روئے مذہب شیعہ، ویسا ہی مذہب شیعہ سے خارج ہوگا جیسا ائمہ اثنا عشر کی امامت کے انکار کرنے والا مذہب شیعہ سے خارج ہے، حقیقت یہی ہے کہ تحریف قرآن کا عقیدہ، مذہب شیعہ میں داخل اور ہم پلہ عقیدہ امامت ہے، بحیثیت مذہب شیعہ، کوئی شیعہ تحریف قرآن کا انکار نہیں کر سکتا۔

شیخ صدوق وغیرہ بعض لوگوں نے جو تحریف کا انکار کیا ہے، وہ قابلِ اعتبار نہیں ہے، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مذہب شیعہ میں تحریف کا عقیدہ داخل نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں کا مذہب میں ہرگز ایسا درجہ نہیں ہے کہ مذہب کی بنیاد ان پر ہو، اس لئے کہ مذہب کی بنیاد تو ان کے نزدیک ائمہ معصومین کی روایات پر ہے اور ائمہ معصومین سے مسئلہ امامت کی طرح روایات متواترہ مروی ہیں۔

جب ان لوگوں سے پہلے تمام متقدمین ائمہ اپنے مذہب کی مستفیض اور متواتر روایات کی بناء پر عقیدہ تحریف کو اپنائے ہوئے تھے اور اس پر ان کا اجماع و اتفاق تھا تو ان بعد والے لوگوں کو اپنے مذہب کے اجماعی عقیدہ اور اخبار متواترہ کے خلاف ایک نیا عقیدہ ایجاد کرنے اور خرق اجماع کا کیا حق تھا؟ بعد کے ایجاد کردہ عقیدہ کو مذہب نہیں بنایا جا سکتا ہے، مذہب وہی ہوگا جس کے پیچھے تواتر اور اخبار مستفیضہ کی قوت ہوگی، البتہ اس نئے عقیدہ کو خروج عن المذہب کہنا صحیح ہوگا، مطلب یہ ہے کہ یہ کہنا تو صحیح ہوگا کہ اس عقیدہ کے ایجاد کرنیوالوں نے مذہب میں ایک نیا عقیدہ ایجاد کرکے مذہب سے خروج اختیار کر لیا ہے، مگر ان کے اختراعی عقیدہ کو مذہب قرار دینا صحیح نہ ہوگا۔

سشریف مرتضیٰ قرآن میں زیادتی نہ ہونے پر شیعہ کا اجماع بتا رہے ہیں۔
حالانکہ احتجاج طبرسی وغیرہ کی روایات کے علاوہ تفسیر صافی میں تفسیر عیاشی سے منقول ہے کہ امام باقرؒ نے فرمایا،

لولا انہ زید فی القرآن ونقص	اگر قرآن میں بڑھایا اور گھٹایا گیا نہ ہوتا تو
ماخفی حقنا علی ذی حجی"	ہمارا حق عقلمند پر پوشیدہ نہ ہوتا

اس لئے شریف مرتضیٰ کا دعویٰ اجماع غلط ہوا۔

پھر شریف مرتضیٰ، قرآن میں کمی کی روایتوں کا وجود اپنے بیان میں مان کر کہتے ہیں کہ ہمارا صحیح مذہب اس کے خلاف ہے، صحیح ہونے کا کیا مطلب ہے ؟ صحیح تو اسی قول وعقیدہ کو کہا جا سکتا ہے جس کی تائید معصوم کے اقوال سے ہوتی ہو اور متقدمین نے اسکو اختیار کیا ہو اور جو قول وعقیدہ معصومین کے اقوال اور مذہب متقدمین کے خلاف ہو، اس کے صحیح ہونے کی کیا صورت ہو سکتی ہے ؟ اس لئے شریف مرتضیٰ کی بات از روئے قواعد مسلمہ اہل التشیع قبول نہیں ہو سکتی۔

گذشتہ تفصیل سے قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ اصلی مذہب شیعوں کا تحریف کا ہی ہے۔

منکرین تحریف سے سوالات

(۱) تحریف قرآن کی روایات جنکو محدثین شیعہ نے متواتر و مستفیض کہا ہے ان کا ایسا جواب درکار ہے جو ان کے اصول حدیث کے موافق ہو ؟

(۲) جو شخص تحریف قرآن کا عقیدہ رکھتا ہو، اس کا کیا حکم ہے ؟ وہ کافر اور اسلام سے خارج ہے یا وہ تحریف کا عقیدہ رکھنے کے باوجود بھی مسلمان ہی ہے ؟

(۳) متقدمین اکابر شیعہ مثل ابراہیم قمی اور محمد یعقوب کلینی وغیرہ ان کا حکم بھی صاف صاف بتلایا جائے ؟

اگر یہ ایسا عقیدہ ہے کہ اس کا اقرار اور انکار برابر ہے، اس کا اقرار کرنے والا جس طرح مسلمان ہے، اسیطرح اس کا منکر بھی دائرہ اسلام میں داخل ہے، تو پھر اس کے علاوہ کہ تحریف کے عقیدہ کے اثبات میں زائد از دو ہزار روایات کا کیا فائدہ ہوا ؟ اور کسی ضروری عقیدہ کے اثبات کے لئے اور کونسا طریقہ ہو گا ؟ ثابت ہو گیا کہ شیعہ مذہب میں ایمان بالقرآن ضروریات دین میں سے نہیں ہے، پھر اگر عقیدہ امامت کا کوئی شخص انکار کر دے اور یہی کہہ دے کہ یہ روایات

ضعیف اور ناقابلِ احتجاج ہیں تو کیا انکارِ عقیدہ امامت کے باوجود وہ مذہب شیعہ میں داخل سمجھا جائیگا ؟ مسئلہ تحریف اور مسئلہ امامت میں ما بہ الفرق کیا ہے ؟ کہ ایک کے منکار سے شیعہ مذہب سے خروج لازم آتا ہے اور دوسرے کے انکار سے لازم نہیں آتا، حالانکہ دونوں عقیدوں کی بنیاد ایک ہی قسم کے اخبار متواترہ مستفیضہ بتلائی جاتی ہیں۔

علامہ افغانی رحمہ اللہ نے علوم القرآن کے علاوہ بھی کئی مستند اور مفید پراز معلومات تصانیف کا ذخیرہ چھوڑا ہے، بعض تصانیف اگرچہ وقتی ضروریات کے تحت لکھی گئی ہیں مگر ان کا فائدہ بھی عمومی ہے، مثلاً "سوشلزم اور اسلام" کے عنوان سے کتاب لکھی گئی، اس کے لکھنے کے لئے اگرچہ خاص ضرورت داعی ہوئی مگر اس کا نفع وقتی اور محدود نہیں ہے بلکہ ہر زمانہ اور ہر جگہ میں اس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ یہی حال سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا " اسلامی معاشی نظام سے موازنہ " کتاب کا ہے۔

ان کے اس کتاب میں " سرمایہ دارانہ نظام " کی تصویر کشی، اس کی دینی تباہی، اخلاقی تباہی کی نشاندہی کرنے کے بعد، اقتصادی تباہیاں خوب تفصیل سے بتلائی گئی ہیں اور نہایت معقول اور فلسفیانہ انداز تحریر اختیار کیا گیا ہے مثلاً فرماتے ہیں " مادہ حیات مال ہے اجتماعی زندگی کے لئے، جسطرح خون شخصی زندگی کیلئے مادہ حیات ہے تو مادہ حیات کا چند افراد یا خاندانوں میں بند ہو جانا، نامعقول ہے، بلکہ خون کی طرح اس کی گردش اور حرکت ضروری ہے " ص۲۰

اس نہایت نفیس اور عقلی تمثیل کے بعد نقلی دلیل کی طرف اشارہ فرماتے ہیں، ارقام فرماتے ہیں: " قرآن مجید نے مال غنیمت (فیٔ) پوری قوم پر تقسیم کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا " کیلا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم تاکہ مال صرف دولتمند طبقے میں چکر نہ لگائے " بلکہ دیگر افراد بھی اس سے متمتع ہو سکیں، پھر سرمایہ داری کے سیاسی نقصان کی وضاحت فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ " آپ کو ہڑتالوں اور بغاوتوں کا سلسلہ جن حکومتوں میں نظر آتا ہے، وہ اسی " ناہموار معاشی نظام " کا نتیجہ ہے جس سے حکومت غیر مستحکم ہو جاتی ہے، اس کے بعد سرمایہ دار ممالک کی اخلاقی کیفیت کا حال لکھ کر واضح کیا گیا ہے کہ ان ممالک میں شراب نوشی، سگریٹ، زنا، خلاف وضع فطرت، چوری، جیسے گھناؤنے جرائم میں عام لوگ مبتلا ہیں "

علامہؒ کی تحقیق یہ ہے کہ " اشتراکیت " کو اکتنازیت اور سرمایہ داری نے ہی جنم دیا ہے۔ علامہؒ نے دونوں نظاموں پر بے لاگ تبصرہ فرمایا ہے ،

علامہ کا تبصرہ

اکتنازیت اور سرمایہ داری کے غیر فطری نظام نے بے شمار مفاسد کو پیدا کیا جس سے خود اس کے پیٹ سے اس کا توڑ یعنی اشتراکی نظام پیدا ہوا اسی کے پیٹ سے ہم نے اس لئے کہا کہ دونوں غیر فطری تحریکوں (سرمایہ داری اور کمیونزم) کے موجد اور بانی یہود ہیں، ان دونوں یہودانہ تحریکوں نے تمام دنیا کو دو بلاکوں میں تقسیم کیا، مشرقی اور اشتراکی بلاک اور مغربی سرمایہ دار بلاک، دونوں میں اسلحہ سازی کی دوڑ جاری ہے اور ان دونوں نظاموں کی کشمکش سے لاکھوں کروڑوں جانیں ضائع ہوئیں اور ہو رہی ہیں جس کے لئے مہلک ترین ہتھیار یعنی ایٹم بم، آئن سٹائن یہودی نے ایجاد کیا " (ص۔۔)

کمیونزم کا تاریخی پس منظر

صنعتی انقلاب، کمیونزم کی تباہیاں، خونریزی، معاشی تباہی، معاشی دستی میں رکاوٹ" کمیونزم شرف انسانیت کا توڑ، کمیونزم فطرت انسانی کے خلاف جنگ ہے، وغیرہ عنوانات کے تحت خوب سیر حاصل بحث فرمائی گئی ہے اور اشتراکیت کی " مصنوعی معاشی مساوات " کو فطرت کے خلاف قرار دیتے ہوئے رزق میں تفاوت کی دلیل کے طور پر آیت ذیل کو پیش کیا گیا ہے۔

" واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق " اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں تفاوت رکھا ہے۔" علامہؒ نے واقعات سے ثابت کیا ہے کہ اشتراکی ممالک کا دعویٰ مساوات کا ہے لیکن واقعات اس کے خلاف ہیں۔ " اشتراکی " مساوات کا یہ حال ہے کہ اسٹالن کی سالانہ تنخواہ ۸ لاکھ ۲۰ ہزار روبل تقریباً نولاکھ پاکستانی روپیہ تھی اور تیس کوٹھیوں اور چار موٹروں کے لئے ایک لاکھ روبل تقریباً سوا لاکھ کی رقم الگ مقرر تھی اور تمام اشیاء صرف کو صرف وہ ان اشیاء کی لاگت سے اسی فی صد کم پر خریدتا تھا (رسالہ فریڈم فرسٹ مندرجہ پاسبان کوئٹہ ۲۰ دسمبر ۱۹۵۲ء)

لیکن اس کے برخلاف نورالدین زنگی کا حال، علامہ اسطرح بیان کرتے ہیں:

"نورالدین زنگی بادشاہ اسلام جس نے متحدہ یورپ کو شکست دی تھی، اس کا کل ترکہ جسمیں دو دکانیں تھیں جسکا کرایہ تیس دینار یعنی ۷۵ روپیہ ماہوار پاکستانی سکے کے برابر تھا

جہاد کے لئے اپنا گھوڑا نہ تھا، عاریتاً (مانگ کر) لیتا تھا اور جہاد سے واپس آکر واپس کر دیتا تھا:

ع آں مسلماں کہ میری کردہ اند — در شہنشاہی فقیری کردہ اند

تفصیل سے نمایاں کیا گیا اور اخبارات و رسائل کے حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے

اشتراکیت کا خلاصہ، غریبوں پر تشدد، زمینداروں پر تشدد، دینی عقیدہ پر تشدد کی صورت میں تفصیل سے نمایاں کیا گیا اور اخبارات و رسائل کے حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے، اشتراکیت کے بنیادی افکار پر بھرپور منصفانہ معقول تنقید کی گئی ہے، اس کے بعد علامہؒ نے ان دونوں نظاموں کے برخلاف اسلام کا اعتدالی نظام پیش فرمایا ہے۔

اسلامی اعتدالی نظام اسلام کے معاشی نظریہ کے خلاف اکتنازیت اور اشتراکیت کے معاشی نظریات میں چونکہ بے اعتدالیت اور فطرت انسانی کے حدود سے انحراف موجود تھا کیونکہ یہ دونوں نظریات جذباتی تھے اور جذباتی نظریات کے لئے فطرت کی حدود شکنی لازمی ہے، اس لئے اسلام نے اپنا معاشی نظام ایسا معتدل اور موافق فطرت رکھا کہ اس میں انسان کے تمام طبقات کا معاشی تحفظ اور حقوق کی رعایت بھی موجود رہی اور سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکی نظام کی تمام خامیاں بھی اس میں دور کی گئی ہیں" (ص ۹۰)

حرکت دولت، سرمایہ دارانہ نظام کی اس خامی اور کجی کو کہ اس میں دولت ایک خاص طبقہ میں ساکن ہو کر رہ جاتی ہے اور دوسرے لوگوں تک حرکت نہیں کرتی، جس سے دوسرے لوگوں میں غربت و افلاس رونما ہو جاتا ہے اور انسان کے اجتماعی جسم کا ایک بڑا حصہ مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔

اسلام نے اصلاح معاش کے لئے ایسے ایسے قوانین نافذ کئے، جن سے حرکت دولت پر عمل ہو،

۱۔ معادن باطنہ میں خمس، اندرون زمین میں جسقدر دولت ہے، خواہ سونا چاندی یا لوہا، ان میں فقہ اسلامی کے تحت ۵% یعنی خمس فقراء کا حق ہے اور معدنیات ظاہرہ میں تمام لوگوں کا حق ہے۔

۲۔ قانون عشر۔ زمین کی ایسی پیداوار جسکی آبپاشی میں تکلیف نہ ہو، اس میں فقراء کے لئے دسواں حصہ ہے۔

۳۔ نصف عشر جو زمین رہٹ، ڈول، ٹیوب ویل سے سیراب ہو، اس کی پیداوار میں

فقراء کا بیسواں حصہ ہے۔

۹۔ ربع عشر، نقد اور امور تجارت اور تمام کاروباری آمدنی میں نصاب اور ایک سال گذرنے کی شرط پر فقراء کے لئے چالیسواں حصہ یعنی ڈھائی فیصد کا حق ثابت ہے، اس کے لگ بھگ ان مویشیوں میں بھی فقراء کے لئے زکوٰۃ کا حصہ ہے جسکی تفصیل فقہ اسلامی میں ہے۔

قانون استحبابی، اگر ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ عوام غربت وافلاس کا شکار ہوں تو امراء کے پاس اپنی ضرورت سے جسقدر مال زائد موجود ہو تو وہ قانون استحبابی کے تحت سب فقراء پر تقسیم ہو۔

ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو ، آپ سے اے پیغمبر پوچھتے ہیں فقراء پر کیا خرچ کریں، آپ کہہ دیں کہ ـــــ جو ضرورت سے زائد ہو۔

ابن حزم المحلی میں لکھتے ہیں علی رضؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اغنیاء پر ضروریات فقراء پر خرچ کرنا فرض قرار دیا ہے، اگر فقراء بھوکے اور ننگے ہوں اور اغنیاء کے نہ دینے کی وجہ سے تکلیف میں پڑ جائیں تو اللہ تعالیٰ ان سے حساب لے گا اور سزا دے گا ضرورت کے وقت اغنیاء سے مال لیکر سب پر برابر تقسیم کیا جائیگا۔

حضرت ابوعبیدہ ابن الجراحؓ اور تین سو صحابہؓ نے توشہ جمع کر کے سب برابر تقسیم جن کو وہ توشہ دانوں میں جمع کر کے برابر بقدر قوت سب کو دیتے رہے (ج ۶ ص ۱۵۸)

پھر اسی طرح ابو سعیدؓ کی مرفوع حدیث اور حضرت عمرؓ سے بھی نقل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جس کے پاس زائد سواری ہو، وہ اس شخص کو دیدے جس کے پاس سواری نہ ہو اور جس کے پاس زاد راہ زائد ہو، وہ اس کو دیدے جس کے پاس زاد راہ نہ ہو، ایسی کئی چیزوں کا ذکر فرمایا، یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ ہمارے پاس ضرورت سے جو چیز زائد موجود ہو، اس میں ہمارا کوئی حق نہیں' ابن حزم فرماتے ہیں اس پر صحابہؓ کا اجماع ہے (ج ۶، ص ۱۸۵)

حضرت عمرؓ سے ابن حزم نے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے جن حالات کا بعد میں علم ہوا، اگر مجھے اس کا علم پہلے ہو جاتا تو میں دولت مندوں سے ضرورت سے زائد اموال لے کر فقراء مہاجرین میں تقسیم کرتا۔ اس روایت کی سند نہایت صحیح اور جلیل الشان ہے"

حضرت علامہؒ نے آیت مذکورہ اور ان روایات کو نقل کرنے کے بعد اس پر اس طرح تبصرہ فرمایا "قل العفو والی آیت اور ان روایات پر نظر ڈال کر کیا اس امر کا یقین حاصل نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام کے معاشی نظام میں عوام کی حالت اشتراکی نظام کی نسبت زیادہ بہتر اور زیادہ پُر محبت و خلوص ہوگی اور وہ تمام نقائص بھی نہ ہونگے جو اشتراکی نظام میں موجود ہیں" (صـ۱۱۱)

اشتراکی نظام سرے سے شخصی ملکیت ہی کا انکار کرتا ہے جبکہ اسلامی معاشی نظام میں ملکیت کے تحفظ کے ساتھ ساتھ فقراء کے حقوق کی ادائیگی کی ضمانت فراہم کی گئی ہے اور صرف حقوق واجبہ کی ادائیگی پر انحصار کرنے کی بجائے باہمی جذبہ محبت و خلوص کو فروغ دلا کر ایسے حقوق کی ادائیگی کی بھی ترغیب دلائی گئی ہے جو واجب نہیں ہیں واقعہ یہ ہے کہ باہمی تعاون و تناصر بلکہ ایثار و قربانی کا جو جذبہ اسلام نے پیدا کیا، اس سے غرباء اور فقراء کی حق رسی ہی نہیں بلکہ ان کے حقوق سے کہیں زیادہ پہنچ جاتا تھا، اور وہ خوشحال ہو جاتے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مال کے لئے لوگوں کو بلاتے تھے، لیکن کوئی نہ آتا۔ علامہ نوویؒ نے شرح مسلم میں تصریح فرمائی ہے۔ اسلام کی اس اختیاری اور ترغیبی خوشحالی کے ساتھ اشتراکی نظام کی مبنی بر جبر و تشدد زبوں حالی کو کیا نسبت ہے ؎ چہ نسبت خاک را با عالم پاک

سٹالن کا عذر لنگ اس لئے سٹالن کا یہ عذر، عذر لنگ ہی کہلائیگا کہ "اگر ہم پہلے اس (قل العفو) سے واقف ہوتے تو ہمیں کمیونزم کی ضرورت نہ ہوتی" (صـ۱۱۱) سوال یہ ہے کہ اب اس سے واقفیت کے بعد کمیونزم کا کیا جواز باقی رہا؟ جبکہ ملک کا تمام نظام سٹالن کا ساختہ پرداختہ تھا اور وہ اس کے تمام سیاہ و سفید کا مالک و مختار تھا، اس کے لئے اس آیت سے راہنمائی حاصل کر کے نظام حکومت پہ نظر ثانی اور ترمیم کے بعد اپنے ملک کو اس قرآنی نظام کے تابع بنانے سے کیا امر مانع تھا؟ یہ عذر مولانا سندھی مرحوم کو خوش کرنے کے لئے جوش میں آکر اس نے پیش تو کر دیا، مگر ہوش سے کام نہیں لیا گیا، نہ اس کے تقاضوں پر عمل کیا گیا، ایک با اختیار صاحب اقتدار کی یہ بے بسی، اور مجبوری نا قابل فہم ہی نہیں بلکہ عذر لنگ ہے، ان کے مقاصد کی تکمیل اس آیت سے کسی طرح بھی نہیں ہو سکتی تھی، حقیقت یہ ہے کہ کمیونزم اور اس آیت کے مفہوم میں کوئی حد مشترک نہیں ہے، یہ آیت صرف سوال کرنیوالوں

کو اور وہ بھی اپنے اختیار سے "زائد" کے خرچ کرنے کا حکم دے رہی ہے، یہ حکم پوچھنے والوں کے لئے ہے، عام لوگوں کو تو یہ حکم نہیں دیا جا رہا، قل العفو سے پہلے یسئلونک ما ذا ینفقون موجود ہے، اس کا جواب قل العفو ہے، اس جواب کو سوال سے علیحدہ کر کے دیکھنے سے ہی آیت کا مفہوم بدل جاتا ہے۔

علامہ افغانی کا علامہ ابن حزم سے اختلافات

علامہ افغانی نے اس جگہ علامہ ابن حزم ظاہری سے اختلاف فرمایا اور اس کو جبری قانون کہنے پر استدراک کیا، علامہ افغانی فرماتے ہیں: "بہرحال ابن حزم نے جو کچھ لکھا وہ ان کے نزدیک ایک جبری قانون ہے لیکن اگر اس کو باہمی رضامندی اور جذبات اخوت کے تحت رضاکارانہ طور پر عمل میں لایا جائے تو یہ معاشی خوشحالی کے لئے بہترین ذریعہ ہو سکتا ہے"

اس کتاب میں "معاشیات اسلام کا تفصیلی نظام" پیش کیا گیا ہے، اور بتلایا گیا ہے کہ "اشتراکی اور اکتنازی نظریات میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ ان منکرین نے انسان کے صرف ایک پہلو (معاشی) پر نظر ڈالی اور باقی تمام پہلوؤں کو نظر انداز کیا، اس لئے الجھنیں بڑھتی گئیں، اور معاشی مسئلہ بھی حل نہ ہوا۔

علامہ نے "اسلام کا ہمہ جہتی معاشی حل" کے عنوان سے لکھا کہ:

"اسلام نے انسانی انفرادیت کو بھی قائم کیا اور جائز طریقوں سے انسان کو رزق کمانے اور شخصی ملکیت برقرار رکھنے کی پوری آزادی دی اور کوئی طاقت اس فطری آزادی کو سلب کرنے کی مجاز نہیں، اس پر قرآن کریم کی آیت ذیل سے استدلال فرمایا:

وان لیس للانسان الا ما سعی وان سعیہ سوف یری (پ ۲۷)

ہر انسان اپنے جائز اکتساب مال کیلئے سعی کرنے میں آزاد ہے اور اس کی کوشش کا ثمرہ صرف اس کا حق ہے۔

لیکن انفرادیت کا تقاضا پورا کرنے کے بعد اسلام نے انسان کے اجتماعی پہلو کے متعلق بھی ہدایات دیں اور اجتماعی دائرے کے فرائض سے بھی اس کو آگاہ کیا۔

اکتساب مال پر پابندی

اسلام نے اکتساب مال پر پابندی لگائی ہے تاکہ سرمایہ دارانہ مقاصد پیدا نہ ہوں، وہ یہ ہے کہ مال حلال ذریعہ سے حاصل کیا جائے، نہ حرام ذریعہ سے،

تاکہ سرمایہ دارانہ طغیان اور سرکشی پیدا نہ ہو، اس لیئے اس نے لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل" تم ایک دوسرے کے مال ناحق مت کھاؤ، کہہ کر باطل کمائی کے تمام دروازے بند کر دیئے، خواہ استعمار ہو، استحصال بالجبر ہو، رشوت، سود، ظلم، خیانت، چوری ہو، اس پابندی کی نہایت ٹھوس و اتفاقی دلیل علامہ نے پیش فرمائی، جو قابلِ توجہ ہے، فرماتے ہیں:۔

" مجموعہ دولت چونکہ افراد انسانی کا ذریعہ معاشی ہے، اگر ایک انسانی طبقہ ناجائز ذرائع سے مال بڑھائیگا، تو دوسرے طبقہ میں اسی تناسب سے مال کی کمی پیدا ہوگی، کیونکہ ناجائز ذرائع کا استعمال دو انسانوں کے درمیان ہے، انسان اور غیر انسان کے درمیان نہیں، جب ایک طبقہ کے پاس ناجائز دروازے سے مال آئیگا، تو جس انسان کے ساتھ اس نے ناجائز معاملہ کیا، اس کے پاس مال کی کمی پیدا ہوگی اور توازن معاشی بگڑ جائیگا۔ (صـ۱۲۸)

اتفاقی تحدید اسلام نے دوسری تحدید اور پابندی مال خرچ کرنے پر لگائی کہ وہ ناجائز کاموں میں صرف نہ ہو، جو تبذیر ہے اور نہ بے ضرورت خرچ ہو، جو اسراف ہے بلکہ خرچ میں اعتدال قائم رکھا جائے، علامہ فرماتے ہیں کہ:۔

اسلام چاہتا ہے کہ دولت کا رُخ بے جا محل سے موڑ کر کارِ خیر، غرباء اور اشاعتِ دین کے کاموں کی طرف متوجہ کر دے، یورپ کے صَرفِ بے جا کی تفصیل گذر چکی ہے جو عدم توازن معاشی کا اصلی سبب ہے"

تقسیم دولت اس عنوان کے تحت اسلام کے معاشی نظام اور دولت کی گردش کے بارہ میں بہت ہی جامع اور ہمہ گیر معلومات یکجا کر دی گئی ہیں، اس کے مطابق عمل کرنے سے دولت اپنے طریقہ سے گردش میں بھی آجاتی ہے اور کسی پر جبر بے جا بھی کرنا نہیں پڑتا، گردشِ دولت کا اس خدائی فارمولا سے بہتر اور جامع کوئی دوسرا فارمولا نہیں ہوسکتا۔

علامہ فرماتے ہیں " اسلام نے ایسے قوانین عطا کئے، جس سے زندگی میں بھی دولت زیادہ سے زیادہ حرکت کرے اور مرنے کے بعد بھی، زندگی میں قانون خمس، قانون زکوٰۃ، قانون عشر و نصف عشر و ربع عشر، قانون کفارات، قانون صدقۃ الفطر، قانون ادائے نذور، اعطاء سائل و محروم اور اعطاء زائد عن الضرورت ایسے قوانین ہیں، جس سے دولت تقسیم ہو کر متحرک ہوجاتی ہے اور معاشی سطح متوازن ہو جاتی ہے۔ ادیان عالم اور قوانین انسانیہ میں ایسے مکمل نظام کی نظیر موجود نہیں۔[۱]

اسلام کا مکمل وراثتی نظام

انسان جب مر جاتا ہے، تو یورپ کے قانون میں اکبر اولاد یعنی سب سے بڑا بیٹا، بیٹی، وارث ہوتے ہیں، گویا ایک سانپ خزانے پر بیٹھا اور ایک دوسرا اس کی جگہ بیٹھ گیا، باقی رشتہ داروں کو صرف گذارہ (الاؤنس) دیا جاتا ہے، ہندو اور سنو دھرم شاستر میں صرف لڑکے وارث ہیں، لڑکیاں وارث نہیں، لیکن اسلام نے وراثتی تقسیم کا مکمل نظام مقرر کیا کہ اس میں کل اولاد ذکور، اناث، بیویاں والدین، بھائی، بہن اور چچے بھتیجے سب حسب ترتیب مقررہ حقدار ہوتے ہیں، جن کی تین قسمیں ہیں، ذوالفروض، عصبات، ذوالارحام وغیرہ۔ علامہ رحؒ نے اپنی کتاب ضابطہ دیوانی میں اس کو مفصل لکھدیا ہے، اگر مذکورہ ورثاء موجود نہ ہوں تو پھر میّت کا کل ترکہ بیت المال میں تمام مسلمانوں کا حق بن جاتا ہے۔

یورپ اور امریکہ نے آخرت اور دین کو تو چھوڑا، صرف روٹی کی تقسیم کا مسئلہ ہاتھ میں لیا، لیکن اس تقسیم کا جو نتیجہ سامنے آیا، اقوام متحدہ کی سماجی رپورٹ سے واضح ہے کہ "انسانوں کی نصف آبادی بھوک اور امراض میں مبتلاء ہے"، قرآن کریم نے اعلان کیا، **نحن قسمنا بینہم معیشتہم**، کہ روٹی کی تقسیم ہم نے کی ہے، جس کی تفصیل ہم نے ابھی بیان کی ہے (۱۲۱، ۱۲۲)

عبرت آموز سبق حضرت علامہ افغانیؒ نے اس مزعومہ ترقی کا حال جس عبرت آموز اور دردمندانہ انداز میں فرمایا ہے، وہ حرز جان بنانے کے قابل ہے، فرماتے ہیں:

"تقسیم رزق کا کام تھا اللہ کا جب انسان ناقص نے اس کو اپنے ہاتھ میں لیا تو نصف دنیا بھوکی ہو گئی، آئین تقسیم رزق جو خدا کا کام ہے، اس کو ضعیف انسان جو خدا سے بدرجہا کم اہلیّت رکھتا ہے، کیسے انجام دے سکیگا، یورپ نے جب تقسیم رزق کا مسئلہ ہاتھ میں لیا، تو لوگوں کو امید تھی کہ اب روٹی کی فراوانی ہوگی، لیکن ہوا کیا، بقول اکبر

~ تھے فکر میں کیک کے روٹی بھی گئی
چاہی تھی بڑی چیز سو چھوٹی بھی گئی
اپنی تو وہی مثل، اے اکبر
پتلون کی فکر میں لنگوٹی بھی گئی (۱۲۲)

دل تو چاہتا ہے کہ اس کتاب کے مندرجات ناظرین کے سامنے پیش ہی کرتا چلا جاؤں مگر کمزوری طبیع اور امراض کے علاوہ وقت بھی بہت تنگ ہوتا جاتا ہے، اسی لئے اسی قدر کے تعارف پر قناعت کی جاتی ہے۔

سلوک و تصوّف اور روحانی مسلک

حضرت علّامہ افغانی رحمۃ اللہ علیہ علوم ظاہری میں جامعیت اور مہارت کے ساتھ علوم باطنی کے بھی ممتاز اور معتمد علیہ شیخ تھے، اس عنوان کا حق تو یہ تھا کہ کوئی روحانی بزرگ اس پر لکھتا اور شائد کسی بزرگ نے لکھا بھی ہو، مجھے معلوم نہیں کن کن عنوانات پر لکھا گیا ہے۔

اس زمانہ میں تصوّف و سلوک اور روحانی مسلک کا نام بہت ہی کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے اور اپنے لوگوں کو اس عنوان سے اتنی اجنبیت ہوگئی کہ گویا یہ عنوان دوسرے لوگوں کے لئے مختص ہوگیا ہے اور ہمارے حضرات تصوّف و سلوک اور روحانیت سے خالی تھے استغفر اللہ العلی العظیم۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارے اکابر علماء دیوبند نے حضرت سیّد احمد شہیدؒ بریلوی اور حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید دہلویؒ سے لیکر آج تک سلوک و تصوّف اور روحانیت کی اتنی عظیم خدمت کی ہے کہ برّ صغیر میں کسی دوسری جماعت کے حصہ میں اتنی خدمت نہیں آئی، مجاہد کبیر سید احمد شہیدؒ کی صراط مستقیم جس کے ایک حصّہ کے مولف و مرتّب مولانا اسمٰعیل شہیدؒ ہیں اور دوسرے کے مولانا عبدالحیٔ بڈھانویؒ تصوّف و سلوک اور علوم معرفت در روحانیّت کا عظیم خزانہ ہے، اس کی قدر اس سے استفادہ کرنیوالوں ہی کو ہو سکتی ہے۔

حکیم الامّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے اس دور میں تصوّف کی جو علمی اور عملی تحریری اور تقریری خدمت انجام دی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ہے۔

مسائل السلوک عربی اور اس کا ترجمہ دفع الشکوک اُردو تفسیر مکمل بیان القرآن کے حاشیہ پر افادہ عام کے لیے طبع کرائی گئی ہے اور کتاب "تائید الحقیقہ بآیات العتیقہ" "التکشف" کا جزء بنا دیگئی ہے، ان دونوں کتابوں میں قرآن کریم کی آیات سے مسائل تصوّف اور سلوک کا استنباط کیا گیا ہے۔ اسیطرح التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف، کتاب میں حضرت تھانویؒ نے احادیث سے مسائل سلوک کا استخراج کیا ہے، اس کے تین حصّے ہیں، احقر نے ان کتابوں کا تفصیلی تعارف اپنے مضمون حضرت حکیم الامّت کی خدمت تفسیر اور خدمت حدیث میں کرادیا ہے۔

ماہنامہ "النصیحۃ" کے شمارہ ۶، ۷ جلد ۴ میں، مولانا عبدالدیان کلیم فاضل دیوبند کا مضمون علمائے دیوبند اور علم تصوّف دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ فاضل مضمون نگار نے

اپنے اس مضمون میں "علمائے دیوبند" کی خدمت تصوف وسلوک کا اچھا تعارف کرایا ہے، خصوصاً حضرت حکیم الامت تھانوی رح کی رفع الشکوک اور التشرف سے کئی مسائل سلوک بطور مثال کے پیش کئے ہیں، ہمارے عزیز نوجوان طلباء کو خصوصیت کے ساتھ ایسے ماہناموں اور مضمونوں کو زیر مطالعہ رکھنے کی ضرورت ہے، جن میں ایسے مضامین آتے ہوں تاکہ ان کو بھی فی الجملہ تصوف وسلوک کے متعلق معلومات کا تعارف کم از کم بدرجہ علم ہی ہوتا رہے۔

اصل بات تو یہ ہے کہ یہ علم دانستن سے زیادہ داشتن سے تعلق رکھتا ہے، کسی فلسفی حکیم نے جب اخلاق سے متعلق کتاب لکھ کر ایک عارف اور حکیم اسلام کی خدمت میں پیش کی تھی، تو حکیم اسلام نے فرمایا تھا کہ میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ فلسفی اخلاق جانتا نہیں بلکہ یہ کہا تھا کہ فلسفی اخلاق رکھتا نہیں، جاننے اور رکھنے میں بہت فرق ہے، اخلاق جان لینے اور دانستن کے بعد پھر اخلاق سے متخلق ہونے اور داشتن کی بھی ضرورت ہے۔

اسی لئے دیکھا جاتا ہے کہ اکابر علماء رحمہم اللہ نے علمی کمالات کے حصول اور علوم و فنون کے جامع ہونے کے بعد بھی اصلاح اخلاق اور تزکیۂ باطنی کے لئے کسی عارف اور مربی کی تربیت حاصل کی ہے، بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رح شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند شیخ الھند مولانا محمود حسن دیوبندی رح حضرت حکیم الامت تھانوی رح، حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی رح وغیرہ وغیرہ سب ہی حضرات نے حضرت مرشد کامل عارف باللہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح کو اصلاح و تربیت کے لئے منتخب فرمایا۔

حضرت تھانوی رح کا مقولہ مشہور ہے کہ ہماری یعنی علماء اور حضرت حاجی صاحب رح کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک باورچی مٹھائی بناتا ہے لوگوں کو تو کھلاتا ہے مگر خود نہیں کھاتا، ایک دوسرا شخص مٹھائی کھلاتا ہے، علماء ظاہر تو دوسروں کو مٹھائی کھلانے میں ہی رہتے ہیں اور مرشد کامل ان کو مٹھائی بناتا ہے۔

اسی طریقہ اکابر رح کے موافق حضرت علامہ افغانی رح بھی سلسلہ قادریہ میں پہلے اپنے والد صاحب رح سے بیعت ہوئے تھے، اس کے بعد حضرت مولانا غلام محمد صاحب رح دین پوری سے بھی کسب فیض کیا اور آخر میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب بانی جامعہ اشرفیہ لاہور (خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانوی رح) سے اخذ فیض

واجازت بیعت حاصل کی۔ ہمارے حضرت تھانوی رح چاروں سلسلوں میں بیعت فرماتے تھے مگر ذکر واذکار زیادہ تر سلسلہ چشتیہ صابریہ امدادیہ کے مطابق تعلیم فرمایا کرتے تھے۔

مجھے افسوس ہے کہ علامہ افغانی رح کے "روحانی مسلک" کی تفصیل عرض نہیں کر سکا اور اس سلسلہ کی "خدمات" اور آپ کے "فیوضات روحانیہ" کا تذکرہ نہیں ہو سکا، حالانکہ تمام علوم ظاہری کی روح اور جان یہی تصوف وسلوک اور تزکیہ باطنی ہی ہے، اس کے بغیر اخلاص کی دولت میسر نہیں آتی اور اخلاص کے بغیر کسی علم وعمل کا ثمرہ "رضاء الٰہی" حاصل نہیں ہوتا۔ اللھم وفقنا لما تحب وترضی من قول وعمل آمین۔

علامہ رح کی احقر کے ساتھ محبت وشفقت

ایسے خاص علماء اور اکابر تمام مسلمانوں کے مشترک علمی سرمایہ ہوتے ہیں اور ان حضرات کا سب کے ساتھ ہی محبت وشفقت کا سلوک ہوتا ہے، مگر بعض کے ساتھ تلمذ یا ارادت یا آمدورفت وغیرہ خصوصیات کی وجہ سے یہ تعلق محبت زیادہ ہوتا ہے۔

حضرت علامہ رح جامعہ اشرفیہ لاہور اکثر تشریف لاتے رہتے تھے۔ احقر کا تعلق تربیت بھی حضرت حکیم الامت تھانوی رح کی وفات کے بعد حضرت مفتی محمد حسن رح صاحب سے ہی تھا، اس لئے احقر بھی اکثر وہاں حاضری دیتا رہتا تھا، اسطرح حضرت علامہ رح سے تعارف بڑھا اور علمی مجالس میں شرکت کا شرف حاصل ہوا، ورنہ ایسی عظیم شخصیت کے ساتھ ناچیز کو کیا نسبت تھی، دو چار مرتبہ عریضہ لکھنے کی بھی نوبت آئی، حضرت علامہ رح نے باوجود مشاغل کثیرہ کے اپنے دست مبارک سے ہی جواب لکھ کر عنایت فرمایا، جو احقر کے لئے سرمایہ سعادت ہے اور بطور تبرک احقر کے پاس محفوظ ہیں، اب ان کی نقل اس تحریر کے ساتھ بھیج رہا ہوں، تاکہ یہ تبرکات محفوظ ہو جائیں اور تاریخ کا حصہ بن جائیں۔

ان گرامی ناموں میں کوئی علمی مضمون نہیں ہے، معمولی عام عریضوں کے جوابات ہیں، احقر کی علمی سطح ہی کتنی تھی، جو حضرت علامہ رح کے سامنے کچھ علمی معروضات پیش کرتا، اور حضرت علامہ رح کے علمی افادات سے بہرہ ور ہوتا، اب ان گرامی ناموں کی نقل بغیر کسی ترتیب کے جو علامہ رح کے قلم سے نکلے ہوئے ہیں، بعینہٖ انہی کے الفاظ کے ساتھ کرتا ہوں، ان میں احقر کے متعلق بعض القاب وغیرہ احقر کی نسبت سے یقیناً اونچے ہیں، مگر تبرک کے طور پر باقی رکھے گئے۔

۱۔ ۹ ربیع الاوّل ۸۵ سنہ ء

محترم بندہ زید فضلہ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ، باوجود ابتلاء امراض اور اشغال کثیرہ کے میں نے آپ کے جلسے کی تاریخیں نوٹ کرانے کی کوشش کرونگا کہ شریک اجلاس ہو کر آپ کی دیرینہ تمنا کو پورا کر سکوں۔ فقط والسلام۔

شمس الحق افغانی

نوٹ، میں از ۱۵ جون لغایت آخر اگست رخصتی ترنگ زئی پشاور گھر پر ہونگا، یکم ستمبر ۶۶ سنہ، بہاولپور پہنچونگا، انشاءاللہ تعالیٰ۔ ۲۰ اکتوبر کو یاددہانی کرائی جائے۔

شمس الحق

۲۔ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۸۵ سنہ ھ

محترم زید مجدہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا خط محررہ ۱۲ ستمبر آج ۱۲ ستمبر کو پہنچا، اسوقت حالات غیر معمولی ہیں، اور گھر کے عیال سے میں کسی جگہ نہیں جا سکتا اور سفر کو قطعاً بند کیا جلسہ وفاق جو ملتان میں ہونے والا تھا، ان کو بھی یہ جواب دیا، چنانچہ انہوں نے جلسہ ہی ملتوی کر دیا، اُمید ہے کہ عذر کو قبول کر کے مجھے حاضری جلسہ سے معاف فرمائیں گے شمس الحق افغانی بہاولپور

(حضرت کی شفقت کی کوئی انتہا ہے کہ شرعی عذر کے ہوتے ہوئے بھی اپنے وعدہ کا اسقدر پاس و لحاظ فرما رہے ہیں کہ "معاف فرمائیں گے" کے الفاظ استعمال فرما رہے ہیں، ہم جیسوں کے لئے اسطرز تحریر میں ایفاء وعدہ کا بڑا سبق ہے، اس شرعی عذر کے ہوتے ہوئے قبول معذرت کے سوا چارہ ہی کیا ہو سکتا ہے، اس حالت میں حضرت علامہ نے استحقاق تسلیم فرما کر طلب معافی کا لفظ استعمال فرمایا، اسطرح اپنی کریم النفسی اور تواضع کا ثبوت پیش فرمایا۔)

۳۔ ۱۵ اکتوبر ۶۶ سنہ ء

محترم سلمہ ربہ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ، تاریخ کو میں نے نوٹ کیا ہے، کوشش شرکت کرونگا، اگرچہ اس

دقت مرض ذیابیطس میں مبتلا اور تین ماہ سے علاج کر رہا ہوں جس میں سفر کی بندش ہے اُمید ہے کہ اس وقت تک صحت ہو جائے، دعا فرمایا کریں۔

شمس الحق افغانی عفا اللہ عنہ، جامع اسلامیہ بہاولپور

" شدت مرض کے ہوتے ہوئے بھی صحت پر وعدہ فرمالیا اور عذر مرض کی وجہ سے انکار نہ فرمایا عین شفقت کا سلوک ہے "

۴ ؎۔ ذیل کا گرامی نامہ اس زمانہ کا ہے کہ جب حضرت علامہ اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن تھے

تھے، احقر نے جو مشورہ عرض کیا وہ تو محفوظ نہیں مگر جواب گرامی سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہ حنفی کے تحفظ کے بارہ میں کچھ عرض کیا ہوگا، حضرت علامہ نے ارقام فرمایا،

محترم المقام مولانا سید عبدالشکور صاحب سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا خط پڑھا، مشورہ کا ممنون ہوں لیکن بحمد اللہ مذہب حنفی کا پورا لحاظ رکھا جاتا ہے، میری رکنیت کا پانچواں مہینہ نومبر شروع ہے، اس دوران شاہ خالد کے مشیر اور جملہ ممبران سے تعزیرات پر بحث ہوئی۔ بحمداللہ افہام و تفہیم کے بعد حنفی مسلک کے مطابق سفارشات بھیجدی گئیں جس پر عمل ہوگا۔ میری رکنیت سے قبل کے مسائل تعلیمات، عبادات، اخلاق اور معاشرت کے متعلق شرعی سفارشات بھیجے جا چکے ہیں اس میں حضرت مولانا محمد یوسف (مرحوم)، مولوی محمد تقی عثمانی موجود تھے، دونوں نے حنفی مسلک کی ترجمانی کی، بہرحال اپنی کوشش بھی ہے جو آپ نے لکھا، اکثریت پاکستان بھی حنفیوں کی ہے اور خود فتاویٰ عالمگیریہ کی تدوین کے وقت سے متحدہ ہندوستان میں اس پر عمل بھی انگریزی قانون کے وقت تک چلا آتا رہا، تسلی رکھیں اور صحت کی دعا بھی کریں۔

خود میری دو کتابیں معین القضاۃ والمفتین عربی اور شرعی ضابطہ دیوانی مذہب حنفی کے مطابق مطبوعہ ہو چکی ہے۔

شمس الحق افغانی

مقام و ڈاکخانہ ترنگ زئی چارسدہ، پشاور

---

۵ ؎۔ یہ گرامی نامہ احقر کو ۶ ذوالحجہ ۱۳۹۲ھ کو موصول ہوا، چھپے ہوئے پیڈ پر تحریر شدہ

ہے، مگر تاریخ درج نہیں ہے، احقر نے ایک رسالہ بنام "عقائد علمائے دیوبند" کی ترتیب دی تھی، یہ درحقیقت علماء دیوبند کی مسلکی اجماعی دستاویز "المہند علی المفند" کی تلخیص معہ اضافات ہے، اس رسالہ کو طباعت کے لئے مولانا محمد علی جالندھری مرحوم لے گئے تھے، حضرت علامہؒ نے اس پر بالفاظ ذیل تصدیقی تحریر ثبت فرمائی، جو رسالہ کے ساتھ کئی مرتبہ طبع ہو چکی ہے۔

الحمد للّٰہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ امّا بعد ....

رسالہ ہذا کے مختلف حصص کو دیکھا۔ مندرجات رسالہ وہی مسائل ہیں، جن پر اہل سُنّت والجماعت متفق ہیں، جن میں علمائے دیوبند بھی داخل ہیں، بہرحال معنون جن مسائل کا مجموعہ ہیں، وہ صحیح اور صواب ہیں اور موافق مسلک اکابر دیوبند ہیں، اللہ تعالیٰ مصنّف کو جزائے خیر دیں کہ اس نے محنت کر کے حق کو مرتب کیا اور اہل سنت والجماعت اور اُن کے خلاف گروہ میں حد فاصل قائم کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبولیت بخشیں۔ شمس الحق افغانی

جامعہ اسلامیہ بہاولپور، صدر شعبہ تفسیر ۱ رمضان ۸۹ھ

حضرت علامہؒ اپنی اس تصدیق میں ہے کہ آں ممدوح کے نزدیک (۱) رسالہ کے مندرجات وہی مسائل ہیں جن پر اہلسنت والجماعت متفق ہیں (۲) علماء دیوبند بھی اہلسنت والجماعت میں داخل ہیں (۳) مصنف رسالہ نے "اہل سُنت والجماعت اور ان کے خلاف گروہ میں حد فاصل قائم کیا" مجموعہ تصدیق کا حاصل یہ ہوا کہ اس رسالہ کے مندرجات سے اختلاف کرنے والا اہل سُنت والجماعت کے بھی خلاف ہے اور علماء دیوبند کے بھی خلاف ہے، کیونکہ علماء دیوبند کا مسلک وہی ہے جو اہلسُنت والجماعت کا ہے، ان کا مسلک اہلسُنت والجماعت سے علیحدہ کوئی اور مسلک نہیں ہے اور یہ رسالہ اہلسُنّت والجماعت اور غیر اہلسنت والجماعت میں حدِ فاصل ہے، اہلسُنت والجماعت کو غیر اہلسُنت والجماعت سے متمیز اور جدا کرنیوالا ہے۔

جو لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم دیوبندی نہیں ہیں، ان کو غور کرنا چاہیئے کہ وہ اسطرح کہہ کر کہیں اپنے اہلسُنت والجماعت ہونے کی نفی تو نہیں کر رہے ؟

حقیقت یہ ہے کہ عصر حاضر میں "مسلک دیوبند" اہل سنت والجماعت" کے مسلک کا ہی دوسرا نام ہے اور "مسلک دیوبند" مسلک اہلسُنّت والجماعت کا ہی دوسرا تعارفی عنوان ہے یہ کوئی مستقل اور علیحدہ مسلک نہیں ہے کہ اس سے علیحدہ ہو کر کوئی بھی

شخص مسلک اہلسنّت والجماعت میں شامل رہ سکے بلکہ جو "مسلک دیوبند" سے خارج ہے وہ مسلک اہلسنّت والجماعت سے بھی خارج ہے۔

"مسلک دیوبند" کو پہچاننے اور سمجھنے کے لئے "المہند علی المفند" معیاری دستاویز ہے، جس پر حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ سمیت اسوقت کے چوبیس اکابر علماء دیوبند کی تصدیقات ثبت ہیں اور علماء حرمین اور دمشق و مصر کی تصدیقات اس کے علاوہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اختلاف رونما ہوا تو اس وقت کے موجودہ اکابرؒ نے بھی اس کتاب المہند کو متفقہ مسلک دیوبند کے طور پر پیش کیا تھا چنانچہ "مقام حیات" مؤلفہ علامہ خالد محمود کے صـ ۲۷۲ پر یہ تحریر طبع شدہ ہے جس پر دوسرے اکابر علماء رحمہم اللہ کے ساتھ علامہ شمس الحق افغانیؒ کے دستخط بھی ثبت ہیں صورت تحریر یہ ہے "صورۃ ما کتبہ اکابر العلماء وجہابذۃ الفضلاء لمن تولی الدرس والافتاء۔

"حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ	مسئلہ حیات النبیؐ میں اکابر دیوبندؒ کا مسلک اکابر دیوبند کا متفقہ اعلان

والسلام کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہٖ محفوظ ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور حیات دنیوی کے مماثل ہے، صرف یہ کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہل السنّت والجماعت کا مسلک ہے۔"

اکابر دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تو مستقل تصنیف حیات انبیاءؑ پر "آب حیات" کے نام سے موجود ہے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ، جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں، ان کا رسالہ "المہند علی المفند" بھی اہل انصاف و اہل بصیرت کے لئے کافی ہے، اب جو اس مسلک کے خلاف دعویٰ کرے، اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

محمد یوسف بنوری
مدرسہ اسلامیہ عربیہ کراچی ۵

عبدالحق عفی عنہ
مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ
محمد رسول خان عفا اللہ عنہ،
جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد، لاہور
(مفتی) محمد حسن
مہتمم جامعہ اسلامیہ، لاہور
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ،
دارالعلوم کراچی

(مفتی) محمد صادق عفا اللہ عنہ
سابق ناظم محکمہ امور مذہبیہ، بہاولپور
شمس الحق عفا اللہ عنہ
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان
ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ
شیخ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہیار، سندھ

احقر کے رسالہ "عقائد علماء دیوبند کی تصدیق" کے ضمن میں اس "متفقہ اعلان" کا ذکر کرنا بھی مناسب تھا، کیونکہ اس متفقہ اعلان پر بھی حضرت علامہؒ کے دستخط بحیثیت صدر وفاق المدارس العربیہ ثبت ہیں۔

اہل حل وعقد کی خدمت میں

وفاق کے اہل حل وعقد کو بھی غور کرنا چاہیئے کہ انہوں نے جن اہل مدارس کی شمولیت سے وفاق بنایا ہوا ہے کہیں ان میں تو ایسے حضرات داخل نہیں ہیں جن کو ان تمام "اکابر دیوبند" کی مسلکی دستاویز سے اختلاف کا دعویٰ ہے۔ یہ تمام اکابر اور سابق "صدر وفاق" ایسے شخص کے بارہ میں متفقہ اعلان کر چکے ہیں کہ اس کا "دیوبند" کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں"۔

حضرت علامہ افغانی کی اعتدال پسندی

احقر کی کتاب "ہدایت الحیران فی جواہر القرآن" پر حضرت علامہ افغانیؒ کی اصلاح تفسیر جواہر القرآن کے بعض مقامات سے متعلق احقر نے ایک کتاب ہدایت الحیران فی جواہر القرآن کے نام سے لکھی تھی وہ تقریباً بیس سال سے طبع ہو چکی ہے، دوسری طرف سے اس کے جواب میں ایک کتاب "اقامۃ البرھان" کے نام سے لکھی گئی، اس کے اوپر بطور مصنف کے "سید سجاد بخاری" کا نام لکھا ہوا ہے۔

احقر کی حضرت علامہ افغانیؒ سے مراسلت ہوئی اور اس سلسلہ میں کئی خطوط آتے گئے۔ تطویل کے خوف سے اپنے خطوط کا پورا متن نہیں پیش کیا جا رہا بلکہ ان کے صرف اقتباس پیش کرنے پر ہی اکتفاء کیا جا رہا ہے، البتہ حضرت علامہؒ کے گرامی نامہ کا پورا متن اس نیت سے درج کیا جا رہا ہے کہ وہ محفوظ ہو جائے اور حضرت علامہ کی اعتدال پسندی کی

سند قرار پائے

"عریضہ اوّل"

۴ ربیع الاوّل ۱۳۹۲ھ

حضرت المحترم دامت برکاتہم العالیہ (علامہ افغانی رح)

ایک مرتبہ شعبان کے آخر میں حضرت والا ملتان حضرت مولانا خیر محمد صاحب رح کی مزاج پرسی کے لئے تشریف لائے تو احقر بھی حضرت مرحوم رح کی خدمت میں حاضر تھا، اور کتاب مذکور (ہدایت الحیران) کا مسودہ میرے ہاتھ میں تھا، حضرت مرحوم رح کے ارشاد پر میں نے حضرت والا (علامہ افغانی رح) کو جواہر القرآن کا وہ اقتباس سنایا، جسمیں قد نریٰ تقلب وجهك فی السماء کی یہ تحقیق لکھی ہے کہ "ہم دیکھ رہے ہیں، تکلیف اور ناگواری کے ساتھ آپ کے بار بار آسمان کی طرف دیکھنے کو کہ کہیں تحویل قبلہ کا حکم نہ آجائے کیونکہ آپ کی خواہش یہ تھی کہ ابھی تحویل قبلہ نہ ہو اور بیت المقدس ہی قبلہ رہے الخ تو حضرت والا نے یہ فرماتے ہوئے کہ یہ تو تحریف ہے، فرمایا تھا کہ میرے پاس بھیجدیں، اچھی طرح دیکھ کر تفصیلی رائے لکھدونگا۔ ....

میری خواہش ہے کہ حضرت والا اس کتاب کو اچھی طرح امعان نظر سے ملاحظہ فرمائیں ..... اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو تفسیر قرآن سے بحمد اللہ تعالیٰ خصوصی مناسبت عطا فرمائی، اس لئے احقر کی تمنا یہ ہے کہ جواہر القرآن پر احقر کی گرفت کو تنقیدی نظر سے دیکھا جائے اور اس کی صحت وسقم کو پرکھا جائے، تقریظ کے لئے عام طور پر جس طرح سرسری ملاحظہ کے بعد اعتماد کر لیا جاتا ہے، اسطرح نہ فرمایا جائے .....

احقر نے "جواہر القرآن" کے اقتباسات پیش کرنے میں بڑی احتیاط کی ہے مگر پھر بھی حوالوں کی مطابقت دیکھنے کے لئے اگر حضرت والا مناسب سمجھیں تو یہ احقر اصلی کتاب "جواہر القرآن" اور "بلغۃ الحیران" برائے ملاحظہ پیش کرنے کیلئے حاضر ہے۔ والسلام

اس عریضہ کے جواب میں حضرت علامہ رح نے دونوں کتابوں کو طلب فرمایا، ذیل میں والا نامہ پیش ہے۔

گرامی نامہ حضرت علامہ افغانی رح

۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۹۲ھ۔

محترم سلمہ ربہ،

السلام علیکم۔ بعد از سلام مسنون و دعاء ترقیات آنکہ آپ ہر دو کتاب بنام مولانا لطافت الرحمٰن مدرس اعلیٰ جامعہ اسلامیہ بہاولپور بھیجدیں اور ساتھ ہی تحریر کریں بعد از ملاحظہ اپنی رائے کے ہمراہ وہ مجھے ہر دو کتاب پیش کریں تاکہ اس کی تحریر کی روشنی میں کم وقت میں اپنی رائے لکھ سکوں۔ فقط والدعاء

شمس الحق افغانی جامعہ اسلامیہ بہاولپور

دوسرے والا نامہ میں ارشاد فرمایا۔

۶ر ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ

محترم المقام سلمہ ربہ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آپ کی کتاب بلکہ اس کی تردید میں دوسری جانب سے جو کتاب لکھی گئی ہے، سب پہنچی ہیں، سرسری نظر کافی نہیں اور تفصیلاً لکھنے کیلئے فرصت کی ضرورت تھی، اس لئے تاخیر ہوئی مولوی لطافت الرحمٰن صاحب دیکھ رہے ہیں، آپ کی کتاب اور اس کے جواب دونوں کو میں بھی عید کی تعطیل میں نظر ڈال کر اپنی رائے لکھدونگا۔

شمس الحق افغانی، جامعہ اسلامیہ بہاولپور

آمدم برسر مطلب، حضرت علامہ افغانیؒ کی جس رائے گرامی کی یہ طولانی تمہید تھی، اب اس کو ملاحظہ کیا جائے۔ یہ رائے گرامی اصل میں مکرمی جناب مولانا لطافت الرحمٰن افغانی صاحب زاد مجدہم کے قلم سے ان کے اپنے چھپے ہوئے پیڈ پر لکھی ہوئی ہے اور اس پر حضرت علامہ افغانیؒ کے تصدیقی الفاظ ثبت ہیں، اب وہ تحریر ملاحظہ کی جائے۔

عنایت نامہ مولانا لطافت الرحمٰن صاحب افغانی مع تصدیق حضرت علامہ افغانیؒ

۲۲ر جنوری ۷۳ء

از جامعہ اسلامیہ بہاولپور

مکرمی جناب مولانا سید عبدالشکور صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ کی کتاب "ھدایۃ الحیران فی جواھر القرآن" کو الاستاذ حضرت علّامہ افغانی دامت برکاتہم نے خود بھی ملاحظہ فرمایا۔ آپ کی طرف سے طلب تقریظ و توثیق کی بابت فرماتے ہیں کہ متعلقہ مقامات میں آپ کی تحقیق اور بسط و تفصیل قابلِ تحسین ہے، مگر اس پہلو سے بھی غلو اور راہِ اعتدال سے تجاوز ہے، مثلاً "انّھا لکبیرۃ" کی ضمیر کو بہ تاویل استعانت، عبادت خصلت، صوم و صلوٰۃ دونوں کو لوٹانے کا مفسرین نے کثرت سے لکھا ہے لیکن آپ نے اس کو ایک مستقل جھگڑا قرار دیا ہے۔

اسی طرح ان مواضع میں سے مولانا غلام اللہ خان صاحب، صاحب جواہر القرآن" کی جانب سے بھی کچھ فروگذاشتوں کا ارتکاب ہوا ہے، مثلاً عذابِ قبر کے بارہ میں وہ اپنی کتاب "اقامۃ البرھان" کے صـ۲۵۷ پر لکھتے ہیں کہ "چنانچہ بہت سے علماء اور صوفیہ کے نزدیک برزخ میں ثواب و عذاب صرف روحوں کے لئے ہے اور بدنِ عنصری اس میں شریک نہیں"، پھر خود ہی صـ۲۹۸ پر کتاب الروح لابن القیم سے نقل کرتے ہیں کہ" بل العذاب والنعیم علی النفس والبدن جمیعا باتفاق اھل السّنّۃ والجماعۃ "

بہرحال دبرصورت علماء دیوبند کا مسلک حق ہمیشہ اعتدال کا رہا ہے اور اس قسم کے جزوی امور کو منشاء نزاع بنانا نافع نہیں ہے۔ ہاں یہ بھی درُست ہے کہ مسلک حق میں اغماض علی الباطل اور مداہنت کی بھی گنجائش نہیں ہے، مگر وہ تو تب کہ متنازع موقع میں کوئی صحیح مساغ اور تاویل ممکن نہ ہو۔

باقی آپ کی دو کتابیں میرے پاس محفوظ ہیں، آپ جب طلب فرمائیں گے ارسال کی جائیں گی، انشاء اللہ۔ والسلام ناچیز محمد لطافت الرحمن افغانی انچارج فقہ و قانون

جامعہ اسلامیہ بہاولپور، مورخہ ۲۲ر جنوری سـ۷۳ـنہ

(لکھا ہوا درست ہے)

شمس الحق افغانی عفاء اللہ عنہٗ ۲۲ر جنوری

میری گستاخی اس کے بعد احقر نے مکرمی جناب مولانا لطافت الرحمن صاحب زید مجدہم کی خدمت سامی میں گستاخی آمیز شکریہ کا عریضہ لکھا اور مولانا موصوف نے اپنی عالی حوصلگی سے مجھ جیسے گمنام فقیر اور بے مایہ شخص کی گستاخی کو برداشت کیا اور یہ مراسلت ختم ہوگئی، اس عریضہ کو بعینہٖ نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں، شائد اس میں بھی کوئی بات کسی کے لئے مفید ہو اور

کتابیں تو واپس آ گئی تھیں مگر یاد نہیں رہا کس ذریعہ سے آئیں۔

حضرت علامہ رح کی اعتدال پسندی کی یہ ایک مثال ہے کہ ادنیٰ سے غلو کو محسوس فرما کر اس کی نشاندہی کر دی۔ ناظرین کرام کی واقفیت کے لئے مختصر طریقہ پر اس "غلو" کی حقیقت بھی عرض کی جاتی ہے۔

احقر نے ضمیمہ ہدایت الحیران میں یہ لکھا تھا وانہا لکبیرۃ کی تفسیر میں جمہور نے یہ لکھا ہے کہ انہا کی ضمیر صلوٰۃ کی طرف راجع ہے اور مرجع کا قریب ہونا مرجح ہے جمہور کی رائے کا۔ مگر جواہر میں لکھا ہے کہ "انہا کی ضمیر خصلۃ کی طرف راجح ہے اور اس سے مراد استعانت بالصبر والصلوٰۃ ہے، جو ماقبل سے مفہوم ہے، یعنی نفس کو مرغوبات سے روکنا اور اسے دنیا کے گوناگوں منافع اور بوقلموں تحائف کو ترک کرنے پر آمادہ کرنا بہت ہی شاق اور دشوار۔ (جواہر ص۳۱) اس جگہ بھی جمہور مفسرین کی رائے کے خلاف تفرداً اختیار کیا گیا ہے جو کہ قابل اصلاح ہے (ص۲)۔ یہ ایک تفسیری ترجیح ہے اور مرجع کا قریب ہونا اس کے لئے مرجح قرار دیا گیا ہے، اس پر کوئی نقض نہیں کیا گیا، البتہ یہ تاویل استعانت وغیرہ صوم وصلوٰۃ، دونوں کی طرف ضمیر کا لوٹانا مفسرین کی طرف نسبت کیا گیا ہے، اس سے تو انکار نہیں کیا گیا تھا، صلوٰۃ کی طرف ضمیر لوٹانے کو صرف راجح ہی کیا گیا تھا، جس سے دوسری شق کا صرف مرجوح ہونا لازم آتا ہے، اس کے راجح ہونے کی دلیل تو اپنی جگہ قائم ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی رح ارجح الاقوال پر اعتماد کرتے ہیں، خطبہ جلالین میں اس کی تصریح کی ہے، وہ ضمیر کا مرجع صرف صلوٰۃ لکھتے ہیں۔ حاشیہ جمل میں ہے (قولہ الصلوٰۃ) ھذا ھو الجاری علی قاعدۃ کون الضمیر للاقرب، وقیل الاستعانۃ المفھومۃ من استعینوا (ص۱۸، ج۱) ضمیر کے رجوع کا جو قاعدہ ہے کہ وہ اقرب کے لئے ہوتی ہے، اس کے موافق صلوٰۃ ہی مرجع ہے، مگر دوسری تاویلی معنی کو بھی قیل سے بیان کر دیا گیا، جو ضعف کی طرف مشیر ہے، پھر اس تفسیر کی حدیث اذا حذبہ امر فزع الی الصلوٰۃ سے بھی عملی تائید ہو رہی ہے اور اس میں لفظی قاعدہ کے تحفظ کے ساتھ معنویت اور جامعیت کا بھی پورا پورا لحاظ ہے، چنانچہ بیضاوی میں ضمیر کے صلوٰۃ کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ میں لکھا ہے، وتخصیصھا والضمیر الیھا لعظم شانھا واستجماعھا فرد بامن الصبر (ج۱ ص۵۱) لیکن پھر بھی اگر کسی کے نزدیک اس کا دوسرا تاویلی مرجع راجح ہو تو وہ اسے اختیار کرنے کی وجوہات بیان

احقر کا موقف بھی اس سے واضح ہو رہا ہے۔

عریضۂ احقر

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا

باسمہ تعالیٰ

مکرمی مولانا لطافت الرحمن صاحب زاد مجدھم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج گرامی؟ میری کتاب "ہدایت الحیران فی جواہر القرآن" پر آپ نے جو محنت ومشقت اور وقت صرف کیا، اس کے لئے احقر ممنون ہے جزاکم اللہ خیرا، مگر اس محنت کشی کا زیادہ فائدہ اس صورت میں ہوتا کہ اس کتاب کے ایسے مواضع کی نشان دہی بالتعین کردی جاتی جن میں "غلو اور راہ اعتدال سے تجاوز" محسوس ہوا ہے اور صرف ایک مثال پر اکتفا نہ کیا جاتا، اسیطرح مولانا غلام اللہ خان صاحب کی جانب سے بھی کچھ فرد گزاشتوں کا ارتکاب ہوا ہے، ان کی تفصیلی تعیین یا کم سے کم "جواہر القرآن" میں سے ایک مثال پیش کی جاتی "اقامۃ البرھان" کی مثال پر ہی اکتفا نہ کیا جاتا، کیونکہ "ہدایت الحیران" میں زیر تبصرہ کتاب "جواھر القرآن" ہے۔

یہ صحیح ہے کہ جزوی امور کو منشاء نزاع بنانا نافع نہیں، مگر ترجیح راجح اور تضعیف مرجوح جزوی امور میں بھی علماء حق کا ہمیشہ معمول رہا ہے اور صرف اس لئے اغماض اور مداہنت سے کام نہیں لیا گیا کہ دوسری جانب بھی کوئی دلیل اور تاویل ممکن ہے، بلکہ راجح اور مختار کا برملا اظہار کیا گیا ہے یہی علماء دیوبند کا مسلک اعتدال ہے جس پر ان کی کتب شاہد عدل ہیں، کیا آمین بالجہر، رفع یدین، جیسے جزوی مسائل سے بھی ان متنازع امور کی حقیقت علماء دیوبند کے نزدیک کم ہے؟ جن پر اکابر نے ہمیشہ تحریراً وتقریراً جانب مخالف کی تردید کی ہے اور اب بھی کر رہے ہیں۔

مجھے کسی سے نزاع مقصود نہیں ہے، میرا ارادہ ہے کہ میری کتاب میں امر مرجوح یا غلط ثابت ہو جائے، اس کی تصحیح کردی جائے، آپ اس کی نشاندہی کی تکلیف فرماتے تو میری رہنمائی ہو جاتی۔

میری کتابیں بذریعہ ڈاک بھیجدی جائیں، محصول کا وی پی کردیا جائے، باقی دعا استقامت چاہتا ہوں۔ والسلام۔

سلسلہ مکتوبات شریفہ اکابرین ملت

احباب کرام اور خصوصی متعلقین بزرگان دین سے مودبانہ التماس

۱ - مکتوبات حضرت شیخ التفسیر: قطب العالم شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ کی مفصل زیر ترتیب سوانح حیات کی پہلی جلد ان کے عجیب و غریب مکتوبات مبارکہ پر مشتمل ہے جسے ان کے جانشین حضرت مولانا عبیداللہ انور رحمتہ اللہ علیہ دامت برکاتہم نے دسمبر۱۹۷۶ء کے دورہ نوشہرہ میں چند گھنٹے سن کر بہت پسند فرمایا اور گرانقدر حواشی و تفصیلات قلمبند کروائیں - یہ روحانی علمی شہکار کتابت کے مراحل میں ہے -

۲ - مکتوبات حضرت علامہ افغانی: محقق دوراں شیخ الاسلام حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمتہ اللہ علیہ کے تحقیقی علمی روحانی مکتوبات گرامی کافی تعداد میں جمع و مرتب ہو چکے ہیں - جو ان کے صاحبزادہ محترم جناب سید محمد داؤد جان افغانی سلمہ کے مشورہ سے قریب التکمیل ہیں - اس لئے فوری توجہ فرماتے ہوئے تمام مکاتیب مبارکہ کے عکس روانہ کردیں - شکریہ!

۳ - مکتوبات حضرت ہزاروی: مجاہد ملت ولی کامل حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمتہ اللہ علیہ کے عجیب مجاہدانہ مبارک خطوط واہم مضامین ان کے خدام خاص حضرت مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی اور حضرت حکیم مسعود الرحمٰن صاحبان کے مشورہ سے مرتب کئے جارہے ہیں -

۴ - مکتوبات حضرت پسروری: حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ اجل مجسمہ علم و عمل حضرت مولانا مفتی بشیر احمد پسروری رحمتہ اللہ علیہ کے علمی و روحانی مکتوبات گرامی ان کے جانشین حضرت مولانا رشید احمد صاحب کے مشورہ سے جمع کئے جارہے ہیں بندہ کے نام بہت سے خطوط تو مرتب ہو چکے ہیں - اور باقی کا انتظار شدید ہے -

خصوصی درخواست و التماس: ان بزرگوں کے عقیدت مند ' خلفائے کرام اور منتسبین و شاگردوں سے مودبانہ درخواست ہے کہ جن حضرات کے پاس ان میں سے کسی بزرگ کی کوئی تحریر ' خط یا عطا فرمودہ کوئی وظیفہ ' دعا وغیرہ موجود ہو وہ مہربانی فرماتے ہوئے اسے ایک امانت سمجھ کر آنے والی نسلوں تک محفوظ کرنے کے لئے دست تعاون بڑھائیں اور فوری طور پر ان مبارک کاغذات و مکتوبات کے فوٹواسٹیٹ کاپی بندہ کے نام رجسٹری سے روانہ فرما دیں کیونکہ یہ سب کتب ترتیب کے آخری مراحل میں ہیں اور اس طرح یہ جلد شائع ہوسکیں گی - اس سلسلہ میں تمام حضرات سے خصوصی دعاؤں کی بھی درخواست بھی ہے -

پتہ: مرتب مکتوبات اکابرین - احمد عبدالرحمٰن الصدیقی ایم اے ' مکتبۂ حکمتِ اسلامیہ ۴ ر ۱۱۷۹ نزد عیدگاہ نوشہرہ صدر ضلع پشاور پاکستان فون نمبر ۳۵۲۲

فہرست مضامین

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ اَللّٰهُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى

یَااَللّٰهُ یَاهُوَ یَارَحْمٰنُ یَارَحِیْمُ یَامَلِكُ یَاقُدُّوْسُ یَاسَلَامُ یَامُؤْمِنُ یَامُهَیْمِنُ یَاعَزِیْزُ
یَاجَبَّارُ یَامُتَكَبِّرُ یَاخَالِقُ یَابَارِئُ یَامُصَوِّرُ یَاغَفَّارُ یَاقَهَّارُ یَاوَهَّابُ یَارَزَّاقُ یَافَتَّاحُ
یَاعَلِیْمُ یَاقَابِضُ یَابَاسِطُ یَاخَافِضُ یَارَافِعُ یَامُعِزُّ یَامُذِلُّ یَاسَمِیْعُ یَابَصِیْرُ یَاحَكَمُ
یَاعَدْلُ یَالَطِیْفُ یَاخَبِیْرُ یَاحَلِیْمُ یَاعَظِیْمُ یَاغَفُوْرُ یَاشَكُوْرُ یَاعَلِیُّ یَاكَبِیْرُ یَاحَفِیْظُ
یَامُقِیْتُ یَاحَسِیْبُ یَاجَلِیْلُ یَاكَرِیْمُ یَارَقِیْبُ یَامُجِیْبُ یَاوَاسِعُ یَاحَكِیْمُ یَاوَدُوْدُ یَامَجِیْدُ
یَابَاعِثُ یَاشَهِیْدُ یَاحَقُّ یَاوَكِیْلُ یَاقَوِیُّ یَامَتِیْنُ یَاوَلِیُّ یَاحَمِیْدُ یَامُحْصِیْ یَامُبْدِئُ
یَامُعِیْدُ یَامُحْیِیْ یَامُمِیْتُ یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ (۹۹ مرتبہ) یَاوَاجِدُ یَامَاجِدُ یَاوَاحِدُ یَااَحَدُ یَاصَمَدُ
یَاقَادِرُ یَامُقْتَدِرُ یَامُقَدِّمُ یَامُؤَخِّرُ یَااَوَّلُ یَااٰخِرُ یَاظَاهِرُ یَابَاطِنُ یَاوَالِیُ یَامُتَعَالِیْ
یَابَرُّ یَاتَوَّابُ یَامُنْتَقِمُ یَاعَفُوُّ یَارَءُوْفُ یَامَالِكَ الْمُلْكِ یَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ یَامُقْسِطُ یَاجَامِعُ
یَاغَنِیُّ یَامُغْنِیْ یَامَانِعُ یَاضَارُّ یَانَافِعُ یَانُوْرُ یَاهَادِیْ یَابَدِیْعُ یَابَاقِیْ یَاوَارِثُ
یَارَشِیْدُ یَاصَبُوْرُ

یہ ننانوے اسماء ربانی جل شانہ مشہور و معروف ہیں اور احادیث شریفہ میں ان کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ انہی میں اسم اعظم پوشیدہ ہے۔ ان کا ورد اکثر اولیائے کرام فرماتے رہتے ہیں۔ اسی طرح ماثور و مسنون دعاؤں کا عجیب بارک مجموعہ الحزب الاعظم ہے جو ہفتہ کے سات دنوں کی ترتیب سے سات ابواب پر مشتمل ہے۔ ہمارے اکثر اکابر کے معمولات میں داخل ہے۔ شیخ التفسیر قطب العالم حضرت لاہوری رحمہ اللہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور محقق دوراں حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے متعلقین و مسترشدین کو الحزب الاعظم کے ورد کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ اس بابرکت مجموعے کے پہلے حصے میں (جو ہفتہ کے دن پڑھا جاتا ہے) اسماء اللہ الحسنیٰ بھی ہیں۔ اس کا ایک خاص طریقہ امام الاولیاء حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد فرمودہ یہ ہے کہ ہر اسم مبارک سے پہلے لفظ **یا** کا اضافہ کر دیا جائے اور جب یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ پر پہنچیں تو اسے ننانوے مرتبہ پڑھا جائے۔ اس کے بعد آخر تک ایک ایک مرتبہ پڑھ کر مکمل کر لیا جائے۔ اسی طرح جمعۃ المبارک کے دن الحزب الاعظم کا اختتام ہو تو اس کے فوراً بعد دو رکعت صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر صرف انہی اسمائے حسنیٰ کو درج بالا ترتیب سے پڑھیں اور پھر اپنے اور امت حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ مقاصد دارین کے لیے دل سے دعا فرماویں۔ حضرت شیخ لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اجل حضرت مولانا مفتی بشیر احمد پسروری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے جانشین حضرت مولانا محمد علیہ الله نور ظلہم نے روزانہ صرف الاسماء الحسنیٰ کو درج بالا طریقے پر وِرد رکھنے کو باعث برکات دارین قرار دیا ہے۔ اس لیے افادۂ عام کے لیے ہدیۂ ناظرین و قارئین کرام ہے۔ امید ہے کہ اس مبارک عمل کو خلوص و محبت اور یقین کامل سے کر کے ان شاء اللہ مسرت و سعادت سے شاد کام ہوں گے۔ **نوٹ:** سورت یٰسین شریف، سورت اخلاص شریف اور سورۂ حشر کی آخری آیات مبارکہ میں بھی اسماء ربانی کے پڑھنے کے خاص طریقے ہیں۔ ضرورت مند اور شوقین حضرات اس کے لیے لکھ سکتے ہیں اور دعاؤں کی مؤدبانہ التماس ہے۔

مرتبہ خادم سلسلہ قادریہ راشدیہ سلاسل اربعہ روحانیہ مبارکہ۔ الاحقر احمد عبد الرحمٰن الصدیقی عفا اللہ عنہ

اشتہار ہٰذا و انجمن کی دیگر تبلیغی مطبوعات مفت حاصل کرنے کیلیے
اپنا پتہ بذریعہ ڈاک فوراً روانہ فرمائیں

1169/4 نزد تاج بلڈنگ نوشہرہ صدر ○ ضلع پشاور

مفت ملنے کا پتہ و ناشر

انجمن خدام الدین رجسٹرڈ 1169/4 نوشہرہ صدر ○ ضلع پشاور

ادارہ شمس المعارف سے شائع ہونے والی کتب

۱ ۔ مکتوبات حضرت افغانی : سینکڑوں خطوط جو حضرت الشیخ العلامہ افغانی رحمہ اللہ علیہ کے علوم ومعارف کا خزینہ ہیں ۔ مختلف روحانی ۔ علمی معاشرتی مسائل کا قرآن وحدیث سے اور سلف صالحین کے انداز میں عجیب وغریب جوابات اور وظائف ومعمولات نیز نصائح و ہدایات کا گرانقدر مجموعہ ہے ۔ سالکین وعلماء سب کے لئے باعث تسکین ومسرت ہوگا

۲ ۔ سائنس اور اسلام : اردو ' انگلش : جدید وقدیم معلومات کے ذریعہ اسلامی عقائد اور اعمال کو ہر زمانہ و ہر طبقہ کے سامنے پیش کرنے کی ایک شاندار دینی علمی کوشش ہے جس میں وحدانیت باری تعالیٰ ۔ ختم نبوت ۔ وحی کی ضرورت اور آخرت کے عقیدے کے ساتھ ساتھ سینکڑوں مسائل پر عقلی دلائل دیئے گئے ہیں ۔ جنہیں ہر کوئی انصاف پسند غور سے پڑھنے کے بعد اسلام کی حقانیت کو قبول کرنے پر مجبور ہو جائیگا ۔ اس غرض سے اس کا انگلش ترجمہ بھی عنقریب الگ شائع کیا جا رہا ہے ۔ جو خود حضرت افغانی رحمہ اللہ علیہ کی خواہش بھی تھی ۔

۳ ۔ حضرت علامہ افغانی رحمہ اللہ علیہ کے دیگر بیسیوں چھوٹے بڑے رسائل اور مضامین جو زیر ترتیب ہیں ۔ اور بہت جلد ادارہ شمس المعارف کے ذریعہ عوام وخواص کے لئے ظاہری و باطنی علوم ومعارف لئے ہوئے شائع ہونگے ۔ تمام بزرگوں اور احباب سے کامیابی کی دعاؤں کی درخواست کے ساتھ ساتھ اپنے پتے اور مطلوبہ تعداد کی اطلاع دینے کی درخواست ہے ۔

۴ ۔ وظائف و تعویزات : حضرت علامہ افغانی رحمتہ اللہ علیہ نے اس ناچیز کو کچھ مخصوص وظائف پڑھانے کے بعد از خود اپنے تمام گرانقدر اور نہایت نایاب تعویزات و وظائف کی تحریری اجازت بہ فرما کر مرحمت فرما دی کہ میں اس عظیم نعمت روحانیہ سے امت کو محروم کرنا نہیں چاہتا اور حضرت ہی کے حکم سے ان کی حیات مبارکہ میں ناچیز یہ کام کرتا رہا ۔ ادارہ شمس المعارف حضرت علامہ افغانی رحمتہ اللہ علیہ کی وصیت پر عمل پیرا ہو کر ان کے تمام وظائف و تعویزات کتابی شکل میں مرتب کرنے کا اہتمام کر رہا ہے ۔ حضرت کے تمام متعلقین عقیدت مندوں اور تلامذہ و خلفاء سے خصوصی تعاون ' سرپرستی کا خواستگار ہوں ۔

شکریہ والسلام

نوٹ : چونکہ حضرت رحمہ اللہ کی مطبوعہ تصانیف نایاب ہیں چنانچہ ادارہ تمام تصانیف مطبوعہ و غیر مطبوعہ کی اشاعت کا اہتمام کررہا ہے

نوٹ : حضرت کے تلامذہ اور خلفاء کی فہرست تیار کی جارہی ہے تمام متعلقین حضرات سے اپنے نام اور پتے ارسال فرمانے کی درخواست ہے ۔

سید محمد داؤد جان افغانی صدر ادارہ شمس المعارف (وقف) ترنگ زئی ۔ چارسدہ ۔ پشاور ۔

حضرت علامہ افغانی رحمہ اللہ علیہ کی دیگر تصانیف

مطبوعہ

علوم القرآن

سائنس اور اسلام اردو

سرمایہ دارانہ واشتراکی نظام کا

اسلام معاشی نظام سے موازنہ

شرعی ضابطہ دیوانی

اسلام دین فطرت

ترقی اور اسلام، اسلامی جہاد

آئین آریہ، عصمت انبیاء علیہم السلام

معدن السرور، تصوف۔ عربی

معین القضاۃ والمفتین۔ عربی

غیر مطبوعہ

چند دروس کوئٹہ

مکتوبات حضرت افغانی

سائنس اور اسلام (انگلش)

فاتحہ البخاری (بخاری شریف کی افتتاحی تقریر)

کلمتان خفیفتان (بخاری شریف اختتامی تقریر)

اسلام عالمگیر مذہب وظائف و عملیات حضرت افغانی

اور

مقالات حضرت افغانی وغیرہ

عربی شرح سنن ترمذی شریف